۷ جنوری ۱۹۳۰ء — ۲۱ جون ۱۹۳۰ء

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶۱

ٹیلیفون نمبر ۲۲۱۹

پیام تعلیم

نرخنامہ اشتہارات		نرخنامہ چندہ	
فی صفحہ	عہ	سالانہ	۶
نصف صفحہ	صہ	ششماہی	
چوتھائی صفحہ	۷	فی	

ایڈیٹر: سعید انصاری بی۔ اے (جامعہ)

جلد ۲ | ۷ جنوری ۱۹۳۰ سنہ عیسوی | نمبر ۲

پیام تعلیم (نیرزہ روزہ ؟)

۸ (۲-۱۰) ۹ (۱-۲)

۷ جنوری ۱۹۳۰ء — ۲۱ جون ۱۹۳۰ء

فہرست مضامین

* * *

دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟

ہندوستان کے اندر

۲۳ دسمبر ۱۹۲۹ء کو جبکہ ہزایکسلنسی وائسرائے اپنے نئے وائسریگل لاج کا افتتاح کرنے اور مہاتما گاندھی اور دوسرے اکابرین قوم ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کرنے کیلئے گفتگو کرنے آرہے تھے، کسی نے خود انہی کی قسمت کا فیصلہ کردینا چاہا۔ عین اس وقت جبکہ آپ کا اسپیشل نظام الدین اسٹیشن اور نئی دہلی کے درمیان گزر رہا تھا تو ایک گاڑی کے نیچے ایک نہایت خوفناک بم کا گولہ پھٹا جس سے کھانے کے کمرہ کا دروازہ پاش پاش ہوگیا۔ بعض کھڑکیوں کے شیشے بھی ٹوٹ گئے لیکن خیریت ہوئی کہ کوئی شخص زخمی نہیں ہوا۔ ہزایکسلنسی وائسرائے اس سے دو ڈبے پیچھے تھے، اس لئے وہ بالکل محفوظ رہے۔ یہ عجیب اتفاق کہ اب سے پورے ۱۸ سال پیشتر ۱۹۱۲ء میں جب کہ دہلی ہندوستان کا پایہ تخت بنائی جارہی تھی اور اس وقت کے وائسرائے لارڈ ہارڈنگ اس پایہ تخت کا افتتاح کرنیوالے تھے کہ کسی نے ان پر بھی بم کا گولہ پھینکا تھا جس سے معمولی زخم کے علاوہ کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ بہرحال اس غیر دوراندیشانہ حرکت سے اتنا نقصان تو ضرور ہوگا کہ ہندوستان کا سیاسی مطلع آئندہ کچھ عرصہ تک نہایت مکدر رہیگا۔

ہزایکسلنسی وائسرائے اور مہاتما گاندھی اور دوسرے لیڈروں میں ہندوستان کے مسائل پر جو گفتگو ہونیوالی تھی، وہ باوجود اس ناخوشگوار واقعہ کے سہ پہر میں کوئی تین گھنٹہ جاری رہی جس میں مہاتما گاندھی اور پنڈت موتی لال نہرو کا مطالبہ یہ تھا کہ پہلے نوآبادیات کے طرز کی حکومت دیئے جانے کا اعلان کردیا جائے۔ اس کے بعد اور کوئی گفت و شنید ہوسکتی ہے اور ہزایکسلنسی وائسرائے یہ چاہتے تھے کہ پہلے اور معاملات طے ہوجائیں، پھر یہ سوال بعد میں آئے۔ غرض اس بنیادی اختلاف کی بنا پر یہ گفتگو بےنتیجہ رہی اور تمام لیڈران مایوس واپس گئے۔

ہندوستان کے باہر

سر آغا خاں نے ۵ سو پونڈ کا ایک انعام اس ہندوستانی ہوا باز کیلئے رکھا ہے جو ۱۹۳۰ء میں سب سے پہلے اپنا جہاز اُڑا کر ہندوستان لائیگا۔ تازہ اطلاعات سے معلوم ہوا ہے کہ منموہن سنگھ نامی برسٹل یونیورسٹی کا ایک ہندوستانی طالب علم اس انعام کے حاصل کرنے کی کوشش کررہا ہے۔ طالب علم مذکور ڈاکٹر لچھمن سنگھ کا لڑکا ہے جو ہندوستان کے محکمہ طب میں ملازم ہیں۔

اب سے کچھ عرصہ پیشتر یورپ کے بعض مفتشین نے مصر میں توتنخ آمون (قدیم فراعنہ مصر) کی کچھ قبروں کا زمین کھود کر پتہ لگایا تھا اور ان کی خزانوں کو اُٹھا کر یورپ کے عجائب خانوں میں لے گئے تھے، اس وقت سے عام خیال یہ پھیل گیا ہے کہ ان مُردوں کی بددعا سے تمام مفتشین بہت جلد مرتے جاتے ہیں۔ چنانچہ ابھی حال میں اس کے نویں مفتش ڈاکٹر کارویر کا انتقال ہوا ہے۔ آٹھ اس سے پہلے مرچکے ہیں۔

اسکاٹلینڈ کے کسی مقام پر ایک سینما ہاؤس میں یکبارگی آگ لگ گئی جس میں زیادہ تر سب بچے ہی بچے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ اس آگ لگنے میں جو بھاگڑ مچی تو کوئی ۶۰ بچے بھیڑ میں دب کر اور دم گھُٹ کر ہلاک ہوگئے۔ اس حادثہ کی خبر کا گردونواح میں پہنچنا تھا کہ بچوں کے والدین اور سرپرستوں کا دھاوا ہوا اور ہر ایک اپنے بچے کی تلاش و جستجو میں بدحواس تھا۔ بعض ماؤں نے جو اپنے بچوں کی لاشیں دیکھیں تو صدمہ سے غش کھا کر زمین پر گر پڑیں۔

روٹی کا سوال

"نقاد"

"پیام" کے گزشتہ نمبر میں ابھی "پڑھے لکھوں کی بے روزگاری" پر اس اسکیم کے سلسلہ میں اظہار خیال کیا جا چکا ہے، جسے یو۔پی گورنمنٹ کے سامنے اس کی مقرر کردہ کمیٹی نے پیش کیا ہے۔ اپنی رپورٹ میں ارکان مذکور نے متوسط طبقہ میں تعلیم یافتوں کی بے روزگاری کا تمام تر ذمہ دار نہایت علانیہ اور صاف لفظوں میں موجودہ نظام تعلیم کو قرار دیا ہے اور اسی کے ساتھ اس کے رفع کرنیکی کچھ تدابیر بھی پیش کی ہیں جنسے ہمارے خیال میں اصل مرض کا ازالہ نہیں ہو سکتا، بلکہ زیادہ سے زیادہ صرف اس کے مریضوں کو کسی قدر سکون و اطمینان ہو سکتا ہے۔ یہ جادو ایک بار بلکہ اس سے پیشتر ایک سے زاید بار سر پر چڑھ کر بول چکا ہے اور حکومت کے ذمہ دار سے ذمہ دار حلقوں سے بھی اس نظام تعلیم کے خلاف صدائیں اُٹھ چکی ہیں، گو وہ کسی قدر پست اور دھیمی رہی ہوں۔ ابھی حال میں اسی صوبہ کے محکمۂ تعلیم کے ایک سب سے بڑے رُکن مسٹر اے۔ ایچ میکنزی ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیمات نے اسی مسئلہ پر جن خیالات و حقایق کا اظہار کیا ہے، وہ وہی جادو ہے جو حکومت کے اس اعلیٰ رُکن اور بڑے معتمد کے سر پر چڑھ کر بول رہا ہے۔ بریلی کالج کے ایک جلسۂ تقسیم انعامات کے سلسلہ میں تقریر کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ :-

"جب میں لڑکوں کو قطار در قطار دیکھتا ہوں تو میرے دماغ میں سب سے بڑا خیال جو چکر لگانے لگتا ہے کہ یہ کس طرح اپنی روزی پیدا کریں گے؟ میرے خیال میں متوسط طبقہ کے اندر پڑھے لکھوں کی بے روزگاری کا سوال آج کل کا سب سے اہم سوال ہے، یہ ہمیشہ ایک بھوت کی طرح لڑکوں کے والدین کے سر پر بھی سوار رہتا ہے اور خود ان کے دماغ بھی اس فکر و تردد سے خالی نہیں رہتے

"اس کالج کے تقریباً ۵۰ فیصدی لڑکے تعلیم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد کسی قسم کے تجارتی کاروبار یا صنعت و حرفت میں لگ جائیں گے لیکن سوال یہ ہے کہ ان ۵۰ فیصدی لڑکوں کو انکی تعلیم و تربیت نے ان کے اپنے کام کیلئے کس حد تک مدد پہنچائی ہے؟ وہ فوراً کہہ اُٹھیں گے کہ تاریخ، فلسفہ، معاشیات یا دیگر مضامین انھوں نے جسقدر پڑھے ہیں اتنی ضرورت انھیں قطعی نہ تھی، برعکس اس کے وہ بتائیں گے) اور یہ چیز سب سے زیادہ قابل لحاظ ہے) کہ عملی دنیا میں قدم رکھنے کے لئے بعض ایسے اوصاف کی ضرورت ہے جن سے ذمہ داری کا احساس، استقلال مزاج، ہمت و جرأت، یکجہتی و یگانگت پیدا ہو اور ان کے علاوہ پابندیٔ وقت اور صحت و صفائی کا خیال بھی آئے۔ ان اوصاف کے پیدا کرنے کے لئے جو طریقے ممکن ہوں، وہ اختیار کرنے چاہئیں اور لکچروں اور درسی کتابوں کے جوئے سے اپنی گردنوں کو چھڑانا چاہیے۔"

یہ الفاظ نیشنل کانگریس کے کسی کارکن یا قومی کالج کے کسی پرنسپل کے نہیں ہیں بلکہ یو۔پی گورنمنٹ کے ایک ایسے ذمہ دار رکن اور ماہر تعلیم کی زبان سے نکلے ہیں جسے اپنی آنکھوں سے روزانہ تلخ تجربات اور اس قسم کے ناخوشگوار واقعات دیکھنے پڑتے ہیں۔ موجودہ نظام تعلیم کے نقایص اس قدر مسلم اور عام ہو گئے ہیں کہ ان میں مزید بحث و تکرار کی ضرورت ہی نہیں، سوال اب ان نقائص کے دور کرنیکی تدبیروں اور طریقوں کا ہے۔

خود اپنی طرف سے کوئی طریقہ عمل تجویز کرنے کی بجائے ہماری رائے میں اگر ہندوستان کے ایک اور بڑے تعلیمی تجربہ کار اور حکومت کے بہی خواہ کے خیالات پیش کردیے جائیں تو بہتر ہے۔ پنڈت مدن موہن مالوی صاحب جو بنارس ہندو یونیورسٹی کے وایس چانسلر ہونے کے علاوہ حکومت کے ایک بڑے بہی خواہ اور معتمد بھی سمجھے جاتے ہیں۔ یونیورسٹی مذکور کے جلسہ تقسیم اسناد میں اپنے ایڈریس کے ضمن میں موجودہ نظام تعلیم کے نقائص کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں :-

"کسی ملک کی حکومت میں قومی تعلیم کا سوال ایک بہت اہم سوال ہے۔ اس کے مختلف پہلوؤں کا حل صحیح اور پورے طور پر اسی وقت ہو سکتا ہے جب اپنی قومی حکومت ہو۔ جب قومی حکومت قائم ہو جائیگی جیسا کہ مجھے امید ہے کہ آیندہ سال تک ضرور ہو جائیگی، اس وقت سب سے پہلا کام اس کا یہ ہوگا کہ تمام بڑے بڑے ماہرین تعلیم کی ایک کانفرنس منعقد کرے جو بحث و مباحثہ کے بعد ایک ایسی پالیسی طے کر دے جس پر تمام ہندوستان میں عملدرآمد کیا جا سکے۔

"یہ کانفرنس عام تعلیم کے معاملہ میں دوسری اقوام کے تجربوں کو پیش نظر رکھے گی اور ایک ایسا جامع اور مکمل لائحہ عمل تیار کریگی جو ملک کے تمام طبقوں کی ضروریات کیلئے اطمینان بخش ہو سکے گا جب اس قسم کی پالیسی اور لائحہ عمل کو ہندوستان کی آیندہ حکومت اختیار کریگی اُس وقت اور صرف اُسوقت ہندوستان کی یونیورسٹیاں اچھے نتائج پیدا کر سکتی ہیں۔"

آیندہ سال قومی حکومت کے قیام کا خیال تو خیر مالوی جی کا ایک محض خیال خام ہے۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ موجودہ نقائص کی مکمل اصلاح بجز اس کے اور کسی طرح ممکن نظر نہیں آتی۔ حکومت کبھی تغیر و اصلاح کی طرف توجہ بھی کرتی ہے تو وہ بہت سطحی اور ظاہری ہوتی ہے جیسی کہ یو۔پی گورنمنٹ کی مقرر کردہ کمیٹی نے تجویز کی ہے۔ اصل علاج صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے، جب حکومت اپنی ہو۔ تاکہ نہ صرف یہ کہ وہ درمیان میں حائل نہ ہو بلکہ اصلاحی تدابیر میں مدد و معاون بھی ہو۔ پنڈت مالوی جی جو ہندو یونیورسٹی بنارس کے وائس چانسلر ہونیکی حیثیت سے موجودہ نظام تعلیم کے ایک بہت بڑے حامی اور معین کہے جا سکتے ہیں اور ساتھ ہی اس کے حکومت کے بھی بہت بڑے ہوا خواہ اور معتمد ہیں، جب انکی زبان سے اس قسم کی باتیں سننے میں آئیں تو پھر دوسروں کا کیا ذکر!

اپنی اسی تقریر کے دوران میں وہ آجکل کے مروجہ نظام تعلیم کے متعلق فرماتے ہیں کہ

"یہ محض یورپ کی نقالی ہے اور نقالی بھی ایسی جس میں کوئی نفع اور فائدہ نہیں۔ یہ نظام ہندوستان کی قومی اور تمدنی ضروریات کیلئے مطلق موزوں نہیں ہم لوگ اب تک ایک ایسے نظام کی تقلید کرتے آئے ہیں جو اصل میں دوسروں کے لئے بنایا گیا تھا اور جسے خود انھوں نے بھی ایک عرصہ ہوا، چھوڑ دیا ہے"

اس پر مزید کچھ کہنا عبث ہے۔ اس کی خرابیاں ایک سے زاید بار اور ہر عقیدہ اور ہر خیال کے لوگوں کی زبانوں سے بیان ہو چکی ہیں اور نہ صرف یہی بلکہ اس کے بڑے نتائج بے روزگاروں کی صورت میں ہم کو ہر طرف نظر رہے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اس نظام تعلیم کے بیکار، بے سود اور مضر و نقصان دہ ہونے کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ ملک میں ہر طرف سے ایک چیخ و پکار اُٹھ رہی ہے۔

لیکن اسی کے ساتھ ایک بات اور کہنے کی ہے اور وہ یہ کہ اگر حکومت اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اس نظام تعلیم کو بدل نہیں رہی ہے تو خود تعلیم پانے والے اور تعلیم دلانے والے کیوں اس قدر کور بصری سے کام لے رہے ہیں۔ اگر وہ دیکھتے ہیں کہ سامنے کنواں ہے تو اس شور و شغب سے کیا حاصل کہ "سامنے کنواں ہے! سامنے کنواں ہے!" اور پھر اس میں گر پڑیں۔ وہ خود یہ کیوں نہیں کرتے کہ اپنے آپکو اس تباہی کے گڈھے سے بچائیں۔ دنیا میں روٹی صرف اعلیٰ تعلیم ہی حاصل کرکے نہیں کمائی جا سکتی ہے، بلکہ اور بھی بہت سے طریقے اور وسیلے ہیں۔ ہمیشہ ہندوستان میں تعلیم ہی کے ذریعہ لوگوں نے اپنی معاش پھر نہیں پیدا کی ہے۔ اور نہ آج دنیا میں کہیں تعلیم ذریعہ معاش ہے ہم کیوں اس کے پیچھے پڑے ہیں اور ہمیں اس پر اس درجہ ضد اور اصرار کیوں ہے۔

کوائف جامعہ

۵ جنوری ۱۹۳۳ء کو جامعہ کھل گئی اور اس کا دوسرا سشن ایک نئے جوش اور سرگرمی کے ساتھ شروع ہو رہا ہے۔ امید ہے کہ ارکان جامعہ کو قدرے اطمینان اور فراغ میسر ہونے کے باعث اس سشن میں زیادہ کام کرنے کا موقع ملیگا اور جامعہ کی انتظامی اور تعلیمی خامیاں بہت حد تک رفع ہو سکیں گی۔

جنوری کے وسط میں جامعہ کے ایک نہایت لایق اور ہونہار فارغ التحصیل جناب یوسف حسین خانصاحب، پیرس سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے آرہے ہیں۔ آپ کا وہ مقالہ جس پر آپ کو ڈاکٹری کی ڈگری ملی ہے، گزشتہ ولایتی ڈاک سے آگیا ہے، جس کے متعلق تفصیلی معلومات ہمعصر رسالہ "جامعہ" دیگا۔

اس ماہ میں جامعہ کے ایک اور فارغ التحصیل جناب غلام سرور صاحب جنھوں نے عربی ادب میں امتیازی سند لی ہے، عربی علوم و ادب کی مزید تحصیل کیلئے مصر جا رہے ہیں۔ ہماری دلی دعا ہے کہ خدا ان کا یہ سفر مبارک کرے اور موصوف اپنی آرزوؤں اور امیدوں میں کامیاب لوٹیں۔

جامعہ کے ایک اور طالب علم جناب حفیظ الدین صاحب طباعت کا کام سیکھنے کی غرض سے تین مہینہ کے لئے علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ پریس بھیجے جا رہے ہیں۔ آپ کے واپس آنے کے بعد امید ہے کہ جامعہ پریس کا کام پھر شروع ہو سکے گا۔

ہم یہ خبر نہایت مسرت سے درج کرتے ہیں کہ دسمبر کی گزشتہ چھٹیوں میں ہماری جامعہ کے بزرگ اساتذہ میں جناب مولنا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری کی شادی خانہ آبادی ہوئی ہے۔

گزشتہ دورے کے سلسلہ میں شیخ الجامعہ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خانصاحب نے اپنے حیدر آباد کے دوران قیام میں دار الترجمہ اور دائرۃ المعارف کی مطبوعات کیلئے بھی ایک کوشش کی تھی۔ بحمد اللہ کہ وہ کوشش نصف تو بارآور ہوئی یعنی دار الترجمہ کی تمام مطبوعات ہمارے یہاں آگئیں۔ ہم ارکان دار الترجمہ کا جنکی کوششوں سے یہ بیش بہا علمی خزینہ ہم تک پہنچا ہے، بدل ممنون و مشکور ہیں اور امید دلاتے ہیں کہ اس قسم کے علمی مبادلے جامعہ عثمانیہ اور جامعہ ملیہ میں آئندہ گہرے اور مضبوط تعلقات کے قیام کا باعث ہونگے۔

دیکھئے دائرۃ المعارف کے ارکان کب شکریہ کا موقع دیتے ہیں؟

---

۱۰ جنوری کو طلبائے کالج کی "انجمن اتحاد" کے ماتحت ایک تفریحی جلسہ منعقد ہوا جس میں صوبہ برار کے مخلص قومی کارکن جناب گل شیر خانصاحب نے اپنے نظم و نثر کے ملفوظات سے طلبہ اور اساتذہ کو بیحد محظوظ فرمایا۔ آپ نے بعض تاریخی عمارتوں پر اور مولنا ظفر علی خاں کی بعض نظموں کے جواب میں نہایت عمدہ اور پر لطف نظمیں سنائیں۔ بعض لیڈروں کی تقریروں کا آپ نہایت صحیح چربہ اتارتے ہیں، جسے سن کر حاضرین لوٹ لوٹ پڑتے ہیں۔

دسمبر کی تعطیلات میں دار الاقامہ "بشیر منزل" کا ایک نہایت لایق اور وفادار نوکر اللہ مہر بعارضہ نمونیہ انتقال کرگیا۔ خدا مرحوم کی مغفرت کرے اور اس کے بیوی بچوں کو صبر عطا فرمائے۔ آمین۔

دار الاقامہ مذکور کے طلبہ نے اپنے اس وفادار اور لایق خادم کی یادگار میں ایک فنڈ کھولا ہے جس میں وہ ہر ہفتہ اپنے جیب خرچ سے کچھ نہ کچھ پیسے اس میں ڈالدیں گے اور اس طرح مہینہ کے آخر میں جو رقم اکٹھا ہوگی وہ اس کے بیوی بچوں کو بھیجدی جایا کریگی۔

سائینس

کیوں اور کس طرح؟

(۳) پانی کے حجم میں تبدیلی کس طرح ہوتی ہے؟

یہ بات عام طور پر معلوم ہے کہ برف پانی کی سطح پر تیرتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ برف نسبتاً پانی کے ہلکی ہے جب انکو پگھلاتے ہیں تو وہ سکڑ کر پانی بنجاتی ہے بہت چیزیں پگھلنے سے پھیلتی ہیں مثلاً لوہا، پارہ، پانی الکحل اسپرٹ وغیرہ مگر برخلاف اس کے برف نہیں پھیلتی بلکہ سکڑتی ہے اگر ہم برف کو گرم کریں تو اس کا درجہ حرارت بڑھتا چلا جاتا ہے۔ کہ وہ صفر درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ پھر وہ پگھلتی ہے۔ اور پگھلنے میں بہت ہی سکڑتی ہے۔ صفر درجہ پر پانی گرم کریں تو ۴ درجہ تک سکڑتا ہے۔ اور زیادہ گرم کرنے پر پھیلنا شروع ہوتا ہے۔ ۴ درجے سے کم حرارت کا پانی ۴ درجے حرارت کے پانی سے ہلکا ہوتا ہے۔ پس پانی باقاعدہ حرارت سے نہیں پھیلتا۔ صفر درجہ سے چار درجے تک تو وہ حرارت سے سکڑتا ہے اور اس سے اوپر حرارت سے پھیلتا ہے۔ پانی برف بننے میں بہت سا پھیلتا ہے۔ اس کا یہ فائدہ ہے۔ کہ جب جھیلوں سمندروں کا پانی سردی کے موسم میں ٹھنڈا ہوتا ہے۔ تو اسی کے اوپر برف کی تہ جم جاتی ہے۔ اگر برف پانی سے بھاری ہوتی تو وہ نیچے بیٹھ جاتی اور اس کی جگہ اور پانی جم جاتا۔ وہ بھی برف بنکر نیچے چلا جاتا تو اور بن جاتا غرضیکہ اسی طرح سلسلہ جاری رہتا۔ اور اسی طرح ہوتے ہوتے تمام کا تمام پانی جم جاتا گرمیوں میں اس کا پگھلنا ناممکن ہوتا ہے۔ کیونکہ اوپر کی تہ پگھل جاتی اور برف سے ہلکی ہونیکی وجہ سے اوپر تیرتی رہتی۔ نیچے حرارت بالکل نہ پہنچتی اور نچلی برف نہ پگھل سکتی۔ سمندر گرمیوں کے موسم میں بھی جہازرانی کے قابل نہ ہوتے۔ مگر یہ ایسا نہیں ہوتا۔ برف سمندر کی اوپر کی تہ پر منجمد ہوتی ہے اور چونکہ برف پانی سے ہلکی ہوتی ہے۔ اس لئے پانی سے اوپر تیرتی رہتی ہے اور نیچے کے پانی کی حرارت کو خارج نہیں ہونے دیتی اس لئے وہ ٹھنڈا نہیں ہونے پاتا۔ برف کی صرف ایک تہ ہوتی ہے۔ جو موسم گرما میں آسانی پگھل جاتی ہے۔ پانی کے برف بننے میں پھیلنے کا اثر یہ بھی ہوتا ہے کہ اس کے عمل سے پہاڑ۔ پتھر۔ عمارت وغیرہ تباہ اور خراب ہوجاتے ہیں۔ اگر سالہا سال بھی پہاڑوں اور پتھروں پر پانی برستا رہے تو ان کو تباہ نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر تھوڑا سا پانی ان کے مسامات میں داخل ہو جائے۔ تو ان پر عمل کرنے لگتا ہے۔ پتھروں اور عمارت میں اگر کوئی ایسا مصالحہ ہو جس سے پانی ان میں بخوبی داخل ہو سکے۔ اور وہ پانی میں حل ہو سکے یا اگر پانی پتھروں کی بیرونی سطح کے مسامات کے اندر سرایت کرے اور پھر شدت کی سردی ہو تو پانی منجمد ہو جائیگا اور جم کر برف بن جائیگا اور برف بننے سے پانی پھیلتا ہے۔ جب پانی زور سے پھیلے گا تو پتھروں کی سلیاں پھٹ جائینگی پس پتھر کی تیلی تیلی تہیں جدا ہوتی اور گرتی جائینگی پتھر کتنا ہی سخت کیوں نہ ہو۔ پھٹ جائیگا۔ سرد ملکوں میں عمارتوں کے باہر کا چونا۔ پتھر اور پہاڑ ان کے مسامات میں پانی جم کر برف بن جاتا ہے۔ اور اسی وجہ سے یہ خراب و خستہ ہو جاتے ہیں۔ اور بعد ازاں بارش ان مواد کو بہا کر سمندر میں لے جاتی ہے۔

جغرافیہ

دنیا کی سب سے پہلی جاندار اشیاء

تمہیں یاد ہوگا کہ گزشتہ کسی خط میں میں نے تمہیں بتایا تھا کہ ایک عرصہ تک زمین کی حرارت اس درجہ زیادہ تھی کہ اس پر کوئی جاندار چیز رہ نہیں سکتی تھی۔ اس زمین پر جاندار چیزیں کب سے رہنا شروع ہوئیں؟ اور سب سے پہلی جاندار چیزیں کیا تھیں؟ یہ ایک بہت دلچسپ سوال ہے لیکن اس کا جواب دینا بھی اسی قدر مشکل ہے۔ سب سے پہلے یہ دیکھو کہ آخر جان ہے کیا چیز؟ تم غالباً یہ کہو گی کہ انسان اور جانور جاندار چیزوں میں شامل ہیں۔ لیکن درختوں، جھاڑیوں، پھولوں اور ترکاریوں کے بارے میں تم کیا کہو گی؟ یقیناً ان چیزوں میں بھی جان ہے۔ یہ چیزیں بھی بڑھتی ہے پانی پیتی ہیں، ہوا کھاتی ہیں اور مر جاتی ہیں۔ درخت اور جانور میں سب سے بڑا جو فرق ہے وہ یہ کہ درخت اپنی جگہ سے ہل پھر نہیں سکتا شاید تمہیں یاد ہو کہ ایک بار میں نے تمہیں لندن کے کیو گارڈن میں کچھ پودے دکھائے تھے۔ یہ پودے بعض جانوروں کی طرح کھیاں کھاتے ہیں اسی طرح بعض جانور ہوتے ہیں مثلاً سمندر پھین یا اسفنج یہ سمندر کی تہ میں ہوتا ہے اور اپنی جگہ سے نقل و حرکت نہیں کرتا۔ بعض وقت یہ کہنا بہت مشکل ہوتا ہے کہ فلاں چیز جانور ہے یا پودا۔ جب تم علم النباتات یعنی پودوں کے متعلق علم یا علم الحیوانات یعنی جانوروں کے متعلق علم پڑھو گی تو اس وقت تمہیں یہ عجیب الخلقت چیزیں معلوم ہونگی جو نہ پورے طور پر جانور ہیں، نہ پودا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ پتھروں اور چٹانوں میں بھی ایک قسم کی جان ہوتی ہے اور انھیں بھی درد اور تکلیف کا برابر احساس ہوتا ہے۔ لیکن اس بات کا معلوم کرنا ذرا مشکل ہے۔ تمہیں شاید یاد ہو کہ جنیوا میں ایک صاحب ہم سے ملنے آئے تھے۔ ان کا نام سر جگدیش چندر بوس ہے۔ انھوں نے تجربے سے یہ ثابت کیا ہے کہ پودوں میں بہت کافی جان ہوتی ہے اور ان کا خیال ہے کہ پتھر میں بھی کسی قدر جان ہوتی ہے۔

بہرحال، اب تم نے اندازہ کر لیا ہوگا کہ یہ کہنا آسان نہیں کہ کونسی چیز زندہ ہے اور کونسی نہیں، لیکن سردست کنکر پتھر کا سوال چھوڑ دو۔ و۔ صرف پودوں اور جانوروں کو لو۔ آج دنیا میں ہزاروں لاکھوں زندہ چیزیں ہیں اور ان میں ہر قسم کی چیزیں ہیں۔ ان میں عورت اور مرد بھی شامل ہیں جن میں بعض بہت عقلمند ہیں اور بعض بہت بیوقوف۔ پھر اس کے علاوہ جانور ہیں اور ان میں بھی بعض ہاتھی، بندر اور چیونٹی جیسے سمجھدار ہوتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں جن میں بہت کم سمجھ ہوتی ہے۔ مچھلیاں اور سمندر کی بعض دوسری چیزیں اور بھی کم درجہ پر ہیں۔ اور ان سے بھی نیچے تمہیں سمندر پھین، لعاب کی طرح مچھلیاں اور بعض ایسی چیزیں ملیں گی جو کچھ تو جانوروں سے مشابہ ہیں اور کچھ پودوں سے۔

اب ہم کو یہ معلوم کرنا ہے کہ آیا یہ تمام مختلف قسم کے حیوانات یکبارگی اور ایک ساتھ وجود میں آئے یا رفتہ رفتہ ایک ایک کرکے؟ ہم یہ کیسے معلوم کر سکتے ہیں؟ اس وقت کی جبکہ یہ پیدا ہوئے، ہمارے پاس کوئی باقاعدہ کتاب نہیں ہے لیکن کیا ہماری "قدرت کی کتاب" اس بارے میں ہمیں کچھ مدد دے سکتی ہے؟ بے شک یہ ضرور مدد دے گی۔ ہمیں بعض پرانی چٹانوں پر جانوروں کی ہڈیاں ملتی ہیں۔ انھیں انگریزی میں فوسل (Fossils) کہتے ہیں اور جس جگہ ہمیں یہ ہڈیاں ملتی ہیں، اس جگہ کے متعلق ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اب سے بہت زمانہ پیشتر یہ جانور یہاں ضرور رہتے ہونگے۔ اس قسم کے بہت سے 'فوسل' یعنی پرانی ہڈیاں تم جنوبی کنگسٹن لندن کے عجائب خانہ میں دیکھ چکی ہو۔

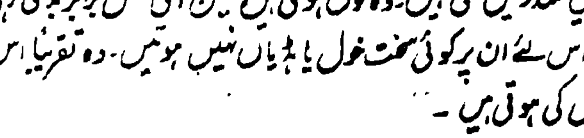
جب کوئی جانور مر جاتا ہے تو اس کے جسم کا ملائم اور گوشت والا حصہ جلدی سے سڑ گل جاتا ہے لیکن اسکی ہڈیاں عرصہ تک باقی رہتی ہیں۔ یہی ہڈیاں ہوتی ہیں جو ہمیں چٹانوں اور پہاڑوں پر ملتی ہیں اور انہی کے ذریعہ ہم ان جانوروں کا بہت کچھ حال معلوم کر سکتے ہیں جو مدتوں پہلے دنیا میں موجود تھے۔ لیکن فرض کرو کہ کسی جانور کے ہڈی ہی نہ ہو جیسے بعض مچھلیاں لعاب کی طرح ہوتی ہیں، پھر ان کے مر جانے کے بعد کیا باقی رہتا ہوگا؟

جب ہم ان چٹانوں میں تلاش و جستجو شروع کرتے ہیں اور ہر قسم کی پرانی ہڈیاں جمع کرتے ہیں تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ مختلف قسم کے جانور مختلف

زمانوں میں رہتے تھے۔ ایسا تو ممکن نہیں کہ وہ کہیں سے آئے نہ ہوں سب سے پہلے ہمکو بعض ایسے معمولی قسم کے جانور نظر آئیں گے جن پر خول ہوگا۔ مثلاً سیپ، کوڑی، گھونگھے وغیرہ۔ وہ خوبصورت خوبصورت گھونگیں جو تم اکثر سمندر کے کنارے دیکھتی ہو، در اصل ان جانوروں کی ہڈیوں کے خول ہیں جو عرصہ ہوا مر چکے ہیں۔ اس کے بعد ہمکو دوسری قسم کے جانور ملتے ہیں مثلاً سانپ، جنگلی جانور وغیرہ جنمیں سے بعض ہاتھی جیسے بھی بڑے ہوتے ہیں پرندے اور پالتو جانور وغیرہ جیسے آجکل موجود ہیں۔ اس کے بعد ہم کو آدمیوں کی ہڈیاں ملتی ہیں۔ غرض اس سے پتہ چلتا ہے کہ جانوروں کے وجود پذیر ہونے میں کسی نہ کسی قسم کی ترتیب اور نظام ضرور موجود تھا سب سے پہلے معمولی قسم کے جانور پیدا ہوئے اس کے بعد ذرا اس سے بڑے اور پیچیدہ شکل و ساخت کے جو رفتہ رفتہ اور پیچیدہ ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ اخیر میں سب سے اعلیٰ قسم کا جانور وجود میں آیا یعنی انسان۔

یہ سمندر چین اور خول والی مچھلی کس طرح رفتہ رفتہ ترقی کرتی اور صورت بدلتی گئی، یہ ایک نہایت دلچسپ مسئلہ ہے جس کے متعلق میں تم سے کسی اور دن بیان کرونگا لیکن اس وقت تم کو صرف یہ دیکھنا ہے کہ سب سے پہلی جاندار چیزیں کیونکر وجود میں آئیں؟

زمین کے ٹھنڈے ہو جانے کے بعد غالباً سب سے پہلی جاندار انتہا درجہ نرم لعابدار چیزیں تھیں جن پر کسی قسم کا خول یا ہڈیاں وغیرہ نہیں تھیں اور جو سمندر میں رہا کرتی تھیں ہمیں ان کی کوئی نشانی نہیں ملتی ہے، اس لئے کہ ان میں کوئی ہڈی وغیرہ تھی ہی نہیں۔ لہذا ہمکو انکے بارے میں کم و بیش قیاس سے کام لینا پڑیگا۔ آج بھی اس قسم کی بہت سی چیزیں سمندر میں ملتی ہیں۔ وہ گول ہوتی ہیں لیکن انکی شکل برابر بدلتی رہتی ہے اس لئے ان پر کوئی سخت خول یا ہڈیاں نہیں ہوتیں۔ وہ تقریباً اس شکل کی ہوتی ہیں۔



ان شکلوں میں تم دیکھوگی کہ بیچ میں ایک نقطہ سا ہوتا ہے۔ یہ مغز یا اصل کہلاتا ہے اور ایک طرح کا دل ہوتا ہے۔ یہ جانور، یا جو چاہو ان کو کہلو، عجیب طریقہ پر ایک سے دو ہو جاتے ہیں۔ وہ کسی ایک جگہ پر پتلا ہونا شروع ہوتے ہیں اور وہ پتلے ہوتے چلے جاتے ہیں، حتیٰ کہ کچھ عرصہ میں ٹوٹکر دو ہو جاتے ہیں اور فوراً ہی دونوں اصل جانور کی شکل کے مانند بن جاتے ہیں۔ یہ تقسیم اس طرح پر ہوتی ہے۔



تم دیکھتی ہوگی کہ یہ مغز یا دل بھی دو ٹکڑے ہو جاتا ہے اور ہر حصہ میں اس کا ایک جزو چلا جاتا ہے اس طریقہ سے یہ جانور برابر تقسیم ہوتے اور بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

اسی قسم کی کوئی چیز سب سے پہلے ہماری اس زمین پر وجود میں آئی ہوگی لیکن دیکھو تو سہی یہ کیسی چھوٹی اور معمولی جاندار چیز ہے! اس وقت اس سے بہتر یا بڑھکر اور کوئی دوسری شے اس زمین پر موجود نہ تھی۔ اصل جانور ابھی وجود میں نہیں آئے تھے اور انسان کے وجود میں آنے کو تو ابھی ہزاروں لاکھوں برس باقی تھے۔

اس لعابدار شے کے بعد سمندر کی گھاس، سیپ، گھونگھے، کیکڑے اور اسی قسم کے دوسرے جانور پیدا ہوئے۔ اس کے بعد کہیں مچھلیاں آئیں۔ ان چیزوں کے بارے میں ہمیں بہت کچھ معلوم ہے، اس لئے کہ ان میں ہڈیاں یا خول تھے اور وہ اپنے مرنے کے بعد ان ہڈیوں اور خولوں کو ہمارے لئے چھوڑ گئے جن سے ہم ان کے حالات کا پتہ لگاتے ہیں۔ یہ خول سمندر کے کنارے کیچڑ میں رہ گئے جن پر اور کیچڑ اور بالو آکر جم گئی اور اس طریقہ سے ایک مدت دراز تک زمین کے اندر محفوظ رہے۔ یہ کیچڑ ریت اور اس کے اوپر دوسری کیچڑ کے دباؤ سے ذرا سخت ہوگئی اور ہوتے ہوتے یہ اس قدر سخت ہوگئی کہ چٹان بن گئی۔ اس طریقہ سے سمندر کی تہ میں چٹانیں نکل آئیں۔ زلزلہ یا اور کسی سبب سے یہ چٹانیں سمندر کی تہ سے نکلکر اوپر آگئیں اور خشکی کا ایک حصہ بن گئیں۔ یہ خشک چٹانیں دریاؤں اور سمندروں کے پانی سے ایک عرصہ تک دھلتی رہیں اور جو گھونگھے اور سیپ وغیرہ ان میں مدتوں سے ڈھکے پڑے تھے وہ یکایک باہر نکل آئے اس طریقہ پر ہمیں ان سیپوں اور ہڈیوں کا پتہ لگا جن کے مطالعہ کرنے کے بعد ہمیں یہ معلوم

جانتے ہو کہ انسان کے وجود میں آنے سے پیشتر ہماری زمین کا کیا حال تھا؟ آئندہ خط میں ہم تمہیں بتاؤنگا کہ یہ معمولی جانور کیسے بڑے ہوئے۔

تاریخ
سلطان فیروز تغلق
تخت نشینی اور لشکر کشی

سلطان فیروز تغلق دہلی کے ان چند بادشاہوں میں سے جس کے عہد حکومت میں ملک امن و امان کی دولت سے مالا مال اور رعایا خوشحال و فارغ البال تھی۔ وہ ایک نیک دل، منصف مزاج، خدا ترس بادشاہ تھا۔ اس نے تخت حکومت پر قدم اسلئے نہیں رکھا کہ اسے اس کی کوئی خواہش تھی بلکہ اس وجہ سے کہ سلطان محمد تغلق کے انتقال کے بعد اور کوئی اس کا اہل نظر نہ آتا تھا اور امراء و اہل دربار نے یہ بار عظیم اُٹھانے پر اُسے مجبور کیا۔

۱۳۵۱ء میں سلطان محمد تغلق تھٹہ کے علاقہ پر فوجکشی کئے ہوئے تھا کہ یکایک اسی حالت میں اس کا انتقال ہو گیا تمام امراء و اہل فوج بحد پریشان ہوئے اور مقابلہ سے دست بردار ہو کر دارالخلافہ کو لوٹنے لگے۔ فوج کو جب یار و مددگار دیکھا تو پیچھے سے اہل تھٹہ نے حملہ شروع کر دیا اس پر مغلوں کا خوف دل میں الگ سما رہا تھا۔ امرائے لشکر کو بڑی فکر ہوئی کہ اس وقت کیا کیا جائے۔ محمد تغلق کے کوئی لڑکا نہ تھا جو تاج و تخت کا وارث ہوتا اور اگر تھا تو اس قابل نہ تھا کہ اس نازک وقت میں سلطنت کی اس ذمہ داری کو سنبھال سکتا۔ چار و ناچار سب کی نظر فیروز تغلق پر پڑی جو محمد تغلق کا چچازاد بھائی ہونے کے علاوہ اس کا فیض صحبت بھی اُٹھا چکا تھا اور اس سے پیشتر اس کے والد غیاث الدین تغلق کے آغوش تربیت میں پرورش پا چکا تھا۔ امراء اہل فوج اور تمام رعایا نے فیروز سے بہ اصرار اس بار عظیم کو اُٹھانے کی درخواست کی جو کسی طرح راضی نہ ہوتا تھا۔

ادھر حرم شاہی کا یہ حال تھا کہ غیاث الدین تغلق کی بیٹی خداوندزادہ اپنے بیٹے داور ملک کی تخت نشینی کے لئے خواہشمند تھی۔ فیروز نے جو یہ کشمکش دیکھی تو تخت کے خیال کو اور بھی دل سے نکال دیا۔ امراء نے ملک سیف الدین نامی ایک با اثر امیر کو خداوندزادہ کے پاس بھیجا کہ وہ اُسے سمجھائے کہ اس وقت تاج و تخت کیلئے باہم لڑنے جھگڑنے کا موقع نہیں۔ خود سلطنت کا وجود خطرہ میں ہے۔ خداوندزادہ اپنے بیٹے کے حق سے دست کش ہو گئی اور اس کے بعد امراء نے فیروز کو زبردستی تخت پر بٹھایا جو پھر بھی نیم راضی ہی رہا۔ فیروز نے با چشم پُرنم دو رکعت نماز شکر ادا کی اور بارگاہ خداوندی میں اظہار عجز و نیاز کے بعد ماتمی لباس زیب تن کیا اور حرم شاہی میں جا کر خداوندزادہ کے پیروں پر گر پڑا۔ خداوندزادہ نے فیروز کو اپنی گود میں اُٹھا لیا اور بہت کچھ دعا و برکت کے بعد تاج شاہی اپنے ہاتھ سے سر پر رکھا اور کہا "خدا تجھے مبارک کرے۔"

ادھر دوران سفر میں سلطنت کی بقا و استحکام کا یہ انتظام ہو رہا تھا اُدھر پایۂ تخت میں کچھ اور ہی رنگ جما ہوا تھا۔ سلطان محمد تغلق نے تھٹہ کی مہم پر روانہ ہونے سے پیشتر اپنی عدم موجودگی کے زمانہ میں خواجہ جہاں وزیر کو اپنا قائم مقام بنا دیا تھا۔ محمد کے انتقال کی جانکاہ خبر جو دارالخلافہ میں پہنچی تو اس نے ایک غلام بادیا کو اس کی تصدیق کے لئے بھیجا۔ غلام تصدیق کر کے لوٹا اور اسی کے ساتھ یہ خبر بھی لایا کہ فیروز تغلق، جو تخت کا سب سے قریبی دعویدار تھا اور تاتار خاں، جو تمام امراء میں سب سے زیادہ با اثر تھا، دونوں کے دونوں لاپتہ ہیں۔ خواجہ جہاں نے ایسی صورت میں تخت کا خالی رہنا کسی طرح مناسب نہ سمجھا۔ اس نے ایک کمسن بچے کو محمد تغلق کے بیٹے کے نام سے موسوم کر کے تخت پر بٹھا دیا تاکہ سلطنت امراء کی حرص و آز کا شکار نہ بن جائے اور فتنہ و فساد سے محفوظ رہے۔ اور اس غرض کے لئے کہ لوگ اس تخت نشینی کو خاموشی سے تسلیم کر لیں، اس نے تمام با اثر امراء اور مشائخ کو زر و جواہرات کے بیش بہا عطیے دئے۔

لیکن یہ تمام پیش بندی اور احتیاط سب بیکار ثابت ہوئی اس لئے کہ اُدھر سندھ سے فیروز تغلق تاج شاہی سر پر رکھے اور فوج کثیر ہمراہ لئے دہلی لوٹا۔ خواجہ جہاں فیروز کی اس خلاف توقع واپسی پر سخت متحیر تھا اور اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اب کیا کرے۔ اس کے تمام رفقا اور مددگاران ایک ایک کر کے اس سے ٹوٹنے لگے خود اس کے دل میں بھی تذبذب پیدا ہونے لگا لیکن وہ کچھ دن بعض رفقا کے کہنے سے رُکا رہا۔ آخر میں وہ بھی سر و پا برہنہ، ننگی تلوار گردن سے لٹکائے نہایت عجز و انکسار کے ساتھ فیروز کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے اس فعل کو محض لاعلمی کا نتیجہ بتا کر فیروز سے بہت معذرت چاہی فیروز نے بھی امراء سے

مشورہ کے بعد درگزر کی اور ساتانہ کی جاگیر عطا کر کے باقی زندگی یادِ الٰہی میں گزارنے کے لئے جان بخشی کر دی۔ اس کے بعد وہ نہایت تزک و احتشام کے ساتھ دہلی میں داخل ہوا۔ ۱۲ روز تک نہایت دھوم دھام سے جشنِ تاجپوشی منایا گیا۔ تخت پر بیٹھتے ہی سب سے پہلا کام اس نے یہ کیا کہ رعایا کے ذمہ جتنا لگان اور محصول باقی تھا۔ وہ سب اس نے یکقلم صاف کر دیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ رعایا میں عام طور پر ایک اعتماد اور طمانیت کی لہر دوڑ گئی۔

فیروز تغلق اگرچہ ملک گیری اور توسیعِ سلطنت کا چنداں شایق نہ تھا بلکہ جتنا ملک اس کے پاس تھا، اسی کو پُرامن و امان اور رعیت۔ رعایا اس کے قابو میں تھی اسی کو مطمئن اور خوشحال رکھنا اس کا سب سے بڑا مقصد تھا، پھر بھی اسے متعدد لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ مشرق میں لکھنوتی اس زمانہ میں صوبہ بنگال کا پایہ تخت تھا، اس کے حاکم شمس الدین سے اسے جنگ کرنی پڑی۔ ۷۰ ہزار فوج کے ساتھ وہ روانہ ہوا، شمس الدین ایک جزیرہ کے اندر اپنے قلعہ میں پناہ گزیں ہو گیا۔ فیروز تغلق نے کچھ عرصہ تک اسکا محاصرہ کیا اس کے بعد پھر اُٹھا لیا۔ محاصرہ ختم ہوتے ہی شمس الدین نے اس پر حملہ بول دیا اور ایک بہت بڑی جنگ ہوئی جس میں شمس الدین کو پسپائی اُٹھانی پڑی اور کوئی ۲ لاکھ سروں کا انبار ہو گیا۔ اس فتح و کامیابی پر دہلی میں بہت خوشیاں منائی گئیں۔

یاد ہوگا کہ محمد تغلق کا انتقال ٹھٹھہ کی فوج کشی کے دوران میں ہوا تھا اور اسی حالت میں فیروز تغلق کا انتخاب بھی ہوا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ محمد تغلق کی زندگی کا یہ آخری کام تھا اور اس کے لئے وہ اس قدر مستعد اور مصر تھا کہ اسی میں اپنی جان بھی دے دی۔ اپنے پیشرو اور مربی کی اس زبردست خواہش کو پورا کرنے اور اس کے ادھورے کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے اس نے ٹھٹھہ کے علاقہ پر فوجکشی شروع کی۔ وہ دیکھ چکا تھا کہ اس دور دست علاقہ میں محمد تغلق کو کن کن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا تھا، چنانچہ اس نے ایک فوجِ گراں اپنے ہمراہ لی جس میں کوئی ۹۰ ہزار سوار تھے اور ۴۸۰ سو جنگی ہاتھی۔ اس کے بعد بزرگان و مشائخ کے مزارات کی زیارت کرتا ہوا وہ سندھ کی جانب روانہ ہوا۔ راستہ کی مشکلات اور حالات کی ناموافقت سے سلطانی لشکر کو سخت مصیبتوں کا سامنا [illegible] کم پڑ گئی اور خریدنے میں بہت گراں قیمت ملنے لگی فوج میں ایک قسم کی بیماری پھیل گئی جس سے تین چوتھائی تعداد گھوڑوں کی تباہ ہو گئی۔ بادشاہ کو سخت تردد لاحق ہوا۔ اس نے رو رو کر خداوند کریم سے دعائیں مانگیں۔ خدائے تعالیٰ نے بھی اس نیک دل بادشاہ کی سُن لی اور باوجود ان دشواریوں کے اُسے کامیابی نصیب ہوئی اور دشمن میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔

لیکن فوجوں کی بیکسی اور بے سروسامانی سے دشمن کے ملک پر پورے طور سے تسلط نہ ہو سکا۔ اس نے امرائے لشکر سے مشورہ کیا اور یہ رائے طے پائی کہ گجرات چل کر فوجوں کی دوبارہ تنظیم کی جائے اور وہاں سے مزید نئی فوج بھرتی کی جائے۔ غرض یہ تمام لشکر روانہ ہوا لیکن راستہ کی مشکلات اور قحط و وبا کی تکلیفیں اس سے کہیں زیادہ جھیلنی پڑیں جتنی وہ اپنے پہلے سفر میں اُٹھا چکے تھے۔ غلے کی قیمت پہلے سے بھی کئی گنی چوگنی بڑھ گئی اور اس کی کمیابی کا یہ حال کہ سپاہی چمڑے پکا پکا کر کھاتے تھے۔ گھوڑوں میں بیماری پھیلنے کی وجہ سے رہی سہی جو تعداد تھی، وہ بھی ختم ہو گئی۔ اب سوار اور پیدل سب برابر ہو گئے، غرض تمام فوج پر بھوک پیاس اور راستہ کی تکان کی وجہ سے سخت اضطراب اور پریشانی کا عالم طاری تھا کہ رہبروں کی سازش سے ساری کی ساری فوج کچھ کے ایک نہایت شور اور بنجر علاقہ میں جا پڑی جہاں کی شوریدگی کا یہ عالم تھا کہ زمین پر اگر ایک لوٹا تازہ پانی کا رکھ دیا جائے تو وہ سب کا سب کھارا بن جائے۔ غرض بڑی بڑی دشواریوں سے بادشاہ نے کسی طرح راہِ نجات پائی اور گجرات پہنچ کر وہاں کے حاکم کو سالانہ خراج نہ بھیجنے پر معزول کر دیا اور جو کچھ نقدی اور فوج وہاں سے مل سکتی تھی اپنے ہمراہ لیکر ٹھٹھہ پر دوبارہ چڑھائی کی۔ اہلِ ٹھٹھہ کے قدم اس تازہ دم فوج کے آگے نہ جم سکے۔ مجبوراً وہ بھاگ کر اپنے نگی قلعوں میں پناہ گزیں ہو گئے۔ بادشاہ نے ایک عرصہ تک محاصرہ جاری رکھا۔ اہلِ قلعہ رسد کی کمی سے تنگ آکر مصالحت کرنے پر آمادہ ہو گئے اور یہ سرکش اور باغی صوبہ اس طرح فیروز تغلق کے ہاتھ سر ہوا۔

(باقی آئندہ)

بیگناہ مجرم

(ایک روسی افسانہ)

روس کے کسی شہر میں ایک تاجر رہتا تھا جس کا نام اکسیوناف تھا۔ اس کے دو دوکانیں تھیں اور ایک اپنا ذاتی رہنے کا مکان۔

اکسیوناف ایک خوش شکل شخص تھا، نہایت خوش مزاج اور گانے بجانے کا نہایت شایق۔ اوایل عمر میں وہ شراب کا بہت عادی تھا اور جب بہت پی لیتا تو اکثر دوسروں سے جھگڑے لڑائی بھی کرنے لگتا، لیکن جب اس کی شادی ہوگئی تو اس کی یہ عادت چھوٹ گئی، سوائے اس کے کہ کبھی کبھار مل گئی تو پی لی۔

ایک دن کچھ مال واسباب لے کر ایک میلے میں جانے لگا اور جب وہ بیوی بچوں سے رخصت ہونے گیا تو بیوی نے کہا "میاں، آج نہ جاؤ تو بہتر ہے۔ میں نے رات میں تمہارے متعلق ایک بہت برا خواب دیکھا ہے۔"

اکسیوناف یہ سنکر ہنسا اور کہنے لگا "تم ڈرتی ہو کہ جب میں میلے میں پہنچ جاؤنگا تو میں ناچ رنگ میں پھنس جاؤنگا۔"

بیوی نے جواب دیا "میں یہ تو نہیں جانتی کہ کس بات کا اندیشہ ہے۔ میں صرف اتنا کہہ سکتی ہوں کہ میں نے تمہارے متعلق نہایت برا خواب دیکھا ہے۔ میں نے یہ دیکھا کہ تم میلے سے لوٹ آئے ہو اور جب تم نے اپنی ٹوپی سر سے اتاری ہے تو کیا دیکھتی ہوں کہ تمہارے تمام بال سفید ہوگئے ہیں۔"

اکسیوناف یہ سن کر ہنسا اور بیوی سے کہنے لگا "یہ تو ایک خوش نصیبی کی علامت ہے۔ دعا کرو کہ تمام مال نکل جائے تو میں تمہارے لئے میلے سے اچھی اچھی چیزیں لاؤں۔"

بہرحال وہ اپنی بیوی بچوں سے رخصت ہوکر روانہ ہوا۔ جب نصف راستہ طے کر چکا تو اُسے ایک اور سوداگر ملا جسے وہ پہلے سے جانتا تھا۔ چلتے چلتے جب رات ہوگئی تو دونوں ساتھ ہی ایک سرائے میں ٹھہرے۔ ساتھ ہی چائے پی اور اس کے بعد دونوں اپنے اپنے کمرے میں سونے کے لئے چلے گئے۔

اکسیوناف صبح کو دیر سے اُٹھنے کا یوں بھی عادی نہ تھا اور اس خیال سے کہ صبح کے سہانے ٹھنڈے وقت میں منزل کا ایک بڑا حصہ آسانی سے طے ہوجائیگا، اسنے علی الصباح کوچبان کو جگایا کہ سواری کو تیار کرے۔ اسکے بعد وہ سرائے کے مالک کے پاس گیا کھانے اور رہنے کا بل ادا کیا اور روانہ ہوگیا۔ جب کوئی ۲۵ میل کے قریب منزل طے کر چکا تو ایک جگہ تھوڑی دیر کے لئے رُکا تاکہ کوچبان گھوڑوں کو دانہ گھاس دے لے، اور خود سرائے کے اندر ایک کمرہ میں چلا گیا۔ وہاں پہنچکر اس نے پانی گرم کرنے کے لئے ایک سماوار مانگا اور اس عرصہ میں اپنا ستار نکالکر بجانے لگا۔ اتنے میں وہ کیا دیکھتا ہے کہ ایک فوجی افسر مع دو سپاہیوں کے ایک گاڑی سے اُترا اور سیدھا اس کے پاس پہنچا اور آنے کی وجہ اور وقت کے متعلق متعدد سوالات کرنے لگا۔ اکسیوناف اس کے سوالوں کا جواب دیتا رہا اور جب سماوار آگیا اور پانی تیار ہوگیا تو اس نے افسر سے کہا کہ اگر کچھ مضایقہ نہ ہو تو آپ بھی تھوڑی سی چاء پی لیجئے" لیکن ابھی افسر کے سوالات کا سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا اور وہ برابر اس قسم کے سوالات پوچھتا رہا کہ "کل رات تم نے کہاں گذاری؟" "تم اکیلے ہی تھے یا اور بھی کوئی سوداگر تھا؟" "وہ دوسرا سوداگر کہاں گیا؟" "تم اتنی علی الصباح سرائے سے کیوں روانہ ہوگئے؟"

اکسیوناف حیرت میں تھا کہ یہ شخص مجھ سے اس قسم کے سوالات کیوں کر رہا ہے؟ لیکن اس نے اپنی تمام سرگزشت ٹھیک ٹھیک بیان کر دی اور آخر میں یہ کہا کہ "آپ اس قسم کے سوالات کر رہے ہیں گویا میں کوئی چور یا ڈاکو ہوں۔ میں اپنے تجارتی کام سے سفر کر رہا ہوں اور مجھ سے اس قسم کے سوالات کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

اس کے بعد افسر نے اپنے دونو ساتھی سپاہیوں کو بلایا اور

اکسیوناف سے مخاطب ہوکر کہا کہ "میں اس علاقہ کا پولیس افسر ہوں اور میں یہ سوالات اس وجہ سے کررہا ہوں کہ کل شب میں تمہارے ساتھ جو سوداگر تھا وہ آج صبح کو گلا کٹا ہوا ملا۔ ہم تمہاری سامان کی تلاشی لینا چاہتے ہیں"۔

یہ کہکر افسر مع دونو سپاہیوں کے اکسیوناف کے کمرہ میں گیا اور اس کے بستر کو کھولکر تلاشی لینا شروع کی کہ یکایک اس کا ہاتھ ایک بڑے چاقو پر پڑا۔ اس نے اسے بستر سے کھینچا اور تعجب سے پوچھا کہ "یہ کس کا چاقو ہے"؟ اکسیوناف نے جو یہ خون آلود چاقو بستر سے اپنی آنکھوں کے سامنے نکلا ہوا دیکھا تو اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی پھر افسر نے پوچھا کہ "اس میں یہ خون کہاں سے آیا"؟ اکسیوناف نے جواب دینے کی کوشش کی اور لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں کہا "میں ۔۔۔۔۔۔ ما ما میں نہیں جانتا ۔۔۔۔۔ میرا نہیں ہے"

پولس افسر نے کہا "آج صبح وہ شخص گلا کٹا ہوا پایا گیا ہے۔ یہ کام بجز تمہارے اور کسی کا نہیں ہوسکتا۔ مکان اندر سے بند تھا اور اسکے اندر سوائے تمہارے اور کوئی نہیں تھا۔ یہ خون لگا ہوا چاقو تمہارے بستر سے نکلا ہے اور خود تمہاری صورت اور آواز کہہ رہی ہے کہ تم ہی نے یہ جرم کیا ہے۔ بتاؤ کہ تم نے اسے کیسے مارا اور کتنے روپے اسکی جیب سے نکالے"؟

اکسیوناف نے قسم کھاکر کہا کہ اس نے یہ کام ہرگز نہیں کیا ہے۔ رات میں ساتھ چاء پینے کے بعد اس نے پھر اسے نہیں دیکھا اس کے پاس سوائے آٹھ ہزار روبل (روسی سکہ) کے جو اس کا ذاتی مال ہے، ایک پیسہ بھی نہیں ہے اور یہ چاقو بھی اسکا ہرگز نہیں ہے لیکن اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی، چہرہ زرد پڑگیا تھا اور وہ خوف سے اس طرح کانپ رہا تھا گویا اسی نے یہ جرم کیا ہے"۔

افسر نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس شخص کو گرفتار کرلو اور اسکو ہتھکڑی پہناکر گاڑی میں بند کردو۔ جب سپاہی اس کے پاؤں میں بیڑیاں پہنانے لگے اور اسے گاڑی کے اندر لیچلے تو اکسیوناف پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اسکا مال واسباب سب کچھ اس سے لے لیا گیا اور وہ قریب کے کسی جیلخانہ میں بند کردیا گیا۔ اس کے بعد اس کے چال چلن کی تحقیقات شروع ہوئی۔ اس کے شہر کے تاجروں اور دوسرے لوگوں نے کہا کہ پہلے وہ شراب وکباب کا بے شک عادی تھا لیکن اب ایک عرصہ سے اس نے یہ عادت چھوڑدی ہے اور وہ ایک نیک چلن آدمی بنگیا ہے۔ پھر مقدمہ کی کارروائی شروع ہوئی اور بالآخر اس پر یہ فرد جرم لگادی گئی کہ اسنے ایک سوداگر کو قتل کرڈالا ہے اور جیب سے ۲۰ ہزار روبل چرالئے ہیں"

کچھ عرصہ بعد اس کی بیوی نے جو یہ ماجرا سنا تو وہ بہت پریشان ہوئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کرے۔ تمام بچے چھوٹے چھوٹے تھے اور ایک لڑکی ابھی دودھ پی رہی تھی۔ غرض ان سب کو لے کر وہ اس شہر میں گئی جہاں اکسیوناف قید تھا۔ پہلے پہل تو اسے ملنے کی بھی اجازت نہیں مل رہی تھی لیکن بہت کچھ خوشامد برآمد کے بعد افسران جیل نے اجازت دیدی اور وہ پھاٹک کے اندر داخل ہوئی۔ جونہی اس نے اپنے خاوند کو جیل کے کپڑوں میں چوروں، ڈاکوؤں اور قاتلوں کے ساتھ بیڑیاں پہنے ہوئے دیکھا وہ غش کھاکر زمین پر گر پڑی اور دیر تک بیہوش پڑی رہی۔ اس کے بعد جب ذرا ہوش آیا تو اس نے اپنے بچوں کو گود میں لیکر خاوند کے قریب بیٹھ گئی۔ اس نے پہلے تو گھر کا سارا حال سنایا اور پھر یہ دریافت کیا کہ آخر یہ مصیبت نازل کیسے ہوئی۔ اکسیوناف نے سارا قصہ کہہ سنایا۔ وہ چپکی سنتی رہی اور اخیر میں بولی کہ "اچھا، اب کیا کیا جائے؟" اس نے کہا کہ "زار کے پاس درخواست دو کہ ایک بیگناہ شخص کو پھانسی نہ دی جائے"۔ اس کی بیوی نے کہا کہ میں ایک درخواست اس مضمون کی دے چکی ہوں لیکن وہ منظور نہ ہوئی"۔ اکسیوناف نے اس پر پھر کچھ جواب نہ دیا اور مایوس ہوکر نیچے دیکھنے لگا۔

اس کے بعد اس کی بیوی بولی "تمہیں یاد ہوگا، میں نے جو خواب دیکھا تھا کہ تمہارے تمام بال سفید ہوگئے ہیں۔ یہ کچھ یونہی نہ تھا۔ تم اس دن نہ روانہ ہوئے ہوتے تو اچھا تھا"۔ پھر خاوند کے بالوں کو اپنی انگلیوں سے جھاڑنے لگی اور دبی زبان سے پوچھا

لاہور کانگریس

(بچوں کیلئے)

بچو! تم نے دسمبر کی گزشتہ چھٹیوں میں تو دیکھا ہوگا کہ بہت سے لوگ لاہور جارہے ہیں اور یہ بھی سنا ہوگا کہ کس لئے جارہے ہیں — وہ لوگ کانگریس میں جارہے تھے۔ لیکن آخر تم نے یہ بھی کبھی سوچا کہ یہ کانگریس کیا چیز ہے اور لوگ کیوں اس شوق اور تیاری کے ساتھ جاتے ہیں۔ کیا یہ کوئی میلہ ہے؟ یا تماشہ ہے؟ جو جوق کے جوق لوگ ہر سال دیکھنے جاتے ہیں۔ بے شک یہ ایک قسم کا میلہ ہے جو ہر سال ہندوستان کے کسی بڑے شہر میں لگتا ہے۔ کئی مہینے پہلے سے اسکی بڑی تیاریاں ہوتی ہیں۔ سینکڑوں نوجوان مرد اور عورتیں اس میں کام کرنے کیلئے بطور سپاہی کے بھرتی کئے جاتے ہیں۔ اس شہر کے بڑے بڑے لوگوں سے اسکے انتظامات کیلئے چندہ لیا جاتا ہے، اور ایک بہت بڑا پنڈال بنایا جاتا ہے جس میں کوئی ہزاروں آدمی آسکیں۔ ہندوستان کے تمام صوبوں سے لوگ چن چن کر بھیجے جاتے ہیں، جو یہاں آتے ہیں اور اس میں شریک ہوکر یہاں کے کاموں میں حصہ لیتے ہیں۔ ان کے رہنے کا الگ انتظام ہوتا ہے، کھانے کا الگ اور دوسری ضرورتوں کا الگ۔ اسی کے ساتھ اور چیزیں بھی ہوتی ہیں، مثلاً اپنے ملک کی بنی ہوئی چیزوں کی نمایش جو ایک طرح کا بازار سا ہوتا ہے۔ غرض کل مل کر ایک چھوٹا سا شہر بنجاتا ہے۔ اس مرتبہ اس شہر کا نام پنجاب کے مشہور لیڈر لالہ لاجپت رائے کے نام پر رکھا گیا تھا، یعنی "لاجپت نگر"۔ اس نگر کی دھوم دھام کچھ دیکھنے ہی سے معلوم ہوسکتی تھی۔

غرض کانگریس کا یہ میلہ دسمبر کی ۲۵ تاریخ سے شروع ہوجاتا ہے اور میلے والے ۱۵، ۲۰ دسمبر ہی سے روانہ ہونا شروع ہوجاتے ہیں۔ جس اسٹیشن پر دیکھو، کھدر کی سفید ٹوپی اور کھدر کے کپڑے پہنے لوگ نظر آتے ہیں۔ جس گاڑی میں جاؤ اُن کھدر پوشوں سے بھری نظر آتی ہے۔ ریلوے کمپنیاں اس موسم میں اپنے کرایوں میں رعایت کرکے انکے شوق کو اور بھی بھڑکا دیتی ہیں۔ بہر حال میلے کی ابتدا سب سے پہلے "دولھا کی سواری" سے ہوتی ہے۔ تم سمجھے بھی کہ یہ دولھا کی سواری سے کیا مطلب ہے اور کون اس مرتبہ دولھا بنا تھا۔ یہ عجیب تماشہ ہے کہ ہر سال نیا دولھا ہوتا ہے جسے ملک کے لوگ چنتے ہیں۔ اس سال کے "دولھا" پنڈت جواہر لال نہرو تھے، جو سچ مچ دولھا بننے کے قابل تھے، تم نے اگر ان کو نہیں تو ان کی تصویر کہیں نہ کہیں ضرور دیکھی ہوگی اور اگر نہیں دیکھی ہے تو اب تلاش کرکے دیکھ لو۔ یہ آج کل ملک کے بڑے چہیتے سمجھے جاتے ہیں، خاصکر ملک کے نوجوان لوگ تو انھیں اپنا سرتاج سمجھتے ہیں۔

غرض ۲۵ دسمبر کو جو میلے کا سب سے پہلا دن تھا، ان کی سواری نکلی اور سواری بھی کس شان سے؟ — ایک بالکل نئے رنگ ڈھنگ سے۔ گزشتہ سال کلکتہ میں جب کانگریس کا میلہ لگا تھا، تو انکے باپ پنڈت موتی لال نہرو "دولھا" بنے تھے۔ ان کی سواری ایک چاندی کی نہایت عمدہ و خوشنما گاڑی پر نکلی تھی جس میں ۴۲ ایک رنگ کے سفید گھوڑے لگے ہوئے تھے۔ ایسی سواری بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں ہوتی۔ اس سال بیٹے کی جو سواری نکلی، تو زین سواری کے گھوڑوں پر۔ نوجوان سواروں کے درمیان یہ شہسوار اس شان و شوکت سے چل رہا تھا، جیسے جگمگاتے ہوئے ستاروں کے جھنڈ میں روشن ماہتاب۔ یہ تمام سواری مع لاکھوں آدمیوں کے مجمع کیساتھ سارے شہر کا چکر لگاتی ہے اور دور دور سے لوگ محض اس جلوس کو دیکھنے کے لئے آتے ہیں۔

بچو! شاید تم یہ سمجھتے ہوگے کہ سب لوگ اتنی دور دور سے محض اس تفریح اور دلچسپی ہی کی غرض سے آتے ہیں، نہیں، ہرگز نہیں بلکہ یہاں لوگ اتنی طویل مسافت طے کرکے اور ہر طرح کی تکلیف برداشت کرکے جو آتے ہیں، تو وہ بہت سی ضروری اور مفید باتوں کو طے کرنے کیلئے آتے ہیں۔ تم نے شاید سنا ہوگا کہ ہندوستان کے وائسرائے اور قوم پرست

لیڈروں میں کچھ گفت وشنید اس بات کی ہو رہی تھی کہ ہندوستان کو آزادی دیجائے، لیکن تم سمجھ رکھو کہ ہندوستان کو آزادی وائسرائے یا اور کوئی دوسرا شخص نہیں دے سکتا۔ اور نہ آزادی کسی کے دینے سے ملتی ہے۔ یہ تو خود اپنے حاصل کرنے کی چیز ہے اور کسی دوسرے کی مرضی اور خوشی پر تھوڑی ہی منحصر ہے جب **ہم خود** ایک چیز کے حاصل کرنے کا ارادہ کرلیں اور اس ارادے پر مضبوطی سے قائم رہیں۔ اور اسکی کوشش میں لگ جائیں تو پھر دنیا میں کوئی طاقت نہیں جو تم کو اس سے باز رکھے۔ یہی حال آزادی کا ہے۔ اب تک ہندوستان کے لوگ اس حیص بیص میں تھے کہ آیا اسے زبان پر لائیں یا نہ لائیں۔ ایسا نہ ہو کہ انگریز ہم سے خفا ہو جائیں اور جو کچھ دینے کو ہیں وہ بھی نہ دیں۔ اور اگر زبان سے کہیں بھی تو پھر آیندہ اس پر عمل کرنے کے تیے کیا کریں۔

لاہور کانگریس میں سب سے بڑی بات جو ہوئی ہے وہ یہ کہ اب ہندوستان نے اپنی مکمل آزادی کا اعلان کر دیا ہے اور صاف صاف یہ کہہ دیا ہے کہ وہ اس سے کم کسی چیز پر راضی نہ ہوگا۔ پنڈت **جواہر لال** نہرو نے نہ صرف یہ کہ دنیا کے سامنے آزادی کا یہ خالی اعلان کیا ہے بلکہ وہ یہ بھی بتلائیں گے کہ اس آزادی کو کیونکر حاصل کرنا چاہیئے۔ اس سال جو وہ دولہا بنے ہیں، تو ان کی ذات سے امید ہے کہ ہندوستان کی "دولھن" غلامی کا طوق اپنے گلے سے اُتار پھینکے گی اور آزادی کے لباس سے آراستہ ہوگی۔ ہماری بھی دعا ہے کہ خدا کرے ایسا ہی ہو۔ آمین۔

صفحہ ۱۲ کا بقیہ مضمون

کہ "اچھا تو مجھسے سچ بتاؤ تم نے یہ فیل نہیں کیا ہے؟"

"اچھا تمھیں بھی مجھ پر شبہ ہے!" اکسیوناف نے یہ کہا اور اپنے چہرے کو ہاتھوں سے ڈھک کر زار و قطار رونے لگا۔ اتنے میں ایک سپاہی آیا اور عورت سے کہا کہ تمہارا ملنے کا وقت ختم ہو گیا ہے۔ اب تم لوگ باہر چلو۔ اس کے بعد اکسیونات اپنے بیوی بچوں سے رخصت ہوا اور یہ سمجھکر کہ یہ اب آخری ملاقات ہے۔

جب وہ سب چلے گئے تو اکسیوناف کو یکبارگی یہ خیال آیا کہ آہ! میری بیوی بھی مجھ پر شبہ کر رہی ہے! اور اپنے جی میں کہنے لگا "اصل حقیقت صرف خدا ہی جانتا ہے۔ اسی کے آگے ہمیں درخواست کرنی چاہیئے اور اسی سے رحم کی توقع رکھنی چاہیئے" پھر اس کے بعد اکسیوناف نے کوئی درخواست کسی کے پاس نہیں بھیجی۔ تمام امیدیں منقطع کرلیں اور صرف خدا سے دعا کرتا رہا۔

مقدمہ کی پیشی ہوئی اور بالآخر اکسیوناف کو یہ سزا تجویز ہوئی کہ اسے کوڑے لگائے جائیں اور کانوں میں کام کرنے کے لئے بھیج دیا جائے۔ غرض اس کے کوڑے لگائے گئے اور جب کوڑوں کا زخم کچھ اچھا ہوا تو وہ اور مجرموں کے ساتھ سائبیریا کام کرنے کے لئے بھیجدیا گیا۔ ۲۶ سال تک اکسیوناف سائبیریا میں بطور مجرم کے رہا۔ اس کے بال روئی کے گالوں کی طرح سفید ہو گئے۔ داڑھی بہت بڑھ گئی اس کی تمام رنگین مزاجی رخصت ہو چکی اور اس کی کمر جھک کر کمان ہو گئی۔ اسکی رفتار میں بہت سستی اور آواز میں بہت پستی آگئی تھی۔ وہ کبھی ہنستا نہ تھا بلکہ اکثر رو رو کر دعائیں مانگتا تھا۔

قید خانہ میں اکسیوناف نے جوتے بنانا سیکھا اور اس طرح سے کچھ پیسے جمع کرلئے جس سے اس نے ایک کتاب خریدی جس کا نام تھا "بزرگان دین کے حالات زندگی"۔ جب کبھی قید خانہ کی کوٹھری میں کافی روشنی ملتی تو وہ یہ کتاب نکالکر پڑھتا۔ ہر اتوار کو وہ قیدخانہ کے گرجا میں عبادت کے لئے جاتا اور جب اس سے فارغ ہو کر آتا تو اپنا ستار سے کر بجاتا اور آہستہ آہستہ گانا شروع کرتا۔

حکام جیل اس کے سیدھے پن سے بہت خوش تھے اور اس کے دوسرے ساتھی بھی اسس کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ وہ اُسے "بابا" کہہ کر پکارتے جب کبھی انہیں کسی چیز کے بارے میں حکام جیل کے پاس کوئی درخواست لیجانی ہوتی تو وہ اکسیوناف کو اپنا ترجمان بناتے اور جب کبھی ان کے درمیان آپس میں کوئی جھگڑا ہوتا تو وہ اسے اسکے پاس لے آتے اور اس کے فیصلہ کو بسر و چشم تسلیم کرتے۔

(باقی آیندہ)

طابع و ناشر:۔ ڈاکٹر عابد حسین پی ایچ ڈی (برلن)
مطبع:۔ جید برقی پریس بلیماران دہلی

طابع ناشر ڈاکٹر عابد حسین صاحب پی ایچ۔ ڈی (برلن) مطبع جید برقی پریس بلیماراں دہلی

ٹیلیفون نمبر ۲۲۱۹ .

پیام تعلیم

نرخنامہ چندہ

سالانہ ۲ؔ
ششماہی عہ
فی پرچہ ۲ؔ

نرخنامہ اشتہارات

فی صفحہ مئے
نصف صفحہ صہ
چوتھائی صفحہ ے

اڈیٹر: سعید انصاری بی۔ اے (جامعہ)

نمبر ۶ — ۲۱ جنوری سنہ ۱۹۲۹ء (۳۰) — 21st. Jan. 30. — جلد ۵

فہرست مضامین

دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟

ہندوستان کے اندر

جنوری کی ۲۶ تاریخ کانگریس کی طرف سے اس غرض کیلئے مقرر کی گئی ہے کہ اس دن کو تمام ہندوستان کے لوگ "آزادی کا دن" منائیں، مہاتما گاندھی جی نے خاص طور پر اس امر کی ہدایت کی ہے کہ اس دن صرف تقریریں ہی تقریریں نہ کیجائیں، جنکا اثر بہت عارضی ہوتا ہے بلکہ ایسے کام کئے جائیں جن سے لوگ یہ سمجھیں کہ ہاں، ہمیں آزادی لینی ہے۔

اس سال کانگریس کے پروگرام میں منجملہ اور باتوں کے قانون شکنی بھی داخل ہے۔ لیکن ایسے قانون کا توڑنا نہیں جس سے خود اپنے آپ کو نقصان پہنچے، بلکہ ایسے قوانین توڑے جائیں گے جن سے حکومت کو نقصان پہنچے اور وہ اپنی سختیوں اور زیادتیوں سے ہاتھ اٹھالے۔ چنانچہ بنگال کے ایک مقام باندابلا میں کچھ عرصہ سے قانون شکنی کی تحریک جاری ہے اور ابھی حال میں کاٹھیاواڑ کی ایک ریاست میں ٹیکس نہ ادا کرنیکی تحریک شروع کی گئی ہے۔ اسی طرح ایک ایک دو دو کرکے اگر یہ تحریک ہندوستان میں پھیلی تو گورنمنٹ بہت جلد گھٹنے ٹیک دیگی۔

صدر اسمبلی مسٹر پٹیل نے پولیس کمشنر کے احکامات کو ٹھکراکر سیاسی حلقوں میں بہت سنسنی پیدا کر دی ہے۔ گزشتہ سال اسمبلی میں جو بم پھینکا گیا تھا، اس کی وجہ سے اس سال یہ قاعدہ بنایا گیا ہے کہ اسمبلی کے اندر اور باہر پولیس کا سخت پہرہ رہے اور وزیٹروں کے نام ٹکٹ بہت کم جاری کئے جائیں۔ مسٹر پٹیل نے اسے اپنی اور اسمبلی کی توہین خیال کرتے ہوئے تمام پولیس کو واپس کر دیا اور سوائے اخبارات کے نمائندوں کے باقی تمام وزیٹروں کے ٹکٹ روکدئے۔ پولیس کمشنر کے ان احکامات کی تائید ہوم ممبر نے بھی کی تھی۔

ہندوستان کے باہر

چین میں گزشتہ دو تین سال سے سخت قحط پڑ رہا ہے جسکی وجہ سے اس وقت تک ۲۰ لاکھ آدمی مر چکے ہیں اور اندیشہ ہے کہ اتنی ہی تعداد ابھی اور اس مصیبت کا شکار ہوگی۔ اس قحط کے اسباب میں یہ بتایا جاتا ہے کہ چین میں اس زمانہ میں سخت سردی پڑی تھی اور رعایا کے فسادات وغیرہ کی وجہ سے جو اخراجات فوجوں وغیرہ پر ہوئے ہیں، ان کا بھی اثر ہے

سینور مسولینی جو اٹلی کا مطلق العنان حکمران ہے، آج کل اس کے اور پاپائے اعظم کے درمیان تعلیم کے بعض مسایل میں اختلاف پیدا ہوگیا ہے پاپائے اعظم نے مسولینی کے احکامات کے خلاف جو اعلان شائع کیا ہے، اس میں لکھا ہے کہ حکومت کو چھوٹے بچوں کی تعلیم و تربیت کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ یہ فرض دراصل والدین اور پھر اس کے بعد کلیسا کا ہے۔ نیز لڑکے اور لڑکیوں کی تعلیم اور مختلف مذاہب کے لوگوں کی تعلیم بھی ایک ساتھ نہیں ہونی چاہیئے۔

منموہن سنگھ، وہ پہلا ہندوستانی ہوا باز جو سر آغا خاں کے انعام حاصل کرنے کے لئے انگلستان سے روانہ ہوا تھا، اُسے فرانس کے مقام کیلے پر آکر اتر جانا پڑا اس لئے کہ اسکے ہوائی جہاز کی مشین میں کوئی خرابی پیدا ہوگئی تھی۔ وہ بعض پرزوں کی درستی اور مرمت کے لئے پھر انگلستان واپس گیا ہے، اب دیکھیئے وہ خود روانہ ہوتا ہے، یا اسکی بجائے کوئی اور ہندوستانی اس سرفروشی کے لئے تیار ہوتا ہے۔

شاہ نادر خاں اپنے ملک افغانستان میں ابتدائی تعلیم کو رواج دینے میں بہت کوشش سے کام لے رہے ہیں، گزشتہ انقلاب کیوجہ سے جتنے لڑکوں نے لکھنا پڑھنا چھوڑ دیا تھا، انھیں پھر بلایا گیا ہے اور جو جو مدارس بند ہوگئے تھے، وہ ازسرنو کھولے گئے ہیں۔ شاہ موصوف کا خیال ہے کہ فوج کی تنظیم کے بعد ملک میں ابتدائی تعلیم کا پھیلانا

یورپ اور ایشیا کا ابتدائی تعلیم میں مقابلہ

وہ بچہ جس نے کبھی مدرسہ کی زندگی سے فائدہ اور لطف نہ اُٹھایا ہو اُس کی زندگی ایک ایسے محل کی طرح ہے جس کے چاروں طرف اونچی اونچی دیواریں ہوں، تمام دروازے مقفل ہوں اور ان قفلوں کی کنجیاں گم ہوچکی ہوں۔ صرف مدرسہ ہی کی زندگی ایسی ہے جو یہ کنجیاں ہمیں مہیا کرسکتی ہے

ایک کنجی ہمیں یہ مدد دیتی ہے کہ ہم دنیا کے وسیع کارخانۂ قدرت کو دیکھیں اور اُسکو سمجھنے کی کوشش کریں۔ دوسری چابی سے ہم یہ سیکھتے ہیں کہ پُرانے زمانہ کے بڑے بڑے لوگوں کی زندگیوں سے سبق حاصل کریں کہ انھوں نے کس قدر مستقل مزاجی اور ثابت قدمی سے تکالیف کا مقابلہ کیا اور ہم بھی ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کریں۔ تیسری کنجی ہمارے لئے محنت کا دروازہ کھولتی ہے کہ ورزش کرنا اور صاف رہنا کس قدر ضروری ہے۔ چوتھی ہمیں یہ بتاتی ہے کہ ہمیں دنیا میں کیا کرنا ہے اور کس کام کے لئے ہم موزوں ہیں۔ اور سب سے آخر میں ہم یہ نہایت ہی اہم بات حاصل کرتے ہیں کہ "دنیا کے میدان" میں بھی ہم نیک نیتی، خلوص اور محبت سے ملکر کھیلیں اور صحیح معنوں میں "کھلاڑی" بننے کی کوشش کریں۔ ان کنجیوں کے صحیح استعمال پر کسی قوم کی ترقی کا انحصار ہے۔

اگر ہم براعظم یورپ کے مرکزی مقام پر کھڑے ہوجائیں اور اس کے چاروں طرف سفر کریں تو ہمیں یہ معلوم ہوگا کہ اس کے شمالی اور غربی حصول میں کثرت سے مدارس پائے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس شرقی اور جنوبی حصول میں مدارس کی تعداد بہت ہی قلیل ہے، یہاں تک کہ چند مشرقی حصوں میں صرف امراء کے لڑکے ہی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ بہت سے ممالک ایسے ہیں جہاں کے لوگ غریب ہیں اور کام کرنیکا زمانہ کم ہے۔ وہاں لڑکے سال میں صرف چند مہینوں کے لئے مدرسہ جاتے ہیں اور باقی مہینوں میں دوسرا ضروری کام کرتے ہیں،

گرمیوں کے موسم میں سوئٹزرلینڈ کے لڑکوں کو بہت کام کرنا پڑتا ہے۔ ریوڑ اونچے نیچے پہاڑوں کے چراگاہوں پر لیجانا، دودھ دوہنا اور سردیوں کے لئے لکڑیاں وغیرہ جمع کرنا۔ نہ صرف یہ بلکہ سردیوں کے طویل موسم میں بھی جب یہ مدرسے جاتے ہیں تو اپنے والدین کا ہاتھ نقش نگاری اور لیس بنانے میں بٹاتے ہیں۔ یہ لڑکے بہت ذہین ہوتے ہیں۔ کام خوب کرتے ہیں اور سیکھ بھی جلدی لیتے ہیں۔ اسی موسم میں وہ برف پر مختلف دلچسپ کھیل بھی کھیلتے ہیں۔

اسپین اور اطالیہ کے لڑکے بہت ہی کم مدرسہ جاتے ہیں خصوصاً اسپین میں تو بہت سے لڑکے مطلق لکھنا پڑھنا ہی نہیں۔ ان کو اور بہت سے کام کرنے پڑتے ہیں جن پر ان کے زندہ رہنے کا دار و مدار ہے۔ اطالیہ میں لڑکے بھیڑ بکریاں چراتے ہیں اور ریشم کے کیڑوں کی نگہداشت کرتے ہیں۔ اسپین کے لڑکے کھیتوں پر کام کرتے ہیں۔ انگوروں کے پکنے کے زمانہ میں وہ انگور جمع کرتے ہیں اور ان کی شراب تیار کرتے ہیں جو ملک کی ایک بہت بڑی تجارت ہے۔

اگر ہم جرمنی اور ہالینڈ کی طرف نکل جائیں تو ہم کو ہر ہر قصبہ اور گاؤں میں مدرسے نظر آئیں گے۔ ہر لڑکا اپنے اوقات کے زیادہ حصہ مدرسہ ہی میں صرف کرتا ہے۔ جرمن اپنے بچوں کو قابل ترین بنانا چاہتے ہیں۔ جنوبی جرمنی میں تیرہ چار سال تک برابر تعلیم حاصل کرنا ضروری ہے۔ وہ بچے جو ذرا بیماری یا کسی اور وجہ سے نازک ہوتے ہیں ان کے لئے کھلی ہوا میں مدرسے ہوتے ہیں۔ گرمیوں کے دنوں میں پڑھنے کے ساتھ ساتھ تفریح کے بھی سامان ہوتے ہیں۔ جرمنی کے لڑکے مطالعۂ قدرت کے بہت زیادہ شائق ہوتے ہیں وہ ہر مہینہ میں ایک بار اسی غرض سے تفریح مناتے ہیں۔

فرانس میں کھیلوں وغیرہ پر بہت کم زور دیا جاتا ہے۔ یہاں ۱۸۸۱ء میں تمام مدرسوں میں تعلیم مفت کردی گئی تھی اور ۱۸۸۲ء میں یہ قانون بنا دیا گیا کہ چھ سال سے تیرہ سال تک کے لڑکوں کے لئے تعلیم جبری اور

لازمی ہے۔

اسکنڈینویا میں لڑکوں کی تعلیم کی خاص طور سے نگہداشت کیجاتی ہے ڈنمارک کے بعض مدرسے دنیا بھر کے لئے نمونہ ہیں۔ سویڈن میں مدرسے اس وقت شروع کئے گئے تھے جب یورپ میں کسی کو یہ خیال بھی نہیں تھا یہاں کے بچے بہت ذہین اور ہوشیار ہوتے ہیں۔ کھیل اور سلوجی ہنر ان کو ابتدائی تعلیم میں بہت دخل ہے۔ ناروے کے لڑکوں کی وہی حالت ہے جو سوئٹزرلینڈ والوں کی ہے۔

فنلینڈ اور شمالی منجمد حصوں کے اسکیمو تمام گرمیوں کا موسم مچھلی اور دوسری چیزوں کے شکار میں گزار دیتے ہیں اور سردیوں میں مدرسہ جاتے ہیں۔ لیکن "لیبرا ڈور" کے اسکیمو جب تک خاص ذرائع ان کے لئے مہیا نہ کئے جائیں نہ پڑھتے ہیں نہ لکھتے ہیں۔ ڈاکٹر گرین فیل مشہور سیاح جب لیبرا ڈور گیا تو اس کے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ آج تک کسی بچے نے گڑیا نہیں دیکھی ہے۔ جب ڈاکٹر موصوف نے انگلستان سے بہت سی گڑیاں بھیجیں تو لڑکوں کے والدین نے بجائے اس کے کہ لڑکوں کو کھیلنے کے لئے دیتے انہیں چھت سے لٹکا دیا۔ یہاں کے لڑکے پڑھنے کے شوقین ہوتے ہیں۔

افریقہ کے ایک دور دراز حصے میں جب ایک میم صاحبہ پہنچیں، تو چھوٹے چھوٹے حبشیوں کو زمین اور سورج کے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنیکا بہت شوق تھا۔ میم صاحبہ نے ایک سنگترے کو زمین اور چراغ کو سورج فرض کرکے انہیں زمین کا آفتاب کے گرد گھومنا سمجھایا۔

بحرالکاہل جنوبی میں ایک جزیرہ Fristan da Cunha ہے جو حکومت برطانیہ کے ماتحت ہے۔ یہاں سے خبریں اور خطوط سال میں دو مرتبہ اس دنیا میں آتے ہیں۔ وہاں نہ دکانیں ہیں نہ بازار ہیں۔ ہر روز انہیں ایک ہی چیز کھانی پڑتی ہے لیکن یہاں کے لڑکے پڑھنے کے بہت زیادہ شائق ہیں۔ جب انہیں کوئی موقعہ ہاتھ لگا انہوں نے پڑھنا شروع کیا۔ اس کے برعکس اگر ہم مشرق کی جانب جائیں تو تھوڑا ہی عرصہ پہلے صرف وہی لڑکے تعلیم حاصل کرتے تھے جنکا تعلق کسی دولتمند خاندان سے تھا یا جن کے والدین گھر پر کوئی اُستاد رکھ سکتے تھے۔ اس طریقے سے چین اور جاپان میں، امیر لڑکوں کی تعلیم بہت ہی اعلیٰ درجہ کی ہوتی تھی۔

مشرق کی تمام قوموں میں جاپانی پہلے لوگ ہیں جنہوں نے اپنے ملک میں نئے طرز کے مدرسے جاری کئے اور نیا نظام تعلیم قائم کیا۔ لیکن اب بھی جاپان کے بعض مدرسوں میں طالب علم اپنے چھوٹے بھائیوں یا رشتہ داروں کو اپنی پشت پر باندھ کر مدرسے آتے ہیں۔ جاپان کے مدرسوں میں انگریزی زبان کی بھی تعلیم دیجاتی ہے۔ اور یہاں کے فارغ التحصیل طلبا یورپ کی درسگاہوں میں جاکر اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے ہیں اور اپنا تجربہ بڑھاتے ہیں۔ لڑکے کھیلنے کودنے میں بہت مشاق ہوتے ہیں۔ لڑکیوں کی صحت بھی دن بدن ٹھیک ہو رہی ہے اور وہ پُرانی رسم و رواج کی زنجیروں سے آزاد ہو رہی ہیں۔

چینیوں کے ہاں عجب قسم کی باتیں اور رسم و رواج رائج ہیں۔ چینی قلم کی بجائے برش سے لکھتے ہیں۔ وہ اوپر سے شروع کرکے نیچے کی جانب لکھتے ہیں۔ بچے سے لکھنا شروع کرتے ہیں اور دائیں یا بائیں جانے کی بجائے اوپر کی طرف جاتے ہیں

نئی چینی جمہوریت کے ماتحت پُرانا نظام تعلیم بدل رہا ہے۔ لڑکے لڑکیوں کے لئے نئے مدرسے کھل گئے ہیں۔ لڑکیوں نے انگریزی لباس پہننا شروع کردیا ہے چینی لڑکے جرسیاں اور نیکریں پہن کر فٹ بال کھیلتے ہیں۔ اور ایک مدرسہ دوسرے مدرسہ سے میچ بھی کھیلتا ہے۔

مشرق کے غریب طلبا کے لئے تعلیم حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔ اسلامی ممالک مثلاً مصر اور ترکی وغیرہ میں بچے سب سے پہلے مسجد میں ایک مُلّا سے پڑھنا شروع کرتے ہیں ان کی عمر کا ایک کافی حصہ صرف مذہبی کتابوں کے سیکھنے میں صرف ہو جاتا ہے۔ چونکہ ان کو سب کچھ عربی میں پڑھنا ہوتا ہے چاہے انہیں یہ زبان آتی ہو یا نہیں اس لئے اس پڑھائی سے انہیں کوئی خاص دلچسپی نہیں ہوتی۔ لیکن حال ہی میں ان ممالک میں تعلیم کا اچھا انتظام ہو رہا ہے۔ اور لڑکوں کے ساتھ ساتھ لڑکیاں بھی تعلیم حاصل کرنے لگی ہیں۔

تعلیم کے معاملہ میں مشرق کے تمام ممالک میں ہندوستان بہت ہی بدقسمت ہے یہاں ہر دس لڑکوں میں ایک لڑکا تعلیم یافتہ ہوتا ہے اور ہر سو لڑکیوں میں ایک لڑکی پڑھی لکھی ہوتی ہے۔ ہندوستان ایک وسیع ملک ہے اور یہاں کے باشندے بہت ہی غریب ہیں۔ جن بیچاروں کو پیٹ بھر کر کھانا بھی نہیں ملتا وہ اپنے لڑکوں کو تعلیم کیسے دلا سکتے ہیں۔ لیکن انھیں باقاعدہ تعلیم دی جائے تو یہ بہت ہی ذہین اور ہوشیار ثابت ہونگے ۔

انگلستان میں ۱۸۷۰ء میں تعلیم ضروری کردی گئی تھی اور ۱۸۹۱ء میں ابتدائی تعلیم مفت کردی گئی لیکن اسکاٹ لینڈ انگلستان سے ہمیشہ پیش پیش رہا ہے۔ اسی سے حکومت کے تمام اہم عہدے اسکاٹ لینڈ والوں کے ہاتھوں میں ہیں۔

سلطنت برطانیہ کے تمام مقبوضہ ممالک اور وہ ممالک جہاں انگریز نسلیں بستی ہیں۔ مثلاً امریکہ وغیرہ۔ وہاں تعلیم بالکل باقاعدہ ہے۔ وہاں نظام تعلیم ویسا منظم نہیں جیسا کہ جرمنی میں ہے لیکن بعض باتوں کی بنا پر جرمنی سے کہیں اچھا ہے کیونکہ وہاں بالخصوص عملی زندگی کے قوانین پر بہت زور دیا جاتا ہے۔

کوائف جامعہ

۱۷ر جنوری ۱۹۳۴ء کو ڈاکٹر یوسف حسین خاں، جامعہ کے ایک پُرانے فارغ التحصیل یورپ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے بمبئی پہنچے اور ۱۹ر جنوری کی شب کو آپ جامعہ تشریف لائے۔ اسٹیشن پر آپ کے احباب اور ملنے والوں نے آپ کا نہایت پرتپاک خیر مقدم کیا۔ دوسرے دن سہ پہر کو "انجمن اتحاد" نے جس کے آپ کسی زمانہ میں نائب صدر رہ چکے ہیں، آپکی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا۔ شام کو آپ کے احباب نے آپکی دعوت کی، تیسرے دن بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔

آپ نے تقریباً ۴ سال پیرس یونیورسٹی میں گزارے اور وہاں سے آپ ڈی، لٹ یعنی ڈاکٹر آف لٹریچر کی ڈگری لے کر آئے ہیں۔ آپ کا مضمون جس پر آپ نے کام کیا ہے "قرون وسطیٰ میں تصوفانہ تحریکات" سے متعلق ہے آپ کا مقالہ جو فرانسیسی زبان میں ہے آپ کے آنے سے پیشتر یہاں پہنچ چکا تھا۔ اس میں آپ نے یہ دکھانیکی کوشش کی ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے اثر سے ہندو تہذیب پر ایک نہایت گہرا اثر پڑا تھا اور اسی اثر کا یہ نتیجہ تھا کہ یہاں گرونانک اور کبیرداس جیسے لوگ پیدا ہوئے جنھوں نے ہندو مسلمانوں میں یگانگت و اتحاد کی تعلیم دی۔

آپ اس وقت چند دنوں کے لئے مکان تشریف لے گئے ہیں، وہاں سے آپ پھر جامعہ واپس آئیں گے اور کچھ عرصہ یہاں قیام کرکے آپ حیدر آباد جائینگے۔ بعض لوگ شاید نہ جانتے ہوں گے، آپ شیخ الجامعہ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب کے چھوٹے بھائی ہیں۔

آپ کے آنے کے چند دنوں بعد جامعہ کے ایک فارغ التحصیل غلام سرور صاحب جنھوں نے دو سال ہوئے عربی زبان و ادب میں جامعہ سے بی۔ اے کی امتیازی سند لی ہے، اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے مصر تشریف لیگئے ہیں آپ نے بی۔ اے کا امتحان نہایت اچھے نمبروں میں پاس کیا تھا اور مولنا محمد السورتی کے خاص شاگردوں میں تھے۔ آپ مصر میں فقہ اسلامی کا خاص طور پر مطالعہ کریں گے۔

آپ کے اعزاز میں آپ کے احباب اور دوستوں نے متعدد دعوتیں دیں۔ ۱۰ر جنوری کو سہ پہر میں چائے کی ایک دعوت "انجمن اتحاد" نے کی جسکے آپ ایک سرگرم رکن تھے اس دعوت میں بعض بزرگوں اور احباب نے آپ کو تحفے اور ہدیے دئے جنہیں شیخ الجامعہ صاحب کیطرف سے ایک ہدیہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ آپ نے اُسے دیتے وقت ایک مختصر سی لیکن نہایت پرمعنی تقریر کی جس میں آپ نے فرمایا کہ "سرور صاحب! یہ کتاب میں آپکو اپنی طرف سے بطور ہدیہ کے دے رہا ہوں جسے پڑھ کر ان گنت لوگوں نے تسلی اور اطمینان حاصل کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ پر بھی جب کبھی تفکرات و ترددات لاحق ہوں تو اسی کی طرف رجوع کریں۔ بہت سے لوگ اسے بے سمجھے پڑھتے ہیں اور بعض سمجھکر۔ آپ سے اُمید ہے کہ اسے سمجھکر پڑھیں گے"۔

یہ ہدیہ ڈپٹی نذیر احمد صاحب کا مترجم قرآن شریف تھا جس پر مخملی جلد لگی ہوئی تھی۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ "ہم ایک غلام ملک کے باشندے ہیں اور اس میں بھی ایک بدنصیب قوم کے فرد۔ باہر کے دوسرے ملکوں میں ہندوستان کے علم و فضل کا تو بہت شہرہ ہے لیکن مسلمان اسی قدر بدنام ہیں۔ ہمارے پاس اتنے وسائل نہیں کہ ہم اپنے سفرا اور مبلغین دوسرے ممالک میں بھیجیں جو ہمارے دامن سے اس بدنامی کے داغ کو رفع کرسکیں۔ ہمارے سفیر ہمارے مبلغ ہمارے وکیل یہی ہمارے طالب علم ہیں جو دوسرے ملک والوں پر وہاں جاکر اچھا اثر قائم کرسکتے ہیں۔ آپ کو اپنے اس مبارک سفر کی جہاں خوشی ہونی چاہیئے وہاں اس فرض کا احساس بھی ہونا چاہیئے آپ سے توقع کہ آپ اپنے اس فرض کی ادائیگی میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھیں گے"۔

یوسف حسین خاں اور غلام سرور صاحب یہ دو صاحبان جامعہ کی ہاکی ٹیم کے نمایاں کھلاڑیوں میں تھے اس لئے گیمس کمیٹی نے انکے اعزاز میں پرانے اور موجودہ طلبہ کا ایک میچ کیا جو نہایت دلچسپ رہا۔ پرانے طلبہ میں جناب شیخ الجامعہ بھی تھے میچ میں مولوی سعد انصاری صاحب کے کھیل سے بہت دلچسپی پیدا ہوگئی تھی۔

جغرافیہ

حرکاتِ زمین اور اُن کے تاثرات

زمین کی دو بہت مشہور و معروف حرکات ہیں۔

۱) خود اپنے محور کے گرد گھومنا

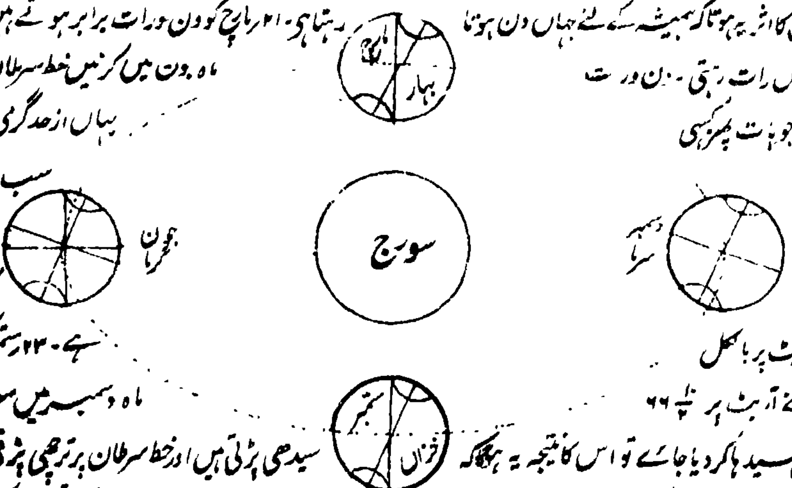
۲) سورج کے چاروں طرف چکر لگانا

زمین اپنے محور پر ایک چکر ۲۴ گھنٹہ میں کرتی ہے۔ زمین گول ہے۔ اس وجہ سے جو حصہ زمین سورج کے سامنے ہوتا ہے وہاں دن اور باقی حصہ میں رات رہتی ہے۔ یہ قدرتی نظام اس قدر خوب ہے کہ اس میں کبھی کمی نہیں ہوتی ہے۔ اگر زمین بالکل ساکن ہو جاتی تو اس کا اثر یہ ہوتا کہ ہمیشہ کے لئے جہاں دن ہوتا وہاں دن اور جہاں رات ہوتی وہاں رات رہتی۔ دن اور رات ہمیشہ کم و بیش ہوتے رہتے ہیں انکی وجوہات پھر کبھی لکھے جائیں گے۔ اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ دن اور رات ہمیشہ یکساں رہیں تو اس کی آسان ترکیب یہ ہے کہ زمین کو اپنے آربٹ پر بالکل سیدھا کر دے۔ یعنی محور زمین اپنے آربٹ پر ½ ۶۶ کا زاویہ بناتا ہے۔ اس کو بالکل سیدھا کر دیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ زمین ہمیشہ سیدھی گھومتی رہے اور دن اور رات میں کوئی فرق نہ ہو۔

آربٹ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں سے زمین سورج کے چاروں طرف گھومتی ہوئی گذرتی ہے، یہ جگہ بیضاوی ہے۔

نقشہ میں سورج درمیان میں ہے اور زمین چار جگہ دکھائی گئی ہے۔ زمین سورج کے گرد تقریباً ایک سال میں اپنا چکر پورا کرتی ہے۔ اس سے موسموں میں زبردست تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ سردی اور گرمی کا انحصار زیادہ تر سورج پر ہے۔ گرمی اس جگہ پر زیادہ ہوتی ہے، جہاں سورج کی کرنیں بالکل سیدھی پڑتی ہیں اور جہاں کرنیں ترچھی پڑتی ہیں وہاں سردی ہوتی ہے۔ اگر محورِ زمین ½ ۶۶ پر جھکا ہوا نہ ہوتا، بلکہ سیدھا ہوتا تو موسم بالکل تبدیل نہ ہوتے۔ بلکہ ہمیشہ ایک جگہ ایک ہی موسم رہتا۔ یعنی کسی جگہ پر موسم گرما ہوتا تو وہاں ہمیشہ ہی موسم رہتا۔ کیونکہ وہاں سال بھر برابر ایک ہی سی سورج کی ہائٹ height رہتی۔

یہ نقشہ شمالی کرہ ارض میں موسموں کی تبدیلی کو ظاہر کرتا ہے۔ جنوبی کرہ ارض میں موسم اس کی بہ نسبت بالکل متضاد ہوتا ہے۔ یہ نقشہ بھی بہت آسانی سے بنایا جا سکتا ہے۔ ذیل کے موسم صرف شمالی کرہ ارض کے سمجھے جائیں۔



ماہ مارچ میں سورج کی کرنیں خط استوا پر سیدھی پڑتی ہیں۔ اور موسم بہار رہتا ہے۔ ۲۱ر مارچ کو دن و رات برابر ہوتے ہیں۔

ماہ جون میں کرنیں خط سرطان پر سیدھی پڑتی ہیں۔ اس وجہ سے یہاں ازحد گرمی رہتی ہے۔ ۲۱ر جون موسم گرما کا سب سے بڑا دن ہے۔

ماہ ستمبر میں پھر خط استوا پر سیدھی کرنیں پڑتی ہیں اور موسم خزاں رہتا ہے۔ ۲۳ر ستمبر کو بھی دن اور رات برابر ہوتے ہیں۔

ماہ دسمبر میں سورج کی کرنیں خط جدی پر بالکل سیدھی پڑتی ہیں اور خط سرطان پر ترچھی پڑتی ہیں۔ اس لئے شمالی کرہ ارض میں بہت زیادہ سردی رہتی ہے۔ شمالی قطب کی جانب تو برفباری بھی ہو جاتی ہے موسم سرما کا سب سے چھوٹا دن ۲۲ر دسمبر ہے۔

اسی طرح سے زمین ہمیشہ چکر لگاتی رہتی ہے اور موسموں میں تبدیلیاں واقع ہوتی رہتی ہیں۔ قدرت کے اس تعجب خیز نظام پر عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔ صرف دو حرکات سے کتنی زبردست تبدیلیاں ہو جاتی ہیں۔

باسط صدیقی فرخ آبادی

سائنس

کیوں اور کیسے؟

دن کے وقت ستارے کہاں چلے جاتے ہیں؟

ستارے دن کو بھی وہیں رہتے ہیں جہاں رات کے وقت رہتے ہیں۔ اور اگر آفتاب کو کسی طرح ڈھانپ دیا جائے جس سے اس کی روشنی چھپ جائے تو ہم دن کو بھی ستارے دیکھ سکتے ہیں۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ سورج اور زمین کے درمیان چاند آجاتا ہے اس وقت تھوڑی دیر کے لئے سورج ہم سے چھپ جاتا ہے۔ جب ایسا ہو اور اس حالت میں دن کا وقت ہو اور آسمان پر ابر بھی نہ ہو تو اس وقت دنیا میں ایک عجیب بات ہوتی ہے یعنی دن میں ستارے نظر آنے لگتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ ستارے دن میں بھی ہر وقت اسی طرح چمکتے ہیں جس طرح رات کو۔ لیکن سورج چونکہ ہم سے نزدیک ہے اور ستارے ہم سے بہت دور ہیں اس لئے سورج کی روشنی ہمیں زیادہ تیز معلوم ہوتی ہے۔ اور ستاروں کی کم، اور اس وجہ سے ہم لوگ ستاروں کو نہیں دیکھ سکتے۔

اچھا دیکھو! جب شور نہ ہوتا ہو تو تم نے اپنے دل کے دھڑکنے کی آواز سنی ہوگی۔ لیکن جب بادل گرجتا ہے تو دل کے دھڑکنے کی آواز نہیں سنائی دیتی حالانکہ بادل دور ہے اور دل نزدیک۔ یعنی بادل کی زور کی آواز دل کی کمزور آواز کو دبا لیتی ہے۔ اسی طرح سورج کی تیز روشنی ستارے کی ہلکی روشنی کو بھی دبا لیتی ہے۔ ایک اور صورت ہے جس میں سورج کی روشنی چھپ جاتی ہے اور ہم کو دن میں ستارے نظر آنے لگتے ہیں۔ وہ آدمی جو گہرے گہرے کنوؤں اور کانوں میں کام کرتے ہیں، جب نظر اٹھا کر زمین کی طرف دیکھتے ہیں تو انھیں ستارے صاف نظر آتے ہیں۔

مکڑا اپنا جال کیسے تیار کرتا ہے؟

لوگ کہتے ہیں کہ دنیا میں مکڑے کی عقلمندی سے بڑھ کر کوئی چیز تعجب انگیز نہیں۔ مکڑا جس ریشم سے جالا بنتا ہے، وہ خود اسی کے جسم سے نکلتا ہے۔ اس کے بدن میں بال ایسی پتلی پتلی نالیاں ہوتی ہیں۔ اسی سے یہ ریشم نکلتا ہے۔ بعض وقت بہت سا ریشم اس کے جسم سے ایک ہی بار آتا ہے اور وہ تار سا بن جاتا ہے۔

لیکن وہ اتنا باریک ہوتا ہے کہ اگر ایسے ایسے سو تار بھی ملائے جائیں تو ایک بال سے موٹے نہیں ہو سکتے۔ اس ریشم کا ایک سرا ڈالی سے یا لکڑی سے بندھ جاتا ہے۔ بعض دفعہ مکڑا خود ہی اس کے ایک سرے کو کسی چیز سے باندھ دیتا ہے۔ کبھی وہ اسی وقت اڑا دیتا ہے اور وہ کسی چیز سے پھنس جاتا ہے۔ غرض جب ایک سرا کسی چیز سے اٹک جاتا ہے، تو مکڑا اس پر آسانی سے چلنے لگتا ہے۔ اور پھر اسی طرح مختلف جگہوں میں کوئی تیس تار باندھ دیتا ہے، لیکن بیچ میں آکر سب تار ایک جگہ مل جاتے ہیں یہ جال کا تانا ہوتا ہے۔ پھر وہ اس کے چاروں طرف تقریباً بیس تار باندھ دیتا ہے اور یہ بانا ہوتا ہے۔ جال کے لئے سب ریشم اس کے بدن سے نکلتا ہے۔ اور اس کو تیار کرنے کے لئے مکڑا بہت پھرتی اور محنت سے کام کرتا ہے۔ اور جب یہ کام شروع ہو جاتا ہے تو نصف گھنٹہ سے کچھ کم ہی وقت میں بالکل تیار ہو جاتا ہے۔ یہ جال اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ ہوا اور بارش بھی اسے نہیں توڑ سکتے۔

مکڑا یہ جال کیڑے پھنسانے کے لئے بناتا ہے۔ لیکن مکڑا اپنا کام نہیں ختم کر دے تو کیڑے اس کو توڑ کر نکل جائیں۔ اس لئے مکڑا اس کی حفاظت کے لئے تمام جال پر گوند کے قسم کی ایک چیز لگا دیتا ہے جس سے کیڑے وغیرہ جال میں پھنستے ہی اس میں چپک جاتے ہیں۔ ہم اپنی آنکھ سے اس گوند کو نہیں دیکھ سکتے۔ لیکن ہزاروں لاکھوں چھوٹے چھوٹے قطرے اس گوند کے میل پر لگے ہوتے ہیں۔ جو صرف خوردبین سے نظر آسکتے ہیں۔

سید محمد شمیم "فردوس"۔ پٹنہ

تاریخ

سلطان فیروز تغلق

(۲)

خوشحالی اور آبادانی کی تدبیریں

سلطان فیروز تغلق کا اصلی کارنامہ جنگی فتوحات یا نئے نئے ممالک کی تسخیر نہیں ہے۔ اس نے سب سے بڑے بڑے کام جو کئے ہیں وہ رعایا کے فائدے اور نفع کے لئے ہیں اور یہ جنگیں اور فتوحات بھی حقیقت میں ملک کے اندر امن اور انتظام قائم رکھنے کیلئے انجام دیں، تاکہ اس کی رعایا ہر طرح کے خوف و خطر سے مطمئن اور بے فکر ہو۔ اس نے زراعت کی ترقی اور مزارعین کی خوشحالی کے لئے خاص طور پر کوششیں کیں اس لئے کہ سلطنت کا دار و مدار اصل میں انہی پر ہے۔ اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ رعایا کے ذمہ جتنا محصول اور لگان محمد تغلق کے زمانے سے باقی چلا آتا تھا، وہ سب یکلخت معاف کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رعایا میں ایک اطمینان اور خوشی کی لہر دوڑ گئی اور وہ نہایت خوشدلی کے ساتھ زراعت و کاشتکاری کے کاموں میں لگ گئے۔ تھوڑے ہی دنوں میں یہ کام اس قدر از سر نو زندہ ہوگیا کہ ہر دو تین میل کے فاصلہ پر خوشحال کسانوں کی جھونپڑیاں نظر آنے لگیں اور صرف دہلی کے نواح میں ۱۲۰۰ دیہات ایسے تھے جن میں کاشتکاری کے ساتھ باغات بھی لگائے گئے تھے اور جن کی سالانہ مالگذاری تقریباً ۲ لاکھ تنگہ[1] تھی۔ اگرچہ بعض ناجائز محصولوں اور بقایا لگان کے معاف کر دینے سے سرکاری خزانہ میں ۳۶ لاکھ تنگہ کی کمی ہوگئی، لیکن اس کا عام اثر جو کاشتکاری اور تجارت پر پڑا اس کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ سلطنت کی کل آمدنی ایک سال میں کوئی ۶ کروڑ تنگہ کے ہوگئی جو اس سے پیشتر غالباً کبھی نہیں ہوئی تھی۔ غلے اور اشیا کی ارزانی کا یہ حال تھا کہ لوگ متحیر تھے۔ گیہوں ۸ جیتل[2] کا ایک من آتا تھا، اسی طرح جو اور دال ۴ جیتل کی ایک من ملتی تھی۔

زراعت کی یہ فراوانی اور غلہ کی یہ ارزانی کیوں نہ ہوتی! ایک طرف رعایا کام کرنے کے لئے اس قدر آمادہ اور مطمئن تھی، دوسری جانب خدا کی زمین کے لئے بھی سیرابی اور آبیاری کا ہر طرف سے سامان مہیا تھا۔ اب تک مزارعین کی توقع کا مدار صرف اللہ کی دی ہوئی بارش پر تھا۔ اگر بارش ہوتی تو فصلیں بھی ہوتیں اور اگر کسی سال قدرت نے تنگدستی سے کام لیا تو پھر کاشتکاروں اور مزارعین کا بھی خدا ہی حافظ ہوتا۔ لیکن اس خدا کے بندے نے جگہ جگہ کنوئیں اور ہر طرف نہریں کھدوائیں تاکہ فصلوں کے لئے پانی کی کوئی دقت ہی نہ ہو۔ اس نے تقریباً ۱۵۰ کنوئیں کھدوائے اور ۵ نہریں نکالیں جن میں سب سے بڑی نہر کوئی ۱۵۰ میل لمبی دریائے جمنا سے نکلکر حصار فیروزہ ہوتی ہوئی گزرتی تھی۔ دوسری نہر دریائے ستلج سے نکالی گئی اور ہوتی ہوئی جاتی تھی۔ تیسری سرسوتی ندی سے نکالی گئی تھی جو اب خشک ہوگئی ہے اور سرہند کے قریب سے گزرتی تھی۔ اسی طرح دو نہریں اور تھیں۔ ان میں سے بعض کے نشانات اب تک ملتے ہیں اور ایک کو تو اس انگریزی عہد میں بھی تھوڑی بہت اصلاح و مرمت کے بعد کام میں لایا جا رہا ہے۔

فیروز نے یہی نہیں کہ زراعت کی ترقی کے لئے یہ سب تدبیریں اختیار کیں اور مزارعین کے نفع اور فائدہ کے یہ تمام کام انجام دئے بلکہ اس نے بہت سے نئے شہر آباد کئے اور اہل شہر کے آرام و آسائش کے لئے ہر قسم کا سامان مہیا کیا۔ اس نے کوئی ۲۰۰ شہر بسائے جن میں سے بیشتر قصبات سے تھے لیکن ان میں سے بعض بڑے بڑے شہر بھی تھے مثلاً فیروزآباد یا نئی دہلی جو اس نے اس وقت کی دہلی سے ۵ کوس کے فاصلہ پر اپنے نام پر بسایا تھا۔ اور اس زمانہ میں جس کی آبادی اور چہل پہل کا یہ حال تھا کہ پرانی دہلی سے نئی دہلی تک عمارتوں کا برابر سلسلہ چلا گیا تھا اور ان کے درمیان سواریوں اور پیدل چلنے والوں کی بڑی آمد و رفت رہا کرتی تھی۔ دوسرا شہر اس نے بداؤں کے قریب حصار فیروز کے نام سے قائم کیا۔ جونپور شہر بھی اسی کا آباد کیا ہوا

---

[1] تنگہ اس وقت کا چاندی کا سب سے بڑا سکہ ہوتا تھا جو آجکل کے ۲۰ پنس یا سوا روپے کی برابر ہوگا۔

[2] جیتل چاندی کا ایک چھوٹا سکہ ہوتا تھا جو ½ پنس یا تین پیسے کے قریب قریب ہوگا۔

ہے، اس کے علاوہ کئی ایک اور بھی چھوٹے چھوٹے شہر بسائے۔ یہ تمام شہر اور قصبات اپنی شہری زندگی کی تمام ضروریات سے مکمل اور بھرپور تھے، مثلاً ان میں مسجدیں، سرائیں، حمام، شفاخانے، مدرسے، پل اور تالاب سب کچھ موجود ہوتے تھے۔ چنانچہ اس نے ۴ بڑی بڑی مسجدیں، ۲۰۰ سرائیں، ۵ تالاب، ۵ شفاخانے، ۱۰۰ حمام اور ایک سو پل بنوائے جن کا اس عہد کی تاریخوں میں ذکر ہے،

عمارتوں سے اُسے خاص ذوق تھا اور یہ نہ صرف محض اس وجہ سے کہ وہ اپنے ایک شاہانہ شوق کو پورا کرنے کے لئے رعایا کا روپیہ ان پر صرف کرتا تھا بلکہ اس نے اکثر عمارتیں ایسی بنوائیں جنکی ضرورت تھی اور جن سے عام مخلوق کو نفع پہنچنے کا خیال تھا، گزشتہ بادشاہوں کے اکثر مزارات و محلات، اور دوسری یادگاریں نہایت خراب و خستہ حالت میں تھیں، جنہیں سے بعض فن تعمیر کے لحاظ سے بھی بہت قابل قدر تھیں، فیروز نے خاص توجہ کے ساتھ ان تمام قدیم یادگاروں کی مرمت اور درستی کرائی، مثلاً سلطان معزالدین کے مقبرے میں جو زمانہ کی دستبرد سے بہت کچھ ٹوٹ پھوٹ گیا تھا، اس نے بہت سی چیزیں نئی بدلوا کر لگوائیں، اسی طرح سلطان علاء الدین کی قبر کا فرش درست کرایا۔ حوض شمسی میں پانی کے آنے جانیکا راستہ بند ہوگیا تھا اس نے اسے کھلوایا۔ یہ اور اس کے علاوہ اور بہت سی پرانی عمارتوں اور یادگاروں کو اس نے زندہ کیا

فیروز تغلق ایک بہت مذہبی شخص تھا۔ وہ اپنے مذہب کے اصول سے پورے طور پر باخبر اور واقف تھا اور اس سے سرمو تجاوز کرنا نہیں چاہتا تھا اسے کوئی ایسی بات مذہب کے خلاف ہوتی ہوئی دیکھنا گوارا نہیں تھی، جس سے عام مسلمانوں کے عقاید اور خیالات پر برا اثر پڑتا ہو اس زمانہ میں بعض ایسی جماعتیں اور اشخاص پیدا ہوگئے تھے جو سرے سے مذہب کے خلاف تھے یا اگر مذہب کو مانتے تھے تو ان میں ایسے ایسے خیالات اور عقاید پیدا کرنا چاہتے تھے جن کا مذہب سے کوئی تعلق نہ تھا اور جو عام مسلمانوں کے عقاید و خیالات پر برا اثر ڈال رہے تھے، مثلاً ایک جماعت ملاحدہ کی تھی جو سرے سے خدا اور مذہب کی قائل نہ تھی اور جس سے مسلمانوں کی عام جماعت میں تفریق اور پھوٹ پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔ فیروز نے اس جماعت کے لوگوں کو روکا اور انھیں سزائیں دیں پھر اسیطرح ایک جماعت 'اباحتین' کی تھی جنکے نزدیک وہ تمام باتیں مباح اور درست تھیں جنہیں مذہب نے حرام اور ممنوع قرار دیا ہے مثلاً ان کے ہاں شراب پینا ہر شخص کے لئے نہ صرف جائز بلکہ اس پر فرض تھا۔ شریعت نے عورتوں میں جس جس سے پردہ کرنے اور انکے ساتھ شادی بیاہ نہ کرنے کا حکم دیا ہے وہ اسکے علانیہ خلاف کرتی تھی اور بسا اوقات ان کے ہاں عقد و مناکحت کا بھی کوئی فرق و امتیاز ملحوظ نہ ہوتا تھا۔ متعدد ایسے اشخاص پیدا ہوئے جو خدا یا پیغمبر ہونیکے مدعی ہوئے جس سے مسلمانوں میں پھوٹ پڑجانیکا اندیشہ تھا، بادشاہ نے ان جھوٹے نبیوں اور خدائی کے دعوی کرنیوالوں سے اپنی تمام ہمدردی اُٹھالی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے انھیں جان سے مار ڈالا۔ اسیطرح اس نے مذہبی فرقوں کی باہم کشاکش کو بھی روکا اور ایک فرقہ دوسرے فرقہ کے بزرگوں اور پیشواؤں کو برا بھلا جو کہتا تھا، بادشاہ نے انھیں اس سے منع کیا اور اس طرح مسلمانوں کی جماعت میں اتحاد و یکجہتی کو قائم رکھا۔

فیروز تغلق ایک بہت باخبر اور واقف شریعت بادشاہ تھا جہاں اس پر اپنی ہندو مسلم رعایا کی خوشحالی اور فارغ البالی کی ذمہ داری تھی وہاں اس پر احکام شریعت کو برقرار رکھنے کا فرض بھی عاید ہوتا تھا، اس نے اپنے بعض پیشروؤں کی طرح ہندوؤں کو بیجا قتل نہیں کیا اور نہ ان کے پرانے مندر گرائے، البتہ جو مندر وہ نئے بنانا چاہتے تھے ان کی وہ شریعت کے مطابق اجازت نہیں دیسکتا تھا۔ کسی علاقہ کے ہندو جب ایکبار اُسے اپنا بادشاہ تسلیم کر لیتے تھے، تو پھر ان کے جان و مال کی حفاظت پورے طور پر وہ اپنے ذمہ لے لیتا تھا اور اس جان و مال کے تحفظ کے ساتھ ہر طرح کی مذہبی عبادات و رسوم کے ادا کرنے کا بھی حق حاصل ہوتا تھا لیکن وہ کوئی نئے مندر نہیں تعمیر کر سکتے تھے، اس لئے کہ اس سے ان کی مذہبی قوت کو روز بروز ترقی پانیکا اندیشہ تھا اور اس زمانہ میں دینی طاقت میں اضافہ دنیوی قوت میں اضافہ کے ہم معنی تھا۔ اس لئے قدرتاً ایک مذہب کے بادشاہ دوسرے مذہب و ملت کو بہت زیادہ فروغ اور ترقی ہونے دینا نہیں چاہتے تھے۔ اور اگر فیروز نے سرے سے مٹا دینے کی کوشش کی بجائے، انہیں اپنے حال ہی پر رہنے دیا تو خود یہی اس کی مذہبی رواداری اور بے تعصبی کی سب سے بڑی دلیل تھی۔ اس حیثیت سے فیروز تغلق اپنے پیشروؤں بلکہ اپنے ہمعصروں میں سب سے ممتاز نظر آتا ہے۔

دہلی کے مسلمان حکمرانوں میں فیروز تغلق سب سے پہلا حکمراں ہے جو مسلمانوں کی چھوٹی سی جماعت کے بادشاہ رہنے کے ساتھ کثیر التعداد ہندو رعایا کا بھی بادشاہ تھا۔ وہ خود ماں کی طرف سے ہندی النسل تھا اسلئے اسکی طبیعت میں اہل ہند سے محبت و الفت قدرتی طور پر تھی اس نے پل کنویں نہر سرائے، شفاخانے جتنی چیزیں بنوائیں ان سے مسلمان اور ہندو دونوں کو یکساں فائدہ پہنچتا تھا۔

نظم

سردی کی آمد

چار موسم خدا نے بنائے　اپنی قدرت کے جلوے دکھائے
گرمی سردی بہار اور برسات　ہے ہر اک میں نئی دھج، نئی بات
سردی آتے ہی گھٹنے لگا دن　رات بڑھنے لگی جب گھٹا دن
دھوپ میں اب نہ اگلی سی تیزی　اور نہ سورج میں پہلی سی شوخی
وہ بھی کترا کے چلنے لگا ہے　ہم سے بچ کر نکلنے لگا ہے
اب ہوا کی نمی گھٹ رہی ہے　جسم کی کھال پھٹنے لگی ہے
اب نہ آندھی، نہ لو کی بلا ہے　سرد موسم ہے ٹھنڈی ہوا ہے
پانی دریا میں ہونے لگا کم　برف کا اب پگھلنا گیا تھم
آگ تاپیں گے اب سارے انساں　دھوپ کھائینگے جاندار ہر آں
روئی اور اون سے لو لگیگی　چائے قہوے کی محفل جمیگی
لوگ اوڑھینگے اونی دو شالا　ہوگا سردی کا اب بول بالا

نیر اسکا کرو شکر ہر دم
جس نے موسم دئے ایسے پیہم

قصے کہانیاں

بیگناہ مجرم

(گزشتہ سے پیوستہ)

اکسیوناف نامی ایک سوداگر سفر کرتا ہے، راستہ میں وہ ایک اور سوداگر کے ساتھ ایک سرائے میں ٹھہرتا ہے اور صبح ہوتے ہی وہ روانہ ہو جاتا ہے۔ آگے پہنچکر پولیس کے سپاہی اُسے ملتے ہیں اور اس کی تلاشی لیتے ہیں۔ اس کے بستر سے ایک خون آلود چاقو نکلتا ہے اور وہ اُسے گرفتار کر لیتے ہیں۔ اکسیوناف ہرچند اپنی بیگناہی کا ثبوت دیتا ہے لیکن بالآخر وہ سزا پاکر سائبیریا جلاوطن کر دیا جاتا ہے اُسکے بیوی بچے اس سے ملنے کے لئے آتے ہیں اور تھوڑی دیر پاس بیٹھکر باحسرت ویاس واپس ہوتے ہیں اور اکسیوناف اکیلا قیدخانہ میں رہ جاتا ہے۔

اس تمام عرصہ میں اکسیوناف کو اپنے گھر کی کوئی خبر نہیں ملی اُسے یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ آیا اس کے بیوی بچے زندہ ہیں یا مر گئے۔

ایک دن کچھ قیدیوں کا ایک نیا گروہ جیلخانہ میں آیا۔ شام کو تمام پرانے قیدی ان نئے آنے والوں کے گرد بیٹھ گئے اور پوچھنے لگے کہ وہ کن کن شہروں اور قصبوں سے آئے ہیں اور انھوں نے کیا کیا جرم کیا ہے؟ اکسیوناف بھی ان قیدیوں کے ساتھ سر جھکائے غمگین صورت بیٹھ گیا اور سننے لگا کہ وہ کیا کہتے ہیں۔

ان نئے قیدیوں میں سے ایک قیدی نے جو ذرا دراز قد اور اچھے خاصے ڈیل ڈول کا تھا اور جسکی عمر کوئی ۶۰ کے قریب تھی اپنی سرگذشت بیان کرنی شروع کی۔ وہ کہنے لگا کہ "میں نے دیکھا کہ ایک گھوڑا اپنے تھان پر بندھا ہے، میں نے اُسے کھول لیا اور لیکر چلا لیکن بعد میں مجھے گرفتار کر لیا گیا اور مجھ پر یہ الزام لگایا گیا کہ میں نے چوری کی ہے۔ میں نے اگرچہ ہرچند کہا کہ میں نے ایسا گھر جلد پہنچنے کی خاطر کیا تھا اور پھر بعد میں میں نے اس گھوڑے کو چھوڑ دیا تھا، نیز کوچبان میرا ملاقاتی تھا لہذا اس میں کچھ مضائقہ نہ تھا، لیکن انھوں نے کہا کہ "نہیں تم نے چوری کی ہے" مگر میں نے کس طرح اور کہاں چوری کی ہے، وہ یہ نہیں بتا سکے۔ ایکبار میں نے حقیقت میں جرم کیا تھا اور مجھے یہاں اب سے پیشتر اسی وقت آنا چاہیے تھا لیکن اسوقت کسی کو اس کا پتہ نہ چلا۔ اور اب میں یہاں محض بے قصور بھیجا گیا ہوں۔ مگر یہ میں تم سے جھوٹ کہہ رہا ہوں۔ میں سائبیریا اس سے پیشتر بھی آچکا ہوں گو مجھے زیادہ عرصہ نہیں رہنا پڑا تھا۔

"اچھا تم کہاں سے آرہے ہو؟" ان میں سے ایک نے پوچھا

"لاڈی میر سے۔ میرے خاندان والے اس شہر کے ہیں اور میرا نام سیمونچ ہے۔"

اکسیوناف نے جو لاڈی میر کا لفظ سُنا تو اپنا سر اُٹھایا اور پوچھنے لگا "ارے بھائی سیمونچ! بھلا تم اکسیوناف سوداگر کے عزیزوں کے بارے میں بھی کچھ جانتے ہو؟ وہ اب تک زندہ ہیں یا مر گئے؟"

"ان کے بارے میں جانتا کیا میں انھیں اچھی طرح جانتا ہوں وہ بڑے امیر ہیں اگرچہ ان کا باپ سائبیریا میں ہم ہی جیسا ایک قیدی ہے۔ اچھا یہ بتاؤ تم کیسے آئے؟"

اکسیوناف اپنی رام کہانی بیان کرنی نہیں چاہتا تھا۔ اس نے ایک آہ سرد بھری اور کہا "میں اپنے گناہوں کی پاداش میں چھبیس سال سے یہاں ہوں۔"

سیمونچ نے پوچھا "وہ کیسے گناہ؟"

لیکن اکسیوناف نے بات کاٹکر کہا "خیر، خیر میں اسی کا مستحق تھا" وہ اس سے زیادہ اپنی حالت نہ بیان کرتا لیکن اس کے پرانے ساتھیوں نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔

جب سیمونچ نے یہ دُکھ بھری کہانی سنی تو اس نے تعجب سے اپنے زانو پر ہاتھ پٹکے اور کہنے لگا "ارے یہ تو بڑا اندھیر ہے!

حقیقت میں بڑا اندھیر ہے!!" لیکن اس وقت تمہاری عمر کیا ہے؟"

لوگوں نے اس سے پوچھا کہ اُسے یہ سُن کر اس درجہ حیرت کیوں ہوئی۔ کیا وہ اسے پہلے سے جانتا ہے؟ مگر سیمونچ نے اسکا کچھ جواب نہ دیا اور صرف اتنا کہا کہ "یہ بڑی حیرت انگیز بات ہے کہ ہم دونوں یہاں اس طرح مل گئے۔"

سیمونچ کی اس بات نے اکسیونات کو حیرت میں ڈال دیا کہ کیا یہ شخص جانتا ہے کہ اس سوداگر کو کس نے مارا چنانچہ اس نے اس سے دریافت کیا کہ غالباً تم نے اس واقعہ کے بارے میں سُنا ہوگا، یا ممکن ہے کہ تم نے مجھے پہلے کبھی دیکھا ہوگا؟"

"میں کیوں نہ سنتا؟ دنیا میں اس واقعہ کا چرچا ہے لیکن اسے سنے ہوئے زمانہ گزر گیا اور جو کچھ میں نے سُنا تھا وہ سب اس وقت تک یاد ہے جاتا رہا۔"

اس کے بعد اکسیوناف نے پوچھا "غالباً تم نے سُنا ہوگا کہ اس سوداگر کو کس نے قتل کیا؟"

سیمونچ ہنسنے لگا اور کہا "قاتل وہی ہوگا جس کے تھیلے سے چاقو نکلا۔ اگر چاقو کسی اور نے چھپایا تو وہ اس وقت چور نہیں جب تک پکڑا نہ جائے۔ کوئی شخص تمہارے تھیلے میں جو سر کے نیچے ہو چاقو کیونکر رکھ سکتا ہے؟ اگر ایسا ہوا ہوتا تو تم یقیناً جاگ جاتے۔"

جب اکسیوناف نے یہ باتیں سنیں تو اسے پورا یقین ہوگیا کہ اسی شخص نے اس سوداگر کو قتل کیا ہے۔ وہ اُٹھا اور اُٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔ اسدن تمام رات اکسیوناف ایک لمحہ کے لئے بھی نہ سویا وہ بہت غمگین، دل بھر رہا تھا اور طرح طرح کے خیالات اور صورتیں اس کے دماغ میں چکر لگا رہی تھیں۔ کبھی تو اس کی بیوی کی صورت اسکے سامنے آتی جب وہ گھر سے آخری بار جدا ہو رہا تھا۔ وہ اسے اپنی آنکھوں کے سامنے ہنستی اور بولتی ہوئی نظر آتی تھی۔ پھر کبھی بچوں کا دھیان آتا کہ کسطرح وہ ماں کی چھاتی پر کھیل کود رہے ہیں۔ اس کے بعد کبھی اپنا خیال آتا اور وہ نوجوانی اور بےفکری کے مزے یاد آتے۔ پھر اسے وہ سرائے کے سامنے ستار کا بجانا، سپاہیوں کا آکر اسے گرفتار کرنا، اور پھر جلاّدوں کا کوڑے لگانا، بیڑیوں کا پہنا جانا جیل کے تمام ساتھی غرض ۲۶ سال کی زندگی کا پورا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا۔ اور ان سب خیالات سے وہ ایسا تنگدل اور رنجیدہ خاطر ہوتا کہ وہ فوراً خودکشی کے لئے آمادہ ہو جاتا۔

لیکن پھر یکبارگی سیمونچ کا خیال آجاتا اور وہ کہنے لگتا "یہ سب اسی کمبخت کی حرکت ہے!" اور وہ اس کی طرف سے اس درجہ غصہ میں بھرا ہوتا کہ کسی نہ کسی طرح بدلہ لینے کے لئے بےچین رہتا خواہ اس میں خود اس کی جان بھی خطرے میں کیوں نہ پڑ جائے۔ وہ رات رات بھر دعائیں مانگتا لیکن اس کے دل کو تسکین ایک لمحہ کے لئے بھی نہ ہوتی۔ دن میں وہ سیمونچ کی طرف گزرنا کیا معنی اس کی صورت دیکھنا گوارا نہ کرتا۔ غرض اسی حالت میں کوئی دو ہفتے گزر گئے اور اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کرے!

ایک دن شب میں جبکہ اکسیوناف قیدیوں کے سونے کی جگہ سے گزر رہا تھا، اس نے ایک جگہ کچھ مٹی کا ڈھیر دیکھا۔ وہ یہ دیکھنے کے لئے رک گیا کہ آخر یہ کیا چیز ہے۔ اتنے میں اس نے کیا دیکھا کہ سیمونچ اس کے اندر سے نکل رہا ہے۔ اکسیوناف نے بغیر اس کی طرف دیکھے چاہا کہ گزر جائے لیکن اتنے میں سیمونچ نے اسکا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ میں اس دیوار کے نیچے نیچے ایک سرنگ کھود رہا ہوں اور ہر روز اپنے جوتوں میں مٹی بھر لیتا ہوں اور جب صبح کو قیدی باہر کام پر لیجائے جاتے ہیں، اس وقت اس مٹی کو کہیں باہر ڈال دیتا ہوں بس، خاموش رہنا، تمہیں بھی میں اسی راستہ سے نکال دونگا لیکن اگر تم نے ذرا بھی زبان کھولی تو وہ مارے کوڑوں کے میری کھال کھینچ کر رکھ دیں گے، مگر اس سے پہلے میں تمہارا بھی خاتمہ کر دونگا۔

اکسیوناف غصہ سے تھر تھر کانپ رہا تھا، اس نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور اس سے کہا "مجھے بھاگ کر نکل جانیکی کوئی خواہش نہیں ہے اور تمہیں مجھے مار ڈالنے کی بھی ضرورت نہیں۔ تم مجھے بہت پہلے قتل کر چکے ہو۔ رہا اس بات کا کہدینا، وہ ممکن ہے میں کہوں یا نہ کہوں جیسی خدا ہدایت دے۔

دوسرے دن صبح کو جبکہ قیدی باہر کام پر لیجائے جارہے تھے ایک سپاہی نے راستہ میں دیکھا کہ کسی قیدی نے اپنے جوتے سے کچھ مٹی گرائی ہے۔ دوسرے دن تمام جیلخانہ کی تلاشی لیگئی اور ایک جگہ دیکھا گیا کہ دیوار سے ایک سرنگ کھودا جارہا ہے۔ جیل کا سپرنٹنڈنٹ آیا اور اس نے تمام قیدیوں سے دریافت کیا کہ کس نے یہ کام کیا ہے لیکن ہر ایک نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ جو جانتے بھی تھے، انھوں نے سیمونچ کو پھنسانا نہ چاہا۔ بالآخر سپرنٹنڈنٹ اکسیوناف کی طرف مخاطب ہوا اور اس سے بولا "تم ایک سچے آدمی ہو، تم خدا کو حاضر و ناظر جانکر بتاؤ کہ یہ کام کس نے کیا ہے؟"

سیمونچ سپرنٹنڈنٹ کی طرف اس طرح دیکھتے ہوئے اٹھا گویا وہ اس سے بے تعلق ہے، لیکن اکسیوناف کے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے اور وہ اس شش و پنج میں تھا کہ کہے یا نہ کہے۔ کبھی تو وہ یہ سوچتا کہ "میں اس شخص پر رحم کیوں کھاؤں جس نے مجھے اس مصیبت میں ڈالا ہے،" پھر وہ یہ خیال کرتا کہ آخر اس سے میرا کیا فائدہ ہوگا؟"

اتنے میں سپرنٹنڈنٹ نے پھر پوچھا "کہو، بڑے میاں! سچ کہو، یہ سرنگ کون کھود رہا تھا؟"

اکسیوناف نے سیمونچ کی طرف ایک نظر دیکھا اور کہا "جناب والا! میں نہیں کہہ سکتا۔ خدا کی مرضی نہیں ہے کہ میں اس کے بارے میں کچھ کہوں۔ آپ خواہ کچھ بھی کریں۔ میں آپ کے ہاتھ میں ہوں"

سپرنٹنڈنٹ نے ہرچند معلوم کرنیکی کوشش کی لیکن ٹس سے مس نہ ہوا۔ بالآخر اسے وہ معاملہ وہیں پر چھوڑ دینا پڑا۔ رات کو جب اکسیوناف اپنے بستر پر لیٹا ہوا تھا اور قریب تھا کہ سوجائے، اتنے میں وہ کیا دیکھتا ہے کہ سیمونچ سامنے اندھیرے میں کھڑا ہے۔ اسے دریافت کیا "کہو اب کیا چاہتے ہو؟ یہاں اسوقت کیسے آئے ہو؟"

سیمونچ چپکا کھڑا رہا۔ اکسیوناف یہ دیکھ کر اُٹھ بیٹھا اور کہنے لگا "بولو نا کیا چاہتے ہو؟ ابھی جاؤ ورنہ میں پہریدار کو بلاتا ہوں!"

سیمونچ کچھ جھکا اور اس کے کانوں میں چپکے سے کہا "اکسیوناف! مجھے معاف کرو" اکسیوناف بولا "آخر کس لئے؟"

سیمونچ نے کہا "یہ میں ہی تھا جس نے اس سوداگر کو قتل کیا تھا اور چاقو تمہارے بستر میں چھپا دیا تھا۔ میں تمہارے قتل کا بھی ارادہ کر رہا تھا کہ مجھے باہر کوئی آواز سی سنائی دی، اس لئے میں چاقو جھٹ سے تمہارے بستر میں ڈال کر بھاگ نکلا"

اکسیوناف چپ چاپ بیٹھا تھا اور سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کہے۔ سیمونچ نے بستر ہٹایا اور سجدہ میں گر کر کہنے لگا "اکسیوناف! مجھے معاف کرو۔ خدا کے لئے مجھے معاف کرو۔ میں اب اقرار کرلوں گا کہ اس سوداگر کو میں نے قتل کیا تھا اور تم چھوٹ جاؤ گے اور اپنے گھر چلے جاؤ گے"۔

"تمہارے لئے یہ بات زبان سے کہدینی آسان ہے" اکسیوناف نے کہا "لیکن تم جانتے ہو کہ میں تمہاری بجائے ۲۶ سال اس جیلخانہ کی مصیبتیں جھیل چکا ہوں اور اب میں جاؤں بھی تو کہاں جاؤں؟ میری بیوی مرچکی ہے اور میرے بچے مجھے بھول چکے ہیں میرے لئے اس دنیا میں کوئی جگہ نہیں۔

سیمونچ کسی طرح اُٹھتا نہیں تھا اور بار بار اپنا سر زمین پر ٹیکتا تھا اور چلا چلا کر کہتا تھا "اکسیوناف مجھے معاف کرو! جب جلادوں نے مجھے کوڑے لگائے تھے اس وقت بھی مجھے اتنی تکلیف نہیں ہوئی تھی جتنی اسوقت تمہیں دیکھ کر ہورہی ہے ..... پھر بھی تم نے مجھ پر رحم کھایا اور وہ سسک سسک کر رونے لگا۔ جب اکسیوناف نے اسے سسکتے سنا تو وہ بھی رونے لگا اور پھر اس کے بعد یہ کہا "خدا تمہیں معاف کرے، ممکن ہے میں تم سے سوگنا گنہگار ہوں" اور اس کہنے سے اسکا غم کچھ کم ہوا اور گھر کی لگن دھیمی ہوئی وہ اب جیلخانہ سے جانا بھی نہیں چاہتا تھا بلکہ صرف آخری گھڑی کا منتظر تھا۔

لیکن باوجود اس کے کہ اکسیوناف یہ سب کچھ کہہ چکا تھا۔ سیمونچ نے جاکر اپنے جرم کا صاف صاف اقرار کرلیا لیکن جب اسکی رہائی کا پروانہ آیا، تو اکسیوناف اس وقت تک مر چکا تھا۔

ٹیلیفون نمبر ۲۲۱۹

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶۱

پیام تعلیم

نرخنامہ چندہ

سالانہ عا؍

ششماہی عہ؍

فی پرچہ ۱؍

نرخنامہ اشتہارات

فی صفحہ ۸؍

نصف صفحہ عہ؍

چوتھائی صفحہ سے؍

ایڈیٹر: سعید انصاری۔ بی اے (جامعہ)

نمبر ۷	۷ فروری سنہ ۱۹۳۰ عیسوی	جلد ۸

فہرست مضامین

دنیا میں کیا ہو رہا ہی؟

ہندوستان کے اندر

مہاتما گاندھی جی نے گورنمنٹ کے سامنے دس شرطیں پیش کی ہیں جنھیں مان لینے کے بعد وہ پھر سول نافرمانی شروع کرنیکا ارادہ ترک کر دیں گے۔ ان شرطوں میں سے خاص خاص یہ ہیں:- (۱) ۵۰ فیصدی مالگذاری گھٹا دی جائے (۲) فوجی اخراجات میں ۵۰ فیصدی کی تخفیف کر دی جائے۔ (۳) تمام سیاسی قیدی رہا کر دیئے جائیں۔ (۴) سی۔ آئی۔ ڈی کا محکمہ توڑ دیا جائے (۵) بدیشی کپڑوں پر محصول بڑھا دیا جائے وغیرہ وغیرہ۔ ان شرائط کے منظور کرلینے کے بعد پھر سول نافرمانی کی ضرورت ہی کیا باقی رہ جائیگی۔

۲۶ر جنوری کو "یوم آزادی" کی تقریب تمام ہندوستان میں نہایت جوش وخروش اور امن وسکون کے ساتھ منائی گئی۔ تمام مقامات میں بڑے بڑے جلوسوں نے شہر میں گشت لگائے اور ہر ہر جلسہ میں صدر کانگریس کا ریزولیشن پڑھ کر سنایا گیا۔ افسوس ہے کہ مسلمان اس مظاہرے سے بہ حیثیت مجموعی الگ رہے

سوبھاش چندر بوس اور ان کے ساتھ گیارہ آدمیوں کو اور جو سب کے سب بنگال کانگریس کمیٹی کے عہدہ دار اور ارکان تھے، بغاوت اور سازش کے جرم میں ایک ایک سال کی سزا ہو گئی ہے۔ بنگال کی اس پیشقدمی سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت نے ہندوستان میں تشدد کرنیکا فیصلہ کرلیا ہے۔ ادھر وائسرائے نے اپنی تازہ تقریر میں بھی یہ کہدیا ہے کہ سول نافرمانی کی تحریک خلافِ قانون تحریک ہے۔ دیکھئے آئندہ سال کہیں ۲۲-۱۹۲۱ء کے سال نہ ہوں۔

ریاست پٹیالہ میں چار نوجوان سکھوں کو ساڑھے چھ چھ سال کی سزا بامشقت اس جرم میں دی گئی ہے کہ انھوں نے یوم آزادی منانے میں سرگرمی سے حصہ لیا تھا۔

ہندوستان کے باہر

اسپین کے وزیرِ اعظم جنرل پرایمو ڈی ریورا نے جو اصل میں گزشتہ چند سال سے اسپین کے مطلق العنان حاکم رہے ہیں، اپنے عہدہ وزارت سے استعفیٰ دیدیا ہے اور آپ کی جگہ پر جنرل برنگوئے منتخب ہوئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ بادشاہ اسپین الفانسو خود جنرل ریورا کے ایک عرصہ سے مخالف رہے ہیں اور اس استعفٰے میں انکی خواہش کو بہت دخل ہے لیکن استعفٰے کا فوری سبب یہ ہے کہ کسی مقام پر فوج میں کچھ بغاوت کا اندیشہ تھا جسپر وزیرِ اعظم نے ۴ افسروں کو فوراً معزول کر دیا تھا

ابن سعود بادشاہِ نجد اور امیر فیصل بادشاہِ عراق کے درمیان ایک کانفرنس ہونیوالی ہے جس میں وہ تمام مسائل طے ہونگے جو اب تک دونوں سلطنتوں کے درمیان جھگڑے کا باعث تھے۔ یہ کانفرنس صحرائے نجد میں ایک مقام کویت پر ہوگی خیال ہے کہ زیرِ بحث مسائل میں سب سے اہم بات سعودی حکومت کی طرف سے یہ پیش کیجائیگی کہ عراق میں اُسے کچھ پولیس چوکیاں رکھنے کی اجازت دیجائے تاکہ اس سے وہ اپنے سرحدی قبایل کو قابو میں رکھ سکے۔

تخفیف اسلحہ کی کانفرنس کا شور جو اتنے عرصہ سے سننے میں آتا تھا، اس کا افتتاح بالآخر ملک معظم انگلستان کے ہاتھ سے ہوگیا۔ اس کانفرنس میں دنیا کی ۵ سب سے بڑی سلطنتوں کے نمایندے شامل تھے ان میں سے انگلستان کے متعلق سب کو عام طور پر یہ شبہ تھا کہ وہ اپنی فوجی طاقت کسی طرح کم نہ کریگا۔ چنانچہ وزیرِ اعظم برطانیہ نے متعدد طریقوں سے اس کا اطمینان دلایا اور اعداد وشمار سے دکھایا کہ انگلستان نے اپنی بری، بحری اور ہوائی طاقت میں ہر طرح سے ممکن کمی کر دی ہے۔

برٹش میوزیم کے ہندوستانی شعبوں میں ایک بم کا گولہ پایا گیا ہے جس سے تمام حلقوں میں ایک ہلچل پیدا ہوگئی ہے۔ بم کا گولہ اخبار میں لپٹا ہوا ہال کے اس حصہ میں ملا ہے جہاں ہندوستان سے متعلق چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ پولیس نہایت سرگرمی

والدین اور استادوں کا صفحہ

بچوں کی سیرت

دنیا میں ترقی کرنے والی جماعتوں کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ ان میں ہر شخص کو اپنی اپنی ذمہ داری کا احساس ہوتا ہے۔ اس میں چھوٹے بڑے، ادنےٰ اعلیٰ کی قید نہیں ہوتی۔ ہر کام کرنے والا چاہے اسکا کام حقیر ہی کیوں نہ ہو اپنے کو اس کی بجاآوری میں اتنا ہی ذمہ دار پاتا ہے جتنا بڑے سے بڑا کام کرنے والا۔ اس کے برعکس جو جماعتیں تنزل کرتی ہیں ان کے اہم سے اہم کام کرنے والے اپنے کام پر اتنا دھیان بھی نہیں دیتے جتنا اپنی چھوٹی سی چھوٹی تفریح اور دل لگی کی باتوں پر۔ ان کے دل میں ایسی باتوں تک کی وقعت کھیل کود سے زیادہ نہیں ہوتی جن پر ان کی ساری قوم کی بھلائی برائی کا دار و مدار ہے۔

بچوں کی تعلیم اور تربیت کا کام بھی ان اہم کاموں میں سے ہے جن پر کسی جماعت کی آنے والی عزت یا ذلت، ترقی یا تنزل منحصر ہے۔ ذرا سوچئے کہ ہماری قوم کے والدین اور استاد اس کام کی ذمہ داری کو کتنا سمجھتے اور اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے اپنے کو کس طرح تیار کرتے ہیں؟ آپ کو شاید اپنی بے توجہی کا اندازہ ہو سکے گا اگر کوئی آپ کو بتلائے کہ دوسری قوموں کے اُستاد اور ماں باپ اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے کیا کیا کرتے ہیں۔ اس بات کو بھی آپ مان لیں گے کہ کسی کام میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اس کام کے متعلق پوری واقفیت حاصل کرنے کی کوشش ضروری ہے۔ ہم اس مضمون میں تعلیم کا ذکر نہیں کرتے صرف بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ترقی کرنے والی جماعتوں کے لوگ اپنے اس فرض کو انجام دینے کے لئے کس کس طریقہ سے بچوں کو سمجھنے، اُن کی سیرت کی گہرائیوں اور بچوں کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

آپ ضرور جانتے ہوں گے کہ آدمی کے بدن میں جو حصے ہیں ان کے کام کرنے کے طریقوں کی بابت بھی ایک علم ہے جسے عموماً علم الاعضا کہتے ہیں۔ اس علم کی مدد سے بعض دانا قوموں کے استادوں اور والدین نے ایسے طریقے نکالے ہیں جن سے بچوں کی سیرت کے بعض حصوں کی جانچ ہو جاتی ہے۔ یعنی اس کے جذبات اور محرکات کی قوت یا ضعف اور جبلتوں کی پختگی یا خامی۔ مثلاً یہ لوگ دیکھتے ہیں کہ مختلف حالتوں میں، غصہ میں اور رنج میں، خوشی میں یا خوف کی حالت میں، یا اسی طرح کی اور صورتوں میں بچے کے خون کے دباؤ کی کیا حالت ہوتی ہے تنفس کی کیا کیفیت رہتی ہے، غدود کا فعل کیسا ہے، پسینہ کے غدود میں کیا کیا برقی تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ ہاں ان طریقوں میں ذرا طبی مہارت کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے انکے ذریعے بچہ کی سیرت سے واقفیت عموماً کسی اچھے طبیب کی مدد سے ہی حاصل کرنی چاہئے۔

بچہ کی سیرت سے واقفیت کی بڑی اچھی ترکیب تو یہ ہو کہ کسی طرح اس کے دل اور دماغ کا پورا حال کھل جائے اور ایسی تصویر سامنے آجائے جو اس کی شخصی تاریخ کا مرقع ہو۔ یہاں ان لوگوں نے علم اجتماعیات سے مدد لی ہے اور اسکا عام طریقہ بات چیت اور گفتگو کو رکھا ہے۔ ہر انسان کے اندر اس کی سیرت کی پوری تاریخ کہیں نہ کہیں ضرور پوشیدہ ہوتی ہے۔ اصل ہنر اس کا پتہ چلانا ہے۔ اور اسکا سارا گر یہ ہے کہ بچے کی جھجک، رکاوٹ، تکلف کو کسی طرح دور کر دیا جائے تاکہ وہ اپنی رُوح کے پوشیدہ باب ہمارے لئے کھولدے اس کے لئے بچہ کا اعتماد حاصل کرنا ضروری ہے۔ یہ بھی ہے کہ کسی بات کو اس سے ایک دم نہ پوچھا جائے۔ بلکہ رفتہ رفتہ۔ دلیل نہ دیجائے اور بحث نہ کیجائے کہ اس کی رُوح کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔

ایک اور طریقہ نفسیات سے لیا گیا ہے۔ یہ آزمایش اور امتحان کا طریقہ ہے اور انکے ذریعے اعداد جمع کرکے نتائج نکالنے کا۔ ان آزمایشوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کسی خاص وقت بچہ کی سیرت سے بعض عناصر کا اندازہ لگایا جائے ان کی تین بڑی بڑی قسمیں ہیں:-

(۱) اول وہ جن میں سیرت کے ذہنی پہلو کی آزمایش اور پیمائش ہوتی ہے۔ ان کو عام طور پر تمیز اخلاقی یا اخلاقی علم کی آزمایش کہتے ہیں مثلاً یہ پتہ چلانا کہ بچہ کے پاس اخلاقی مطالب فہم یا اظہار کے لئے الفاظ کا کتنا ذخیرہ ہے؟ بچہ

شجاعت ایذارسانی، کینہ، بغض، دفاشعاری، درشتی خلقی وغیرہ کے معنی سمجھتا ہو یا نہیں؟ اسی قسم کے بہت سے لفظ لئے جاتے ہیں اور ہر شکل اور اس سے بچے کے اخلاقی علم کا ایک پہلو معلوم ہو جاتا ہے۔ بچہ کی اخلاقی تمیز کے لیے بھی ایسی ہی آزمائشیں ہوتی ہیں۔ مثلاً بچہ کسی بات کو جھوٹ سمجھتا ہے یا نہیں، کسی فعل کو چوری جانتا ہے یا نہیں؟

ایک صورت یہ بھی ہے کہ بچہ کے سامنے ایک صورت حال بیان کر دیں، اس میں جس جس طرح پر آدمی عمل کر سکتا ہے وہ بھی پیش کر دیں اور اس سے پوچھیں کہ ان میں سب سے اچھی صورت کونسی ہے۔ مثلاً بچہ سے کہا جاتا ہے کہ کسی نے تمہیں سنگے کی کھوٹی اٹھنی دے دی۔ اچھا تم کیا کروگے؟ کیا اسے رات میں کسی دوکاندار کے ہاتھ چلا دوگے، یا اسے پھینک دوگے، یا کالا دوگے، یا جس نے تمہیں یہ اٹھنی دی تھی اسے ڈھونڈ کر پھر اسی کو دوگے یا اسے یوں ہی یطور نادر چیز کے اپنے پاس رہنے دوگے، یا اپنے کسی بڑے سے جاکر پوچھوگے کہ میں اس کو کیا کروں؟

یہ بھی کر سکتے ہیں کہ بچہ کو ایسے قصے سنائے جائیں جن میں کوئی اخلاقی سوال پیدا ہوتا ہو۔ مثلاً ایک لڑکا رضوان اپنے بیمار دوست صالح کو دیکھنے گیا۔ صالح بہت کمزور اور بےحال تھا۔ مگر رضوان نے اسکا دل رکھنے کے لئے صالح سے کہا "بھائی آج تو طبیعت اچھی معلوم ہوتی ہے، چہرہ خوب بشاش ہے"۔ اب پوچھیے کہ رضوان نے ٹھیک کیا یا نہیں؟ اسکا یہ فعل درگذر کے قابل ہے یا نہیں۔

(۲) کچھ اور آزمائشیں ایسی نکالی گئی ہیں جن سے بچہ کی سیرت کے عناصر معرکہ کی قوت اور کمزوری کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ اس پر ابھی پچھلے ۱۰۰ سال ہی میں زیادہ کام ہوا ہے۔ عام گفتگو اور دریافت حال سے تو یہ چیز معلوم کی ہی جاتی ہے لیکن بچوں کی تحریر کے انداز سے بھی انکے استقلال یا تلون اور طبیعت کے ہلکے یا بھاری ہونے کے متعلق نتیجے نکالے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے آزمائشی سوالات مرتب کئے گئے ہیں جن کے جوابوں سے معلوم ہو جاتا ہے کہ بچہ کی طبیعت کا رجحان کدھر ہے، معاشرتی اور اخلاقی امور کے متعلق اس کے عقائد کیا ہیں۔ یہ بھی پتہ لگ جاتا ہے کہ دوسرے بچوں کے ساتھ، استاد کے ساتھ، عام طور پر اپنے مدرسہ کیساتھ بچہ کو کیا تعلق ہے۔

(۳) سیرت کی نفسیاتی آزمائش کا ایک اور طریقہ یہ ہے کہ خاص خاص حالات میں بچہ کو دیکھا جائے کہ وہ کیا کرتا ہے اور اس سے اندازہ لگایا جائے کہ وہ اگر ایسی ہی صورتیں پیدا ہوں تو وہ کیا کریگا۔ اس سلسلہ میں عموماً چار قسم کی آزمائشیں ہوتی ہیں۔ ایک تو دھوکہ یا بددیانتی کی، دوسرے باہمی امداد وتعاون کے جذبہ کی، تیسرے مستقل مزاجی کی، چوتھے اپنے نفس پر قابو کی۔ مثلاً بچہ کی دیانتداری کی آزمائش، امتحان کے درجہ کے کام، گھر کے کام میں، کھیلوں میں، اچھی طرح جانچی جا سکتی ہے۔ مثال کے طور پر، بچہ کو ایک دن کچھ سوال لگانے کو دیجئے اور ہر سوال کے کچھ نمبر مقرر کر دیجئے۔ بچہ سے کہئے کہ جب سوال لگا لو تو کتاب سے جوابوں کا مقابلہ کر لینا اور صحیح غلط دیکھکر خود اپنے کو نمبر دینا۔ اور دوسرے دن درجہ میں استاد کو اپنے نمبر بتا دینا تاکہ وہ نتیجہ نوٹ کر لے۔ دو تین دن کا وقفہ دیکر پھر وہی یا اسی قسم کے سوال درجہ میں بولئے اور دیکھئے کہ بچہ کتنے سوال صحیح لگاتا ہے اور اس نے خود اپنے کو جو نمبر دیے تھے وہ ٹھیک تھے یا نہ تھے۔ اسی طرح اگر بہت سی آزمائشیں مختلف موقعوں پر کی جائیں تو معلوم ہو جائے کہ کن حالتوں میں بچے دھوکہ دینے کی طرف مائل ہوتے ہیں، کب ایک دوسرے کی مدد کو تیار ہوتے ہیں اور مشکل کاموں کو استقلال سے کب انجام دیتے ہیں۔

ہم نے اوپر چند طریقے بتلائے ہیں جن سے ذمہ دار ماں باپ اور اُستاد اپنے بچوں کی تربیت کی خاطر ان کی سیرت کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اب سوچئے کہ انکے بچوں کی سیرت کے بہتر ہونے کا زیادہ احتمال ہے یا اُن کے جہاں عموماً باپ کے پاس ڈانٹ ڈپٹ گالی گلوچ اور تھپڑ، ماں اور نانی کے پاس لاڈ پیار اور ظالم باپ کی مذمت، استادوں کے پاس بید یا بےتوجہی کے علاوہ بچوں کو تربیت دینے کے بہت کم وسائل ہوں اور جو اس ساز وسامان کے ساتھ سمجھتے ہوں کہ وہ بچوں کی تربیت کی ذمہ داری کو اچھی طرح ادا کر رہے ہیں۔

لے آیندہ سے صفحہ ۴ پر عموماً اسی قسم کے دوسرے مضامین آتے رہیں گے جو لڑکوں کے والدین اور اُستادوں کی دلچسپی کے لئے مخصوص ہونگے۔ ہم اپنے گمنام صاحب کے بہت شکرگذار ہیں کہ انھوں نے آیندہ بھی اپنی دلچسپی کے جاری رکھنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ دوسرے اہل فکر حضرات سے درخواست ہے کہ وہ بھی ان مسائل پر اپنے افکار وخیالات سے مستفید ہونیکا موقع دیں۔

(اڈیٹر)

کوائف جامعہ

"انجمن تعلیم ملی" کی مجلس منتظمہ کا ایک جلسہ امیر جامعہ جناب ڈاکٹر مختار احمد انصاری صاحب کے دولتکدہ پر بتاریخ ۱۹ جنوری ۱۹۳۰ء منعقد ہوا اس میں انجمن کا میزانیہ (بجٹ) بابت ۳۱-۱۹۳۰ء نیز جامعہ کے نظم و اصلاح کی دوسری تجویزیں پیش ہوئیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ "انجمن تعلیم ملی" کے ان بیرونی ارکان سے خط و کتابت کی جائے جنہوں نے بطور رکن انجمن جامعہ کو ۱۰۰ روپے سالانہ دینے یا دلانے کا وعدہ کیا تھا اور اب تک اپنی موعودہ رقم ادا نہیں کر سکے ہیں

اس کے علاوہ چار اشخاص کی ایک کمیٹی بنا دی گئی ہے جو جامعہ کے لئے دہلی کے قرب و جوار میں مناسب زمین کی تلاش کرے اور اس کے حصول و خرید کے متعلق جملہ معاملات طے کرائے۔

نیز ایک کمیٹی جامعہ کے دستور اساسی پر نظر ثانی کرنے اور اسے از سر نو مرتب کرنے کے لئے بنائی گئی ہے۔

دوسرے دن یعنی ۲۰ جنوری ۱۹۳۰ء کو "انجمن تعلیم ملی" کا عام جلسہ دفتر جامعہ میں منعقد ہوا جس میں باہر کے نو حضرات میں سے صرف مولوی شفیع داؤدی صاحب شریک تھے۔ اس جلسہ میں مجلس منتظمہ کا پاس کردہ میزانیہ منظوری کے لئے سب سے پہلی بار پیش ہوا جسکی بعض مدات پر نہایت سرگرم مباحثہ رہا اور آئندہ کے لئے ناظم انجمن کے اطمینان دلانے پر ان مدات کی تخفیف کی تجویز واپس لیگئی

انجمن نے اپنے اس جلسہ میں سب سے اہم تجویز جو منظور کی وہ یہ تھی کہ "اجمل جامعہ فنڈ" کے ٹرسٹیوں کی تحریک پر اس فنڈ کا تمام روپیہ "انجمن تعلیم ملی" کے فنڈ میں منتقل کر دیا گیا اور ناظم انجمن کو اختیار دیا گیا کہ وہ جامعہ کے ماہانہ مصارف کو پورا کرنے کیلئے صدر کی تصدیق سے ۲۷۰۰ روپے ماہوار خازن انجمن کے ہاں سے منگوا لیا کرے۔

جامعہ کے دیگر شعبوں کے ساتھ ساتھ اس کے طلبائے قدیم کی انجمن میں بھی از سر نو زندگی کے آثار نمایاں ہو رہے ہیں۔ چنانچہ اس کا جدید انتخاب بعض سرگرم کارکنوں کی تجویز سے ۴ فروری ۱۹۳۰ء کو عمل میں آیا۔ سابق معتمد جناب برکت علی صاحب کی تقریر کے بعد جو انجمن مذکور کے ماضی و حال پر مشتمل تھی جناب سعید انصاری صاحب کی تجویز سے حسب ذیل انتخابات عمل میں آئے:-

عہدیداران

۱۔ جناب ڈاکٹر یوسف حسین خانصاحب	معتمد
۲۔ جناب حامد علی خانصاحب	نائب معتمد
۳۔ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب شیخ الجامعہ	خازن

دہلی میں رہنے والے ارکان

۱۔ شفیق الرحمن صاحب قدوائی
۲۔ سعید انصاری صاحب
۳۔ سعد انصاری صاحب
۴۔ ارشاد الحق صاحب
۵۔ سید محمد جعفری صاحب، اڈیٹر "ملت"

دہلی سے باہر رہنے والے ارکان

۱۔ چودھری اکبر علی صاحب مقیم نیویارک (امریکہ)
۲۔ عبدالقادر صاحب سیالکوٹی
۳۔ علی احمد صاحب (رنگون)
۴۔ جنگ بہادر سنگھ صاحب اڈیٹر ٹریبون (لاہور)

یہ بھی طے پایا کہ ان حضرات میں سے جنھوں نے اپنا چندہ رکنیت ادا نہیں کیا ہے، وہ اپنا عہدہ یا رکنیت باقی رکھنے کے لئے زر چندہ جلد سے جلد ادا کر دیں۔

---

۵ جنوری کو جامعہ کے ایک بڑے محسن جناب سیٹھ محمد صاحب دہلی تشریف لائے آپ کو لینے کیلئے اسٹیشن پر جناب ڈاکٹر انصاری صاحب جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب اور کچھ اساتذہ و

مذہب

رمضان اور اسکے روزے

شریعت اسلامی نے اسلام کے پانچ اصول تبلائے ہیں ان میں چوتھا نمبر روزہ کا ہی۔ رمضان ہر سال آتا ہے۔ بچے، بوڑھے اور جوان سب ہی لوگ اسکو مذہب کا ایک ضروری فرض سمجھکر ادا کرتے ہیں لیکن روزے میں کونسی خوبیاں اور کیا کیا فائدے ہیں اس سے عام طور سے لوگ ناواقف ہیں اور وہ بچے بھی جنہوں نے اپنے دینیات کے سبق میں یہ تو پڑھ لیا ہی کہ اسلام کا چوتھا رکن رمضان کے روزے ہیں۔

روزے کے لئے عربی زبان میں صوم کا لفظ آتا ہے جس کے معنی ہیں کسی کام سے رک جانا خواہ وہ کام کھانا ہو یا پینا، لکھنا ہو یا پڑھنا۔ قرآن شریف میں بھی اسی معنی یہ لفظ بعض جگہ استعمال کیا گیا ہی۔ آیت "اِنِّی نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا" ترجمہ۔ میں نے خدا کے لئے گفتگو سے رکجانے کی نذر مانی ہے۔

شریعت میں صوم (روزہ) ایک خاص معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یعنی صبح صادق (طلوع فجر) سے لیکر مغرب تک ارادہ اور نیت کے ساتھ کھانے پینے اور ان چیزوں سے جن سے روزہ باقی نہ رہتا ہو، باز رہنا۔

روزہ کے بہت سے فائدے ہیں ان میں دو فائدے بہت ہی اہم اور بڑے ہیں، اور دونوں ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح ملے ہوئے ہیں جس طرح سورج کے ساتھ روشنی۔

ایک فائدہ تو یہ ہے کہ انسان کا وہ نفس جو اسے برائیوں پر آمادہ کرتا ہے اس میں سکون واطمینان پیدا ہو جاتا ہے اور بری باتوں کی طرف آدمی متوجہ ہی نہیں ہونے پاتا۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ آنکھ، کان اور دوسرے اعضا جو نفس کے اشارے سے خواہشات نفسانی کی طرف بڑھتے ہیں، اب ان غلطیوں سے بچتے ہیں۔

یہاں یہ بھی معلوم کر لینا چاہئے کہ اسکی وجہ کیا ہے؟ سب سے پہلے ایک گر کی بات سمجھ لی جائے تو آسانی ہوگی۔ وہ یہ ہے کہ ہر روحانی رہبر نے خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو اپنے مریدوں اور معتقدوں کو روزہ رکھنے کی ہدایت کی ہے، گو روزہ کی شکلیں مختلف ہوں، وجہ یہ ہے کہ روزہ رکھنے سے ضعف اور سستی پیدا ہو جاتی ہے اور یہ تجربہ میں آچکا ہے کہ بے طاقتی کے عالم میں آدمی کو خود اپنی خبر نہیں رہتی بھلا وہ دوسروں کی کیا خبر لے سکیگا اسلئے

اب نفس ہمارے ان اعضا کو بھی بری باتوں کی طرف نہیں مائل کر سکے گا اور جب ہم بری باتوں سے بچیں گے تو ہماری روح پاکیزہ اور ہمارا دل صاف رہے گا اور اس وقت ہمیں خدا اور اچھی باتوں ہی کا دھیان رہے گا۔ اور انسان کے دنیا میں آنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ وہ خدا کو یاد کرتا رہے۔

عربی کی ایک کہاوت ہی جو دلچسپ بھی ہے اور سبق آموز بھی۔ کہ

"اِذَا جَاعَتِ النَّفْسُ شَبِعَتْ جَمِیْعُ الْاَعْضَاءِ۔ وَاِذَا شَبِعَتْ جَاعَتْ کُلُّھَا۔"

ترجمہ۔ جب نفس (پیٹ) بھوکا ہوتا ہے تو جسم کے تمام اعضا سیر ہوتے ہیں اور جب نفس سیر ہوتا ہے تو پھر تمام اعضا بھوکے ہو جاتے ہیں۔

ہمارے ہاں اردو میں بھی بولتے کہ "جہاں پیٹ میں دانہ گیا تو پھر دونہ کی سوجھنے لگتی ہے"۔ نفس کے بھوکے ہونے کی حالت میں تمام اعضا کی سیری کا یہی مطلب ہی کہ نفس ان کو برائیوں پر آمادہ کرنے نہیں پاتا بلکہ اعضا برائیوں کی طرف سے سیر ہو جاتے ہیں۔ ان میں برائی کرنے کی رغبت باقی نہیں رہتی۔

پھر اس کے بعد آدمی کی کیا حالت ہو جاتی ہے۔ وہ بھی سن لیجئے۔ اعضا کی برائیوں کے جس اثر سے دل میں تاریکی پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ وہ بات تو جاتی رہی بلکہ بجائے اس کے دل پر جلا ہو جاتی ہے اور وہ تمام برائیوں اور کدورتوں سے چھٹکارا پا جاتا ہے۔

چونکہ مسلمانوں کے مذہب میں روزہ کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ اس لئے اسی حیثیت سے اس کے فوائد اور مراتب بھی بہت ہیں۔ صحیح مذہب ہمیشہ دو قسم کے فائدوں کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ ایک دنیا کا، دوسرا آخرت کا۔

(۱) دنیا کا فائدہ تو بالکل ظاہر ہے کہ جب دل کو اطمینان حاصل ہو تو پھر دنیا وی کاروبار سلیقہ اور ترتیب کے ساتھ انجام پاتا ہے۔

(۲) آخرت کا یہ فائدہ ہے کہ ایسا آدمی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمتوں عنایتوں، نوازشوں کا مستحق ہوتا ہے، دنیا میں تو خدا کے فضل سے آرام رہتا ہی ہے۔ مرنے کے بعد بھی چین اور آرام سے رہے گا

(باقی آیندہ)

سائینس

کیوں اور کیسے؟

جاڑوں میں ہمارے منہ سے دھواں کیوں نکلتا ہے؟

تم نے جاڑے میں دیکھا ہوگا کہ صبح کے وقت ہمارے منہ سے دھواں سا نکلتا ہے۔ تم سوال کرسکتے ہو کہ گرمی میں ہم اس کو کیوں نہیں دیکھتے؟

سنو! تم جانتے ہو کہ ہوا ہر جگہ اور ہر وقت موجود رہتی ہے اور ہم لوگ ہر وقت سانس لیتے اور نکالتے ہیں۔ ہم جو سانس باہر نکالتے ہیں وہ گرم ہوتی ہے اور باہر جو ہوا ہوتی ہے وہ اس سے بھی زیادہ گرم ہوتی ہے۔ ہم جو سانس باہر نکالتے ہیں وہ تقریباً ہر موسم اور ہر جگہ تقریباً برابر ہی گرم ہوتی ہے لیکن باہر کی ہوا کی گرمی بدلتی رہتی ہے۔ گرمی میں زیادہ گرم ہوجاتی ہے اور جاڑے میں سرد رہتی ہے۔

ہم لوگ جو سانس نکالتے ہیں وہ دراصل بھاپ ہوتی ہے جیسے پانی گرم کرنے سے بھاپ نکلتی ہے۔ تم جانتے ہو کہ جب بھاپ میں ٹھنڈک لگتی ہے تو وہ پانی کا قطرہ ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ تم نے کیتلی کے ڈھکنے پر دیکھا ہوگا۔

اب جب ہم سانس یا بھاپ نکالتے ہیں، اور باہر کی ہوا گرم ہوتی ہے تو وہ بھاپ پانی کا قطرہ بنکر دھواں سا نہیں بنتی، اس لئے ہم لوگ اس کو نہیں دیکھ سکتے لیکن جاڑے میں جیسے ہی وہ سانس یا بھاپ ہمارے منہ یا ناک سے نکلتی ہے، ہوا کی ٹھنڈک سے پانی کے نہایت چھوٹے چھوٹے قطرے بنجاتی ہے اور ہم کو دھواں سا نکلتا معلوم ہوتا ہے۔

دراصل یہ سانس کا پانی ہے جو ٹھنڈک کی وجہ سے دھواں سا بنجاتا ہے گرمی میں بھی ہماری سانس کے اندر اتنا ہی پانی ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ باہر کی ہوا گرم ہوتی ہے۔ اس لئے وہ دھوئیں کی شکل میں نہیں بدلتی ہے۔ اگر تم ایک آئینہ لو تو اس طرح تم سانس گرمی میں بھی دیکھ لوگے۔

پانی میں بط کیوں نہیں بھیگتی؟

اس کی چند وجوہات ہیں ایک تو یہ کہ بط کے پر بہت موٹے، گھنے، اور چکنے ہوتے ہیں۔ اس کا پر اتنا گھنا ہوتا ہے کہ پانی نہ اس کے اوپر اپنا اثر کرتا ہے اور نہ گھستا ہے۔ اس لئے اس کا بدن بالکل نہیں بھیگتا۔

لیکن یہی نہیں بلکہ ایک بات اور یہ ہے کہ دم کے نزدیک اس کے ایک گلٹی ہوتی ہے اس کا کام یہ ہے کہ وہ ایک قسم کا روغن تیار کرتی رہے۔ اور یہ گلٹی کافی مقدار میں روغن تیار کرتی ہے یہ روغن بط اپنے تمام پروں پر ملتی رہتی ہے۔ جس سے اس کے پر بہت چکنے ہوجاتے ہیں اور یہ عجیب بات ہے کہ تیل اور پانی ملتا نہیں اس وجہ سے بط پر پانی کا اثر نہیں ہوتا

پہاڑ کی بلندی کیسے ناپی جاسکتی ہے؟

بعض بچے بہت تعجب کرتے ہیں جب وہ یہ سنتے ہیں کہ کوہ ایورسٹ ۲۹ ہزار ۲ فیٹ بلند ہے۔ کسی پہاڑ کی بلندی ناپنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک تو ذرا مشکل ہے جسے ہم یہاں لکھنا نہیں چاہتے لیکن دوسرا بہت سہل ہے جو آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ جب کسی پہاڑ کی بلندی ناپنی ہو تو ایک موسمی آلہ ہو جسے انگریزی میں بیرومیٹر کہتے ہیں۔ اس میں پارہ ہوتا ہے جو ہوا کے اثر سے اوپر نیچے چڑھتا اترتا رہتا ہے۔ اس آلے کو لیکر تم پہاڑ پر چڑھ جاؤ۔ جوں جوں تم اوپر چڑھتے جاؤگے، پارہ اسی حساب سے ایک نلکی کے ذریعہ ہٹتا جائیگا۔ نلکی پر درجہ کے نشانات بنے ہوتے ہیں۔ جب کچھ اوپر تم چڑھ چکو، اس وقت دیکھو کہ پارہ کس درجہ سے کس درجہ پر پہنچا اور پہاڑ کی بلندی کتنی ہے۔

جغرافیہ

دنیا کی مختلف نسلیں کیسے بنیں؟

اپنے کسی گذشتہ خط میں میں نے عہد حجری کے لوگوں کا ذکر کیا تھا جو خاصکر جھیل کے سے مقامات میں رہا کرتے تھے۔ میں نے یہ بھی بتایا تھا کہ انھوں نے کس طریقہ سے ترقی کی۔ انھوں نے کاشتکاری کا طریقہ معلوم کیا اور انھوں نے یہ بھی حاصل کیا کہ کھانا کس طرح پکایا جاتا ہے اور جانور کیونکر پالتو بنائے جا سکتے ہیں۔ یہ ہزارہا سال پہلے کا قصہ ہے اور ہمیں ان کے بارے میں کچھ بہت زیادہ علم نہیں۔ لیکن آج دنیا میں جتنی نسلیں نظر آتی ہیں؛ وہ غالباً سب کی سب انھی سے نکلی ہوئی ہیں۔ آج ہمکو دنیا میں گورے رنگ کے لوگ، زرد رنگ کے لوگ، گندمی اور کالے رنگ کے لوگ نظر آتے ہیں، لیکن حقیقت میں ہم دنیا کی تمام نسلوں کو انہی چار رنگوں میں تقسیم نہیں کر سکتے ہیں۔ تمام نسلیں باہم مل جل گئی ہیں اور اب یہ پتہ لگانا ذرا دشوار ہے کہ کونسی قوم کس رنگ کی نسل سے تعلق رکھتی ہے اس فن کے ماہرین سروں کو ناپتے ہیں اور اس طریقہ سے معلوم کرتے ہیں کہ کونسی قوم کس نسل سے تعلق رکھتی ہے، اس کے علاوہ اور طریقے بھی اسکو معلوم کرنیکے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ یہ مختلف نسلیں کیسے پیدا ہوئیں؟ اگر یہ سب ایک ہی نسل سے نہیں ہیں تو پھر ان میں باہم اس درجہ اختلاف کیوں ہیں؟ تم جانتی ہو کہ ایک جرمن ایک حبشی سے بالکل مختلف ہوتا ہے جرمن اگر گورے رنگ کا ہوتا ہے تو حبشی کالے رنگ کا۔ جرمن کے بال ذرا ہلکے سیاہ اور بہت لمبے ہوتے ہیں برعکس اس کے حبشیوں کے بال بہت سیاہ اور گھونگھر دار ہوتے ہیں۔ چینی ان دونوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ یہ بتانا ذرا مشکل ہے کہ یہ فرق کیسے پیدا ہوا لیکن بعض اسباب معلوم بھی کئے جا سکتے ہیں۔ میں اس سے پہلے بتا چکا ہوں کہ جانور جب اپنے ماحول کا اثر قبول کرتے گئے تو کس طرح ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہوتے گئے۔ یہ ممکن ہے کہ اس وقت جرمن اور حبشی دو تو دو مختلف نسلوں سے تعلق رکھتے ہوں لیکن اب سے پہلے ان دونوں کے آباؤ اجداد ایک ہی رہے ہونگے۔ اس وقت دونوں قوموں میں جو اختلاف ہے، وہ زمانہ اور ماحول کے باعث ہو اور ان میں سے بعض نے دوسرے کی نسبت کسی قدر جلد اثر قبول کیا ہو جس طرح بعض جانوروں نے کیا ہے۔

ایک شخص جو شمال کے برفستانی علاقہ میں رہتا ہے، وہ سردی کے برداشت کرنے کی زیادہ طاقت رکھتا ہے۔ اسکیمو لوگ آج بھی برف کے میدانوں میں رہتے ہیں اور وہ ہم سے کہیں زیادہ سخت سردی برداشت کر سکتے ہیں۔ وہ اگر ہمارے جیسے گرم خطے میں آئیں تو غالباً مر جائیں۔ اور وہ چونکہ دنیا کے اور حصوں سے بالکل الگ تھلگ رہے ہیں اور انھیں بہت سخت زندگی بسر کرنی پڑتی ہے، اس لئے انھوں نے وہ سب باتیں حاصل نہیں کیں جو دوسرے ملکوں کو حاصل ہیں۔ جو لوگ خط استوا کے قریب رہتے ہیں، جہاں بہت سخت گرمی پڑتی ہے، وہ اس گرمی کے عادی ہو جاتے ہیں اور آفتاب کی سخت گرمی ان کے رنگ کو سیاہ کر دیتی ہے تمہیں معلوم ہے کہ اگر تم کچھ عرصہ تک دھوپ میں رہو سہو تو تمہارا رنگ پہلے کی بہ نسبت گندمی ہو جائیگا۔ اگر تھوڑے عرصہ دھوپ میں رہنے کا یہ اثر ہے تو پھر ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو ہمیشہ سے ایسی حالت میں رہتے سہتے چلے آئے ہیں۔ اور اگر سینکڑوں سال سے کوئی قوم کی قوم ایسے گرم ملک میں رہتی سہتی ہے تو وہ اور بھی سیاہ فام ہو جائے گی۔ تم نے ہندوستان میں کسانوں کو عین دوپہر کے وقت کھیتوں میں کام کرتے دیکھا ہوگا۔ وہ بچارے اتنے غریب ہوتے ہیں کہ جسم پر کوئی کپڑا بھی نہیں ہوتا ان کا تمام جسم دھوپ میں تپتا رہتا ہے اور اسی حالت میں ان کی زندگی گذر جاتی ہے، پھر وہ رنگ کے کالے نہ ہوں تو اور کون ہوں!

غرض تم نے دیکھ لیا ہوگا کہ لوگوں کے رنگ کا سفید یا سیاہ ہونا آب و ہوا کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس سے کسی شخص کی قابلیت، نیکی یا خوبصورتی کا کوئی تعلق نہیں ہے، ایک سفید رنگ کا آدمی جو کسی گرم ملک میں رہتا ہو، وہ گندمی رنگ کا ہو جائیگا بشرطیکہ وہ خس کی ٹٹیوں اور پنکھوں کی آڑ نہ لے۔ تم جانتی ہو کہ ہم لوگ کشمیری ہیں اور دو سو سال سے زیادہ عرصہ ہوا کہ ہمارے باپ دادا کشمیر میں رہتے تھے۔ کشمیر میں تم نے ہر شخص کو خواہ وہ کسان ہو یا مزدور، صاف رنگ کا دیکھا ہوگا۔ اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ کشمیر کی آب و ہوا سرد ہے

لیکن یہی کشمیری جب ہندوستان کے ایسے حصوں میں رہنے لگتے ہیں، جو نسبتاً گرم ہیں تو چند پشتوں کے بعد ان کا رنگ گندمی ہونے لگتا ہے۔ ہمارے بعض کشمیری لال رنگ کے صاف اور بعض بالکل کالے ہیں۔ جتنا عرصہ کوئی کشمیری خاندان ان گرم حصوں میں رہا ہے، اسی قدر اس کا رنگ سیاہ ہوتا گیا ہے۔

لہٰذا آب و ہوا رنگ کی تبدیلی کا سب سے بڑا سبب ہے گو یہ بھی صحیح ہے کہ بعض لوگ جو کسی گرم ملک میں رہتے ہیں لیکن وہ کھلے میدانوں میں کام نہیں کرتے اور وہ اس قدر امیر ہوتے ہیں کہ بڑے بڑے مکانات میں رہتے ہیں اور اپنے رنگ و روپ کو باقی رکھنے کا پورا خیال رکھتے ہیں۔ ایک دولتمند خاندان اس طرح کئی پشتوں تک رہے اور پھر بھی اس پر آب و ہوا کا کچھ بہت زیادہ اثر نہ ہوگا لیکن محنت نہ کرنا اور دوسرے کی محنت کی کمائی کھانا یہ کوئی قابل فخر بات نہیں ہے۔

ہندوستان میں تم نے دیکھا ہوگا کہ شمال میں کشمیر اور پنجاب کے لوگ عموماً صاف رنگ کے ہوتے ہیں لیکن جوں جوں تم جنوب کی طرف جاؤ، لوگ کالے ہوتے جائیں گے مدراس اور سیلون میں تم نے دیکھا ہوگا کہ لوگ بالکل سیاہ فام ہوتے ہیں۔ بے شک تم کہہ سکتی ہو کہ یہ آب و ہوا کا اثر ہے، اس لئے کہ جتنا تم جنوب کی جانب جاؤ گی اسی قدر تم خطِ استوا سے قریب ہوتی جاؤ گی اور گرمی زیادہ ہوتی جائیگی۔ یہ بالکل صحیح ہے اور ہندوستان کے مختلف حصوں میں لوگوں کے رنگوں میں جو اس قدر اختلاف ہے، اس کا یہ بہت بڑا سبب ہے۔ آگے چلکر ہم دیکھینگے کہ اس اختلاف کا ایک سبب اور بھی ہے اور وہ یہ کہ اصل میں یہاں مختلف رنگ کی نسلیں بھی آئیں گزشتہ زمانوں میں ہندوستان میں بہت سی نسلوں کے لوگ آئے اور شروع شروع میں اگرچہ انھوں نے اپنے کو بالکل الگ تھلگ رکھنا چاہا لیکن وہ زیادہ عرصہ تک الگ نہ رہ سکے۔ اب یہ کہنا دشوار ہے کہ ہندوستان میں فلاں شخص فلاں خاص نسل سے تعلق رکھتا ہے۔

سکندر اعظم

سکندر اعظم یونان کے مشہور شہر مقدونیہ میں پیدا ہوا۔ اُس کا باپ فیلقوس وہاں کا حاکم اور شاہان ایران کا باجگزار تھا۔ سکندر بچپن ہی سے نہایت شوخ طبع اور من چلا تھا۔ اور اسے اتالیق بھی ایسا ملا تھا جسکی شہرت کا سکہ تمام دنیا میں بیٹھا ہوا تھا۔ بھلا جس کو ابو العلم ارسطو جیسا اُستاد ملے، وہ دنیا میں کیونکر ترقی نہ کرے۔ ارسطو کی تعلیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ بچپن ہی سے سکندر کے دل میں تمام دنیا فتح کرنے کی خواہش پیدا ہوگئی۔ اور جب وہ بڑا ہوا تو اُس نے اپنی اس خواہش کو پورا کرکے چھوڑا۔

اس کے بچپن کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ مقدونیہ میں چند سوداگر گھوڑے فروخت کرنے کے لئے لائے۔ ان میں ایک ایسا گھوڑا تھا جو کسی کو اپنے اوپر سوار ہونے نہیں دیتا تھا۔ اور سوداگروں نے اعلان کر دیا تھا کہ جو شخص اس گھوڑے پر سوار ہوگا اسکو یہ گھوڑا بطور انعام دے دینگے۔ بہت سے چابکدست شہسواروں نے کوشش کی لیکن کسی کو کامیابی نہ ہوئی۔ آخر سکندر بھی باپ سے اجازت لیکر گھوڑے پر سوار ہونے کو آیا۔ اسکو معلوم ہو چکا تھا کہ گھوڑا اپنے سایہ سے بدکتا ہے۔ اُس نے گھوڑے کا منہ تو سورج کی طرف کیا اور جھٹ سے سوار ہوگیا۔

اُس کا سوار ہونا ہی تھا کہ گھوڑا سرپٹ بھاگا۔ تمام لوگ پریشان تھے اور اُس کی صحیح سلامت واپسی کی دعائیں مانگ رہے تھے کہ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ سکندر واپس آ رہا ہے گھوڑا سرتاپا پسینہ میں شرابور ہے۔ اور وہ نہایت آرام سے اُس پر بیٹھا ہوا ہے۔ فیلقوس نے فرط محبت سے بچے کو تھپکی دی اور بہت سارا روپیہ اُس کے سر پر سے نچھاور کیا۔ اس واقعہ سے سکندر کی شہرت دور دور پھیل گئی۔

جب شاہ فیلقوس فوت ہوا تو اُس کی جگہ سکندر یونان کا بادشاہ ہوا۔ دارا شاہ ایران نے حسب دستور سکندر سے بھی خراج مانگا لیکن سکندر نے صاف جواب دیدیا اور کہا کہ وہ مرغی مرگئی ہے جو سونے کا انڈا دیا کرتی تھی۔ اس سے بظاہر یہ بھی مطلب تھا کہ اب شاہ یونان اتنا کمزور نہیں کہ شاہ ایران سے دب کر رہے اور اُسے خراج دیا کرے۔

دارا کو اس دنداں شکن جواب پر بہت غصہ آیا اور اُس نے یونان پر چڑھائی کر دی لیکن سکندر اس سے کب دبنے والا تھا۔ اُس نے خوب جوانمردی سے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ایرانی سپاہ کو شکست فاش دی۔ دارا لڑائی میں کام آیا اور سکندر ایران کا بادشاہ ہوگیا۔ اور اس کے بعد افغانستان و ہندوستان کو فتح کیا اور یونان کو واپس لوٹا تو راستہ میں بابل کے مقام پر چار دن بیمار رہ کر وفات پائی۔

نظم

سردی کی آمد

ٹھنڈی رُت جب سے دنیا میں آئی
ہے اُداسی درختوں پہ چھائی

دیکھو پتوں کو لاچار سے ہیں
پیلے پیلے وہ بیمار سے ہیں

چند دن میں وہ جھڑ جائینگے اب
ٹُھنٹ ہو جائینگی ڈالیاں سب

ننگے ہوں گے بس اب پیڑ سارے
جیسے بیکس ہوں آفت کے مارے

موتیا ہو گا اب اور نہ بیلا
اب بنفشہ رہے گا اکیلا

یا گلاب اور گیندا کھلے گا
سنترہ اور شریفہ ملے گا

کمرکھ، امرود، انار اور بھی، سیب
انکے کھانے سے بھاگے گا آسیب

گوبھی، شلغم، چقندر، ٹماٹر
سیم، آلو، مٹر اور گاجر

سبزیاں یہ اور ان کے علاوہ
ایک سے ایک ہوں گی زیادہ

پک گئی ایکھ، گنّے کھڑے ہیں
بوئے لوگوں نے جو اور چنے ہیں

ہوں گے بادام، کاجو اور اخروٹ
خشک میووں پہ جائیگا دل لوٹ

خوب موسم ہے سردی کا نیّر
ہوتے میوے ہیں بہتر سے بہتر

قصے کہانیاں

تین سوال

ایک بادشاہ تھا، اس کے جی میں تین باتیں ایں کہ (۱) اگر وہ ہر کام کے لئے پہلے اس کا صحیح وقت معلوم کر سکتا۔ (۲) وہ کون سے اچھے لوگ ہیں جو زیادہ توجہ کے مستحق ہیں اور وہ کون سے ہیں جن سے دور رہنا چاہئے (۳) وقت کا وہ کونسا کام ہے جو زیادہ اہم ہے اور جس کی طرف سب سے پہلے متوجہ ہونا چاہیے تو وہ کبھی دنیا کی کسی چیز میں ناکام نہ ہوتا۔

اس خیال کا آنا تھا کہ اس نے اپنی سلطنت میں یہ اعلان کرا دیا کہ جو شخص اس کے ان تینوں سوالوں کا صحیح صحیح جواب دیگا وہ زر و جواہرات سے مالا مال کر دیا جائے گا۔ پہلا سوال یہ ہے کہ ہر کام کے لئے کون سا وقت سب سے زیادہ مناسب ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ کون سے لوگ ہیں جو زیادہ ضروری اور اہم ہو سکتے ہیں۔ اور تیسرا سوال یہ ہے کہ وہ کون سی سب سے اہم چیز ہے جس کو سب سے پہلے کرنا چاہیئے۔

انعام و اکرام کے لالچ میں وقت کے بڑے بڑے عالم و فاضل بادشاہ کے حضور میں آئے اور اپنے اپنے جوابات دئے لیکن وہ جوابات بہت زیادہ ایک دوسرے سے مخالف تھے۔ پہلے سوال کے جواب میں بعض لوگوں نے کہا کہ ہر کام کو اس کے صحیح وقت پر انجام دینے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے سے اوقات ہر کام کے لئے تقسیم ہوں اور نہایت پابندی کے ساتھ وہ کام اسی وقت کیا جائے۔ بعضوں نے کہا کہ یہ فیصلہ کرنا کہ کون سا وقت کس کام کے لئے زیادہ مناسب ہے ایک شخص کے بس سے باہر ہے اس کے لئے ضروری یہی ایک طریقہ ہو سکتا ہے کہ زمانے کے باعلم اور باخبر حضرات کی ایک مجلس ہو جس کے زیر ہدایت ہر کام انجام پائے۔ ایک تیسری جماعت بھی تھی جس کا خیال ان دونوں کے علاوہ تھا اس نے کہا کہ صحیح وقت کا علم اس دنیا میں صرف ایک ہی گروہ کو ہے اور وہ ساحروں کا ہے اس لئے اگر کسی شخص کو اپنا ہر کام اس کے ٹھیک وقت پر انجام دینا ہے تو ساحروں کو اپنا مشیر بنائے ورنہ اس قسم کا خیال کرنا ہی جنون ہے۔

دوسرے سوال کے جواب میں بعضوں نے کہا کہ بادشاہ کو جن لوگوں کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے وہ اس کے مشیر ہیں، کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے مذہبی پیشواؤں کو سلطنت کے زیادہ اہم اجزا قرار دیئے اور کسی کسی نے ڈاکٹروں اور حکیموں کا نام لیا غرضکہ جتنے منہ اتنی باتیں تھیں۔

تیسرے سوال کے جواب میں کہ وہ دنیا کی کونسی سب سے زیادہ اہم چیز ہے جس کو کرنا چاہیئے۔ کسی نے کہا کہ سائنس۔ کسی نے بتایا کہ فن جنگ سے واقفیت، بعضوں نے کہا کہ نہیں سب سے زیادہ بہتر اور دنیا کی اہم ترین چیز خدا کی عبادت ہے۔ تمام جوابوں میں کسی ایک جواب سے بھی بادشاہ کو تسلی نہ ہوئی اس لئے کسی کو ایک حبہ نہ ملا۔ اور اب دن رات اسی فکر میں رہنے لگا کہ کاش کسی ایسے شخص کا پتہ لگتا جو اپنے جوابات سے اس کو مطمئن کر سکتا۔ بالآخر اس کو ایک ایسے فقیر کا حال معلوم ہوا جو اپنی ذہانت اور ذکاوت میں دور دور تک مشہور تھا، تمام لوگ اس کے پاس آتے اور اپنا مدعا پیش کرتے جو حصولِ مقصد کے بعد خوش خوش اپنے گھروں کو واپس جاتے تھے، بادشاہ اپنے جوابات کے معلوم کرنے کے لئے بیچین تو تھا ہی فوراً فقیر کے پاس جانے کا ارادہ کر لیا۔

وہ فقیر ایک جنگل میں رہتا تھا، اور غریبوں ہی سے ملنا جلنا زیادہ پسند کرتا تھا۔ اس لئے بادشاہ معمولی کپڑے پہن گھوڑے پر سوار ہو کر جنگل کی طرف روانہ ہوا جب اس فقیر کا جھونپڑا قریب رہ گیا تو گھوڑا اپنے اردلی کو دے کر پا پیادہ چلا۔ جب بادشاہ جھونپڑے کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ فقیر زمین کھودنے میں مشغول ہے اور وہ اپنی اس محنت کی وجہ سے بہت زیادہ تھک بھی چکا ہے فقیر کو دیکھتے ہی اس نے اپنے تینوں سوالات اس کی خدمت میں پیش کئے اور جواب کا طالب ہوا۔ فقیر نے سوالات سنے لیکن ایک کا بھی جواب نہ دیا اور برابر زمین کھودتا رہا۔ بادشاہ نے فقیر کو تھکا ہوا دیکھکر پھاوڑا اس کے ہاتھ سے لے لیا اور خود کھودنا شروع کیا، فقیر نے اس کے اس نیک ارادہ پر شکریہ ادا کیا اور بیٹھکر سستانے لگا۔

بادشاہ تقریباً دو کیاریاں کھود چکا تھا کہ پھر اپنے سوالات دُہرائے لیکن

اس مرتبہ بھی اسکو کوئی جواب نہ ملا۔ اب فقیر اٹھا اور بادشاہ سے کہا کہ آپ زمین کا کافی حصہ کھود چکے ہیں تھوڑی دیر آرام کیجئے اور پھاوڑا مجھے دے دیجئے لیکن بادشاہ نے دینے سے انکار کیا اور برابر زمین کھودتا رہا۔ ایک دو گھنٹے کی لگاتار کوششوں کے بعد ایک مرتبہ پھر اس نے جوابات حاصل کرنے کی کوشش کی، بادشاہ نے کہا "اے نیک دل اور عقلمند شخص! میں تیرے پاس صرف انہیں جوابات کی تمنا میں آیا ہوں اگر تو دے سکتا ہے تو دے ورنہ مجھے اجازت دے تاکہ شام ہو رہی ہے میں گھر واپس چلا جاؤں۔"

بادشاہ کے یہ جملے ابھی ختم نہ ہونے پائے تھے کہ فقیر نے گھبرا کر کہا کہ دیکھو! وہ کون شخص ہے جو ہماری طرف دوڑتا ہوا چلا آرہا ہے۔ بادشاہ نے جو نظر اٹھائی تو دیکھا کہ ایک زخمی شخص جنگل کی طرف بھاگتا ہوا چلا آرہا ہے پیٹ پر اسکا ہاتھ ہے اور خون کا فوارہ اس کے جسم سے جاری ہے اور جوں ہی کہ وہ انکے قریب پہنچا غش کھاکر زمین پر گر پڑا۔ بادشاہ اور فقیر دونوں اس کی یہ حالت دیکھکر اسے ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگے۔

بادشاہ نے اس کے زخم کو اچھی طرح سے دھویا اور اپنے رومال سے اس کی پٹی باندھی لیکن اس کے باوجود خون کی روانی میں کوئی کمی نہ آئی، اس لئے دوبارہ دھویا اور ایک خوب کسکر پٹی باندھی اور اس مرتبہ خون کی روانی بند ہوگئی۔ پانی کا اشارہ پاکر بادشاہ نے اسے پانی لاکر دیا۔ اتنے میں شام ہوگئی اور سورج غروب ہوگیا۔ بادشاہ اور فقیر دونوں ملکر اسے جھونپڑے میں لے گئے اور وہاں اسے لٹا دیا۔ بادشاہ جو اس قسم کی محنت کا عادی نہ تھا یکبارگی اتنی محنت کرنے کی وجہ سے تھک کر چور چور ہوگیا تھا۔ فرش پر پڑتے ہی گہری نیند میں سوگیا۔ صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو سب سے پہلی آواز جو اس کے کان میں پڑی وہ یہ تھی کہ "مجھے معاف کرو" یہ آواز اس زخمی کی تھی جس کی بادشاہ اور فقیر نے اپنی ہمدردی اور محبت سے جان بچائی تھی۔ بادشاہ کو اس آواز پر بڑا اچنبھا ہوا وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ اجنبی شخص اس سے اس قسم کا مطالبہ کیوں کر رہا ہے؟ اس لئے بادشاہ نے اس شخص سے پوچھا کہ تمہارے اس کہنے کا کیا مقصد ہے، اس اجنبی شخص نے جواب دیا کہ اے بادشاہ تو مجھے نہیں پہچانتا لیکن میں تجھے خوب جانتا ہوں۔ میں تیرا ایک قدیم دشمن ہوں میں نے تیرے قتل کا ارادہ کیا تھا اس لئے کہ تو نے میرے بھائی کو پھانسی دی تھی اور اس کی جائداد ضبط کر لی تھی، کل جب تو گھر سے چلا ہے، میں اسی برے ارادہ سے تیرے پیچھے نکلا تھا، میرا خیال تھا کہ جب تو شام کو واپس ہوگا تو تاریکی میں تیرے قتل کا اچھا موقعہ ہاتھ آئے گا، چنانچہ شام کو یہ سمجھکر کہ تیری واپسی کا وقت قریب ہے، راستے کے قریب آیا ہی تھا کہ تیرے سپاہیوں نے جو مجھ سے اچھی طرح واقف تھے، مجھے دیکھکر حملہ کیا اور مجھکو اس بری حالت میں پہنچا دیا، اب اپنے اس گناہ عظیم پر توبہ کرتا ہوں اور نادم ہوں یہ سوچکر کہ ایک میں ہوں جو تجھے کو قتل کرنے آیا تھا اور ایک تو ہے جس نے مجھ پر ایسا زبردست احسان کیا، اس لئے اب تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ جب تک میں زندہ رہوں گا، میں اور میری آل اولاد تیری ہمیشہ کے لئے غلام ہوگی، کاش تو اسے قبول کرلے!

"اے بادشاہ میرے گناہ کو معاف کر!" اس شخص نے پھر ایک بار کہا بادشاہ اپنے ایک قدیم دشمن پر اپنے اس احسان سے اور پھر دائمی صلح پر بہت خوش ہوا۔ اپنا ملازم اس کی خدمت کے لئے اور اپنا خاص ڈاکٹر اس کے علاج کے لئے بھیجنے کا وعدہ کیا اور نیز یہ بھی کہا کہ اس کی وہ جائداد جس کو اس نے ضبط کر کے بہت سے دلوں کو مجروح کیا ہے مکان پر پہنچتے ہی واپسی کا حکم نافذ کر دے گا۔

ان الفاظ کے بعد بادشاہ اس سے رخصت ہوا اور چلتے چلتے ایک آخری کوشش کے لئے فقیر کے پاس گیا۔ فقیر اس وقت انہیں کیاریوں میں جن کو گذشتہ دن کھود چکا تھا، بیج بو رہا تھا۔ بادشاہ نے کہا کہ "بابا! مجھ پر رحم کر اور میرے سوالوں کا جواب دے" فقیر نے کہا کہ تجھے اپنے سوالوں کا جواب تو مل گیا۔

بادشاہ فقیر کی اس گفتگو سے متحیر ہوا، پوچھا کہ بھلے آدمی تیرے اس کہنے کا کیا مقصد ہے؟ مجھے کب اور کس طرح جواب ملا؟ فقیر نے کہا کہ کیا تو نے نہیں سمجھا؟ اچھا میں تجھے سمجھائے دیتا ہوں "یہ کہکر اس نے یوں گفتگو شروع کی۔

"اگر تو نے کل مجھ پر رحم نہ کھایا ہوتا اور زمین کے کھودنے میں مشغول نہ ہوتا بلکہ گھر واپس چلا جاتا تو یقین تھا کہ وہ تجھ پر حملہ کرتا اور تجھے افسوس کرنا پڑتا کہ ہائے میں کیوں فقیر کے ہاں ٹھہر نہ گیا اس لئے وقت کا وہ حصہ جس کو تو... زمین کے کھودنے میں صرف کر رہا تھا سب سے اہم تھا، اور میں تیرے لئے ضروری آدمی تھا اور مجھ پر رحم کھانا تیرا سب سے زیادہ بڑا اشغلہ تھا

دنیا کا سب سے بڑا موجد

بچو! تم نے اکثر دولتمندوں کی کہانیاں سنی ہونگی۔ لیکن آج ہم تم کو ایک ایسے مشہور ترین دولتمند اور موجد کا حال سناتے ہیں جس نے ایک ادنےٰ درجے سے ترقی کی اور آخر دنیا کے مشہور ترین آدمیوں میں شمار ہونے لگا۔

ایڈیسن امریکہ کے ایک قصبے میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ ایک نہایت مفلس آدمی تھا۔ ابھی یہ کم عمر ہی تھا کہ اس کا باپ فوت ہوگیا اور مجبوراً اُسے اپنی روزی کی فکر کرنی پڑی۔ یہ شروع شروع میں اخباروں کا ایجنٹ ہوگیا اور اس کے سپرد یہ کام تھا کہ ریل گاڑیوں پر اخبارات فروخت کیا کرے۔ جب اس کے پاس کچھ روپیہ جمع ہوگیا تو اُس نے ایک چھوٹا سا ہاتھ پریس خرید لیا اور اپنا ذاتی اخبار نکالنے لگا جس میں زیادہ تر گاڑیوں کے آنے جانے کا وقت اور مسافروں کے حالات درج ہوتے تھے۔ لیکن یہ کام بھی زیادہ دنوں تک نہ چل سکا۔ ایک دن یہ کچھ جلا رہا تھا کہ کمرے کو آگ لگ گئی اور تمام گاڑی جل گئی۔ افسروں نے اسے وہاں سے نکال دیا اور یہ پریشان اِدھر اُدھر پھرنے لگا۔

اتفاقاً اسی زمانہ میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے اس کی بعد کی کامیابیوں کا دروازہ کھول دیا۔ ایک دن یہ لائن کے پاس کھڑا تھا۔ سامنے سے گاڑی آ رہی تھی۔ تھوڑی دیر میں جب گاڑی بالکل قریب آگئی تو اسے معلوم ہوا کہ لائن پر ایک بچہ کھیل رہا ہے۔ اس نے اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جھٹ سے بچہ کو اُٹھا لیا۔ اتفاق سے یہ بچہ وہاں کے اسٹیشن ماسٹر کا تھا۔ وہ اس واقعہ سے اتنا خوش ہوا کہ اُس نے ایڈیسن کو تار کا کام سکھا دیا اور پھر خود ہی اُس کی سفارش کرکے اُسے اسسٹنٹ تار بابو کی جگہ بھی دلا دی۔

اس زمانہ میں ایک مشہور کارخانے کی ایک مشین خراب ہوگئی کارخانے کے مالک نے ایک بہت بڑے انعام کا اعلان کیا بہت سے قابل انجینیروں نے انعام حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام آئے۔ اتفاقاً ایڈیسن مشین کو درست کرنے میں کامیاب ہوگیا اور انعام حاصل کیا۔ مالکِ کارخانہ نے اب اس کو اپنا حصہ دار بنا لیا ایڈیسن کو اب اپنی قابلیت دکھانے کا موقعہ ملا اس نے پے در پے نئی نئی چیزیں نکالنی شروع کیں۔ اور آہستہ آہستہ اس کی شہرت بھی پھیلتی گئی۔ آخر متعدد سالوں کی محنت کے بعد اس نے بجلی اور گراموفون ایجاد کئے جن کی وجہ سے اس کا نام بچہ بچہ کی زبان پر مشہور ہوگیا۔ اور اسے "دنیا کا موجدِ اعظم" کا خطاب دیا گیا۔ اس کے بعد ایڈیسن نے اور بھی چیزیں ایجاد کیں اور یہ سلسلہ ابھی تک ختم نہیں ہوا۔ لیکن اس کی باقی ماندہ ایجادیں متذکرہ بالا دو ایجادوں کو نہیں پہنچیں۔

بقیہ صفحہ (۱۲)

اور اسی طرح سے اس کے بعد جبکہ اجنبی شخص دوڑتا ہوا آیا سب سے زیادہ اہم وقت وہ تھا جب کہ تو اس کی پٹی باندھنے میں مشغول تھا، کیونکہ اگر تو ایسا نہ کرتا تو وہ شخص بغیر تجھ سے صلح کئے ہوئے دنیا سے سدھار جاتا، اس لئے وہ اجنبی شخص تیرے لئے سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے، اور تیرا پٹی باندھنے کا کام سب سے زیادہ اہم کام تھا۔

"اس لئے اے بادشاہ یاد رکھ کہ انسان کے لئے زمانۂ حال ہی وقت کا سب سے زیادہ قیمتی حصہ ہے، اس لئے کہ انسان اگر وقت کے کسی حصہ پر قابو پا سکتا ہے تو وہ یہی زمانہ ہے اور وہ شخص جو سب سے زیادہ اپنے قریب ہو، وہی اس کے لئے سب سے بڑا اور اہم انسان ہے اس لئے کہ نہیں معلوم اس کے بعد بھی کوئی ایسا شخص ہو سکتا ہے یا نہیں جس سے کسی قسم کا معاملہ کیا جا سکے"۔

پڑھو اور ہنسو

نادان بھائی

کاتب صاحب:۔ (اپنے چھوٹے بھائی سے) میاں اچھو! ذرا یہ پیالی لینا اور ادلنی سے تھوڑا بارش کا پانی اس میں لے آنا۔

اچھو:۔ نہیں بھیا میں باہر نہیں جا سکتا۔ بارش ہو رہی ہے۔

ننھا بچہ

لڑکا:۔ ڈاکٹر صاحب! مجھے گولیوں کا ایک بکس اور چاہیئے۔

ڈاکٹر صاحب:۔ (چونک کر) کیا ان سے فائدہ ہو رہا ہے؟

لڑکا:۔ نہیں ڈاکٹر صاحب! یہ میری ہوائی بندوق کے لئے چھروں کا بہت اچھا کام دیتی ہیں۔

بھولا لڑکا

شکاری:۔ (ایک لڑکے سے) میاں صاحبزادے! تم نے ادھر سے کسی خرگوش کو بھاگتے ہوا دیکھا ہے؟

لڑکا:۔ خرگوش! وہ بڑے بڑے کانوں والا!!

شکاری:۔ ہاں ہاں، وہی بتاؤ کدھر گیا؟

لڑکا:۔ میں نے دیکھا تو نہیں لیکن میں سمجھ گیا کہ وہ خرگوش کیسا تھا۔

بیوقوف تیراک

ایک صاحب:۔ (ایک تیراک سے) کیا تم یہ دریا پار کر سکتے ہو؟

تیراک:۔ جی ہاں، میں نے ایک بار کوشش تو کی تھی لیکن کامیاب نہ ہوا۔

صاحب:۔ وہ کیسے؟

تیراک:۔ میں تقریباً تین چوتھائی حصہ پار کر چکا تھا لیکن اسوقت مجھے خیال آیا کہ میں پار نہیں پہنچ سکتا اسلئے پھر واپس لوٹ آیا۔

بدحواس لڑکا

اُستاد:۔ (ایک نٹ کھٹ لڑکے سے) احمد! تم اِدھر اُدھر کیا تلاش کرتے پھر رہے ہو؟

لڑکا:۔ ہاکی کھو گئی، ڈھونڈھ رہا ہوں، نہیں ملتی ہے۔

اُستاد:۔ میں نے تم سے کئی بار کہا کہ ہر چیز کی ایک جگہ ہوتی ہے۔

لڑکا:۔ جناب! اُسے بھی تلاش کیا تھا، نہیں ملی۔

بیوقوف لڑکا

اُستاد کسی بہادر شخص کا قصہ درجہ میں پڑھکر سنا رہا تھا کہ وہ اپنی جوانی کے زمانہ میں تین بار دریا کو پار کر سکتا تھا۔ ایک لڑکا یہ سنکر چپکا ہنس رہا تھا کہ اُستاد نے دیکھ لیا اور ڈانٹ کر پوچھا کہ "سنتے نہیں؟ کیوں ہنس رہے ہو؟"

لڑکا آہستہ سے بولا کہ جناب مجھے اس کی بیوقوفی پر ہنسی آ رہی ہے کہ وہ تیسری بار کیوں دریا کو پار کرنے کی کوشش کرتا تھا جبکہ وہ جانتا تھا کہ اس کے کپڑے وغیرہ سب دریا کے اِسی طرف رہ جائینگے۔

نادان طالب علم

ایک بار کسی جماعت میں مچھلیوں کے متعلق ذکر ہو رہا تھا جب پورا بیان ہو چکا تو اُستاد نے لڑکوں سے کہا کہ اچھا اب اس پر ایک مضمون لکھ کر لے آؤ۔ دوسرے دن ایک لڑکے نے اپنی کاپی پیش کی جس میں اس نے لکھا تھا کہ "بعض بڑی بڑی مچھلیاں چھوٹی چھوٹی مچھلیوں کو نگل جاتی ہیں، لیکن میں یہ نہیں سمجھتا کہ وہ ڈبے کیونکر کھول لیتی ہونگی"۔

علمی جواہر ریزے



ہندوستان بھر میں

عمدہ، مضبوط، دیرپا، خوبصورت، نفیس اور نسبتاً ارزاں قیمت سامان کھیل مہیا کرنیوالا واحد کارخانہ

ملک اینڈ کمپنی رجسٹرڈ شہر سیالکوٹ کو یاد رکھیں

اگر آپ کو

یا آپکے دوست احباب کو کسی قسم کا سامان کھیل مثلاً کرکٹ، فٹ بال، والی بال، ہاکی، ٹینس، بیڈمنٹن وغیرہ کی ضرورت ہو تو ہمیشہ براہ راست اسکولوں کے خاص دیرینہ خادم کارخانہ ملک اینڈ کمپنی رجسٹرڈ شہر سیالکوٹ کو لکھیں

ہمارا سامان ہاکی

اپنی خوبی، عمدگی، مضبوطی اور نسبتاً ارزاں ہونیکی وجہ سے ثابت مقبول ہو چکا ہے جوں جوں شوقین کھیل کلبوں کے سکرٹری اور اسکولوں کے ہیڈ ماسٹر صاحبان بطور آزمائش منگاتے ہیں اسکی عمدگی مضبوطی اور نفاست کو دیکھ کر شیدا ہوئے جاتے ہیں، چنانچہ بھی ہمارا سامان ہاکی اکثر بطور آزمائش کے منگایا گیا، انہوں نے روزمرہ کی پریکٹس اور مقابلے کے میچوں میں حسب خواہش عمدہ اور مضبوط پاکر اعلیٰ سے اعلیٰ سرٹیفکیٹ دئے اور بڑے بڑے آرڈروں سے مستفید فرمانے اور کارخانہ کے مستقل خریدار بننے کے علاوہ کمپنی کے

ہمارا سامان کھیل

عرصہ گیارہ سال سے مستقل طور پر ہندوستان بھر کے اسکولوں، کالجوں، رجمنٹوں، ریاستوں اور کلبوں میں بکثرت خرید اجانیکے علاوہ ممالک غیر میں بھی منگوایا جاتا ہے اس اثنا میں جسقدر شہرت اور ناموری ہیں اپنی دیانتداری کی وجہ سے کارخانہ کو نصیب ہوئی ہے شاید ہی کسی اور دوسرے کو ہوئی ہو۔ آپ بھی اپنا آزمائشی آرڈر بھیجکر ہماری صداقت کا امتحان کریں۔ ذیل میں مختصر فہرست سامان کھیل درج ہے جس پر ۲ر فی روپیہ کی خاص رعایت دیجائیگی جسے ضرور لکھ کر طلب کریں۔

فہرست سامان ہاکی

دی منارک تین ربڑ سپرنگ ہینڈل ہاکی اوپر کا پورا چمڑا لپٹا ہوا نہایت مضبوط اور خوبصورت قیمت عہ
دی میجسٹک ڈبل سپرنگ ہینڈل اوپر کا مضبوط چمڑہ سیاہ نہایت مضبوط اور دیرپا قیمت ۱۲ر
دی مارشل ڈبل سپرنگ ہینڈل ہاکی سن پروف رنگ کا ولایتی دھاگہ لپٹا ہوا خوبصورت قیمت للعہ
دی مارین سنگل سپرنگ ٹوائین بونڈ ہینڈل للعہ
دی سپیر آل کین ہینڈل اوپر سیاہ ولایتی دھاگہ للعہ
دی اسپیشل پریکٹس ڈنڈا ہاکی اوپر چمڑہ لپٹا ہوا ۶ر
چھوٹے بچوں کی ہاکیاں مارین دو روپے۔ پریکٹس قیمت ۱۲ر
ہاکی بال منارک ۔۔۔ میچ ۶ر
اسپیشل پریکٹس ۱۲ر

فہرست سامان کرکٹ

دی میجسٹک تین ربڑ سپرنگ ہینڈل کرکٹ بیٹ اوپر اول مضبوط چمڑہ سیاہ نہایت مضبوط قیمت سے
دی مارشل ڈبل سپرنگ لیدر بونڈ ہینڈل بیٹ ۱۲ر
دی سپیر سنگل سپرنگ ٹوائین بونڈ ہینڈل بیٹ سے
دی اسپیشل پریکٹس آل کین ہینڈل روزانہ پریکٹس [illegible]
چھوٹے بچوں کے کرکٹ بیٹ نمبر ۵ ہے نمبر ۴ ہے نمبر ۳ سے
کرکٹ بال دی منارک میچ ۶ر اسپیشل پریکٹس ۱۲ر
لیگ گارڈ چمڑے کے رنگدار سے، ذین کے [illegible] فی جوڑ
بیٹنگ گلوز [illegible] وکٹ گلوز بڑھیا سے
ہلکے للعہ فی جوڑہ
وکٹ دی مارشل بڑی [illegible] چھوٹی سے فی سٹ
معہ بیلز ربڑ ہینڈل کور [illegible] سکورنگ بک [illegible]
چھوٹے بال ایک روپیہ فی۔

فہرست سامان فٹبال

دی منارک اٹکڑہ کا درجہ اول نہایت مضبوط اور خوبصورت فٹ بال معہ ایک ٹکڑہ ربڑ مکمل قیمت نمبر ۵ [illegible]
دی میجسٹک تیرہ ٹکڑہ کا معہ ایک ٹکڑہ ربڑ مکمل نمبر ۵ [illegible]
دی میجر سادہ مگر نہایت مضبوط معہ ایک ٹکڑہ ربڑ [illegible]
دی اسپیشل پریکٹس روزانہ پریکٹس کے لئے مضبوط فٹ بال قیمت .... ([illegible])
چھوٹے بچوں کے لئے میجک فٹ بال [illegible]
[illegible] بلیڈر سرخ تازہ مال [illegible]
[illegible]
پچکاری بڑی قیمت [illegible] درمیانہ قیمت ۶ر چھوٹی [illegible]
فٹ بال بوٹ ولایتی فی جوڑہ قیمت [illegible] جرابیں فی جوڑہ [illegible]
سلوشن [illegible] سیٹی [illegible]
قواعد فٹ بال قیمت ۶ر

فہرست سامان والی بال

ملک والی بال گلدستہ رنگ برنگی ٹکڑوں کا نہایت خوبصورت اور مضبوط معہ ایک ٹکڑا میں مکمل [illegible] قیمت صرف [illegible]
دی منارک والی بال گلدستہ قسم دوم مکمل [illegible]
چھوٹے بچوں کے لئے والی بال [illegible] مکمل [illegible]
نیٹ۔ فاختو بلیڈر بجائے والی بال [illegible]
نیٹ ایک روپیہ آٹھ آنہ ([illegible])
دی ملک والی بال جال بدون رنگ بڑھیا قسم معہ سوتی ڈوری کے قیمت آٹھ روپے ہلکے [illegible]
دی منارک سفید بڑھیا جال قیمت [illegible] ہلکے [illegible]
[illegible]
والی بال پولز فیروزی رنگ کے سنہری شاموں والے ولایتی پالش شدہ معہ رسوں اور [illegible]

سامان بذریعہ وی پی پارسلوں کے ارسال ہوگا خرچ ڈاک پارسل اور کرایہ وغیرہ ہر حالت میں بذمہ خریدار ہوگا

ملنے کا پتہ: **جنرل منیجر ملک اینڈ کمپنی رجسٹرڈ شہر سیالکوٹ**

تار کا پتہ رجسٹری شدہ
"Malik" [illegible]

طابع و ناشر ڈاکٹر عابد حسین صاحب پی ایچ ڈی (برلن) مطبع جید برقی پریس۔ دہلی

رجسٹرڈ ایل ۱۹۶۱

ٹیلفون نمبر ۹۱

پیام تعلیم

نرخنامہ اشتہارات
فی صفحہ ۔۔ ۸ر
نصف ،، صہ
چوتھائی ،، سے

نرخنامہ چندہ
سالانہ عار
ششماہی عہ
فی پرچہ ۱ر

اڈیٹر:۔ سعید انصاری بی۔ اے (جامعی)

نمبر ۷ — ۱۲ر فروری ۱۹۳۰ء — جلد ۸

نظام حیدرآباد کا گرانبہا عطیہ صہ — سیٹھ جمال محمد کی تشریف آوری صہ

فہرست مضامین

دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟

مہاتما گاندھی جی نے بہت غور و فکر کے بعد بالآخر سول نافرمانی شروع کرنے کا حل پا لیا ہے۔ ان کا ارادہ اسے دو طرح سے شروع کرنے کا ہے۔ ایک تو باردولی کے طریقہ پر یعنی کسی مخصوص جگہ لوگوں کو تیار کر کے ان سے تمام سول قوانین کی نافرمانی کرانا۔ دوسرے بعض قوانین کو کے تمام ہندوستان سے اس کی خلاف ورزی کرانا۔ مثلاً نمک کے محصول کے خلاف مہاتما جی کا خیال ہے کہ اگر اس قانون شکنی کے سلسلہ میں کسی قسم کا بلوہ و فساد ہوا تو اس سے باردولی کی طرح اس تحریک پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔

اسمبلی کے اندر مسٹر پٹیل اور ہوم ممبر کی لڑائی جو گزشتہ کئی ہفتہ سے جاری ہے اس میں مزید پیچیدگیاں پیدا ہو گئی ہیں اور پنڈت مالوی جی کی صلح کرانے کی کوششیں کچھ بھی بارآور نہیں ہوئیں۔ صدر نے گیلریوں کے بند کر دئے جانے کا جو قطعی حکم دیدیا تھا اس سے وہ ٹلتے نظر نہیں آتے ہیں بلکہ الٹے وہ پولیس بلانے پر ہوم ممبر سے معافی مانگنے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر صدر نے اپنے رویہ میں تبدیلی نہیں کی تو انھیں اپنے عہدے سے علیحدہ ہو جانا پڑے گا۔ عنقریب وائسرائے ایک اعلان کرنیوالے ہیں جس سے ممکن ہے کہ یہ صورت حال ختم ہو جائے۔

نہایت مستند ذرایع سے معلوم ہوا ہے کہ مہاتما گاندھی جی ۵ر مارچ سے سول نافرمانی شروع کرنے والے ہیں۔ ۲ر مارچ کو آپ اپنا اعلان جنگ وائسرائے کے پاس بھیجنے والے ہیں اور ۵ر مارچ کو رضاکاروں کی پہلی جماعت نمک بنانے کے لئے نکلے گی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ نمک بنانے کی جگہوں کا انتخاب ہو گیا ہے اور تھوڑا سا نمک بنا کر دیکھا اور چکھا بھی گیا ہے۔

افغانستان میں پھر ہنگامہ اور فساد کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی اس بدنصیب ملک کو ایک عرصہ تک امن و امان کی صورت دیکھنی نصیب نہ ہوگی اور ترقی و عروج اسکی قسمت میں نہیں ہے۔ گزشتہ تاروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شنواری قبیلہ نے شاہ نادر خاں کے خلاف علم بغاوت بلند کر رکھا ہے اور شاہ موصوف کو اسکے فرو کرنے میں ابھی خاصی زحمت اٹھانی پڑ رہی ہے۔

ہندوستانی ہواباز منموہن سنگھ جو آغا خاں کا انعام حاصل کرنے کے لئے انگلستان سے اڑا تھا اسے نیپلز (اٹلی) میں آکر پھر مجبوراً اترجانا پڑا۔ اسکے جہاز کے انجن میں اس مرتبہ بھی کوئی خرابی پیدا ہو گئی۔ جس سے اسے یکبارگی نیچے آنا پڑا۔ اس میں اسے کچھ خفیف سی چوٹ بھی آگئی ہے۔

ایک ولایتی اخبار کا نامہ نگار جو روم (اٹلی) میں رہتا ہے، وہ اپنے اخبار کو اطلاع دیتا ہے کہ امان اللہ خاں پھر اپنے وطن افغانستان کو واپس جا رہے ہیں۔ اگر یہ سچ ہے تو نہ جانے افغانستان میں آئندہ کیا صورت حال پیدا ہوگی۔

بلوہ اور فسادات کچھ ہندوستان ہی کا خاصہ نہیں۔ ریاست میکسیکو (امریکہ) کے پایہ تخت رایوڈی جنیرو سے اطلاع آئی ہے کہ وہاں نئے صدر کے انتخاب کے مسئلہ پر اس وقت تک ۱۱ آدمی گولی سے مارے جا چکے ہیں۔ اور ۲۴ زخمی ہوئے ہیں اور ابھی تاریخ انتخاب تک نہ جانے کتنی اور جانیں ضایع ہونگی۔

اردو کی ابتدائی تعلیم کا نیا قاعدہ

منشی عبدالقیوم صاحب الخطاط مرادآبادی نے اردو کی ابتدائی تعلیم کا یہ نیا طریقہ خود اپنے فہم اور تجربہ سے نکالا ہے جو ابتدائی تعلیم سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے غور و فکر کیلئے پیش کیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ دیگر حضرات بھی اپنے خیالات اور تجربہ سے ناظرین کو مستفید ہونیکا موقع دینگے۔ کسی قریبی اشاعت میں انشاءاللہ ہم ابتدائی تعلیم کے ایک اور جدید طریقہ سے ناظرین کو روشناس کرینگے۔

(اڈیٹر)

ابجد کی تعلیم کے جو طریقے اور قاعدے قرنوں سے رائج ہیں افسوس ہے کہ وہ بچوں کی عقل و فہم کے مطابق نہیں ہیں۔ اکثر بچے مشکلات کے باعث تعلیم سے متنفر اور استاد سے خائف نظر آتے ہیں۔ ضرورت تو اسکی تھی کہ انکی عقل پر تدریجی طور پر زور ڈالا جاتا اور جو کچھ بتلایا جاتا وہ اسکو سمجھ سکتے۔ اس طرح سے انکے قوائے عقل نشوونما پاتے اور تعلیم کا ناگوار بار انکے دماغ کو مضمحل نہ کرتا۔ حیرت ہے کہ اس جانب ارباب علم نے بہت کم توجہ فرمائی اور یہی وجہ ہے کہ اب تک اسکی ضرورت محسوس کیجا رہی ہے کہ کوئی اردو کا اچھا قاعدہ ہوتا۔ ناچار مجھ جیسا کم عقل شخص آج اس باب میں کچھ عرض کرنے کی جرأت کر رہا ہے اور چاہتا ہے کہ اہل علم و صاحب فکر اصحاب بالخصوص اساتذہ جامعہ ملیہ اپنا کچھ قیمتی وقت صرف فرما کر غور و فکر کے بعد اس بڑی ضرورت کو پورا فرمائیں۔

میں نے نہ تو کوئی جدید طریقہ تعلیم معلوم کیا ہے اور نہ میں کسی جدید قاعدہ کا مصنف ہوں البتہ چاہتا ہوں کہ اس طریقہ اور قاعدے سے بچوں کو ابتدا ہی میں کیوں نہ خبردار کر دیا جائے کہ جس سے میں اور آپ اخبار و کتب کا مطالعہ کرتے ہیں۔ یعنے آپ کو جب کسی عبارت کا پڑھنا مقصود ہوتا ہے تو الفاظ کے حروف کے ناموں کا تصور کئے بغیر اور ان پر اعراب کے عمل سے قطع نظر کرتے ہوئے اور ہجا کی الجھنوں سے دور رہ کر زبان پر الفاظ اور جملے رواں ہوجاتے ہیں۔ شاید آپ متعجب ہونگے کہ یہ بات جسکو آپ نے برسوں کی محنت اور مشق کے بعد حاصل کیا ہے؛ بچوں کو ابتدا ہی میں کیونکر بتلائی جاسکے گی۔ اگر میں اپنے مجوزہ قاعدہ کا سہل طریق تعلیم اور آسان قاعدوں کو اچھی طرح پر بیان کرسکا تو آپ کا یہ استعجاب باقی نہ رہیگا۔

ہمارے مروجہ ابجد میں جو نقایص ہیں اُن میں اولین یہ ہے کہ حروف کی آوازیں مفرد ہونے کے بجائے دو یا تین آوازوں سے مرکب ہیں جو ہجا میں سخت مشکلات کا باعث ہوتی ہیں۔ "کاف" جیسے چھوٹے لفظ کی ہجا (کاف الف زبر کا اور جیم نون زبر جن) تو آوازیں ادا کرنے پر دو حرفی الفاظ بنتے ہیں بعض لفظوں کی ہجا تو مجھ سے بھی نہ ہوسکیں۔ آپ بھی غور فرمائیے "کیوں" "کنواں" وغیرہ

وہ تمام مفرد و مرکب آوازیں جو انسان اپنے منشاء و مقصد کے اظہار کیلئے اپنے منہ سے نکالتا ہے بہت ہی تھوڑی مفرد آوازوں سے مرکب ہوئے ہیں اور زبان کا ایک بڑا ذخیرہ الفاظ انہی چند اور محدود آوازوں کی آمیزش سے تیار ہوگیا ہے یہی وہ مفرد آوازیں ہیں جن کو ہم حروف کہہ سکتے ہیں۔ اور انکی ایک ایک شکل تجویز کرلی گئی ہے۔ جنکے ذریعے سے ہمارے جملے اور تقریریں کاغذ پر تحریر ہوتی ہیں جب یہ امر ظاہر ہے کہ ہمارے یہ لفظ کئی آوازوں سے مرکب ہوتا ہے تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہمارے تجویز کئے ہوئے حروف کی آواز بھی مفرد اور ایک ہی ہونی چاہیئے۔ ورنہ لفظ اور حرف کی تعریف میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔

اس لئے میری خواہش ہے کہ الف بے جیم کے قدیم نام ترک کرکے مفرد آوازیں اختیار کیجائیں یعنی اَ بَ جَ وغیرہ خود عربی میں اکثر حروف کے نام قریب قریب اسی قبیل کے ہیں۔ مثلاً با تا ثا حا خا را فا یا وغیرہ۔ الف جیم دال وغیرہ نام عربی کے ذاتی نہیں بلکہ عبرانی و سریانی سے مستعار لئے گئے ہیں۔ اسلئے موجودہ ضرورت کی بنا پر اس میں ترمیم کا حق حاصل ہے۔

میں خیال کرتا ہوں کہ حروف کی ترتیب میں کسی خاص اصول اور سہولت کو مدنظر نہیں رکھا گیا بلکہ بعض دوسری زبانوں کی ابجد کی ترتیب کو قایم رکھتے ہوئے بعض حروف وقتاً فوقتاً اضافہ کئے گئے اور ضرورتاً ان میں تقدم و تاخر سے کام لیا گیا۔ مثلاً عبرانی کی ترتیب ملاحظہ فرمائیے۔ اب ج د۔ ہ و ز۔ ح ط ی۔ ک ل م ن۔ س ع ف ص ق ر ش ت۔ ثخذ۔ ضظغ۔ سریانی کی بھی غالباً یہی ترتیب ہوگی۔ لاطینی حروف کی ترتیب کسی جگہ عبرانی سے مطابق ہے ملاحظہ ہو۔ a.b.c.d. ابجد۔

m-n -k.l کلمن - T-s-r-q قرشت ۔عربی میں بھی بعض جگہ یہی ترتیب آج تک قائم ہے۔

غالباً اس خیال سے اس امر پر غور ہی نہیں کیا گیا کہ بچوں کی تعلیمی سہولت کس ترتیب کو چاہتی ہے۔ میری رائے میں حسب ذیل ترتیب مناسب ہوگی اس پر غور فرمائیے اور جو نقایص باقی ہوں انکے دور کرنے کی کوشش فرمایئے۔

(۱) ا ر ز ڑ ژ د ذ ڈ و ۔ ط ظ ۔

(۲) ب ت پ ٹ ث ف ق ن ی ۔

ح ج خ چ ع غ ۔

س ش ص ض ل ک گ م ہ ۔

اس ترتیب کی سہولت ملاحظہ فرمائیے ۔

پہلی سطر کے نو حرف ایسے ہیں جو باہم مخلوط نہیں ہوتے اور دوسرے حروف سے بھی جبکہ قبل واقع ہوں نہیں ملتے اور ان سے مرکب ہو کر جو الفاظ بنیں گے ان میں انکی صورت علے حالہ قایم رہیگی۔ اور ط ظ دوسرے حرفوں سے ملکر اپنی حالت میں کوئی تغیر پیدا نہیں کرتے۔ مثلاً اب ۔ دب ۔ ڈر ۔ دس ۔ راج ۔ دال دوات ۔ درولزہ ۔ وغیرہ ۔ ابتدائی اسباق میں اسی قسم کے الفاظ دئے جا سکیں گے۔

ب ت وغیرہ کیساتھ ف ق و ن ی کو اس لئے لایا گیا ہے کہ جب یہ حروف دوسرے حروف سے ملتے ہیں تو انکی جو صورتیں ہیں وہ اسی ترتیب کو چاہتی ہیں ملاحظہ ہو با نا تا یا فا قا۔

ح چونکہ نقطے سے خالی ہے اس لئے اس کو اول دوسرے حروف کو دوم وسوم ہونا چاہئے۔

ل ک گ کا تدریجی فرق اسی ترتیب کا مقتضی ہے اسکی دوسری شکلیں ملاحظہ فرمائیے۔ لپ ۔ کپ ۔ گپ ۔ آخر میں م و ہ رہتے ہیں۔ "م" جب حروف کے شروع میں آتا ہے تو وہ "ما" ہوتا ہے اور "ہ" "ہا" اس لئے انکی ترتیب بھی کچھ نامناسب نہ کہی جا سکے گی۔

اردو ابجد میں ہم آواز حروف جنکا صحیح تلفظ ایک قاری ہی خوب کر سکتا ہے اور جنکو بچے ادا نہیں کر سکتے اگر ابتدائی اسباق سے زائد حروف نکال دئے جائیں تو میرے خیال میں یہ بھی سہولت و آسانی کے لئے اچھا ہوگا۔ مثلاً ث س ص ذ ز ض ظ ۔ ح ہ ۔ ت ط ۔ ا ع ۔ ص سے س ۔ ز ۔ ہ ۔ ت ۔ ا کو قایم رکھا جائے اور ث ۔ ص ۔ ذ ض ظ ح ۔ ط اور ع کو خارج کر دیا جائے۔

و ی سے جو مختلف مواقع پر جدا جدا طور پر کام لیا جاتا ہے یہ بھی دقت اور الجھن پیدا کرتا ہے۔ اس طرح حروف ابجد کی تعداد تو ضرور کم ہو گئی۔ لیکن چند مشکل قاعدوں کا اضافہ ہو گیا۔ یعنی ایک واؤ دوسرا واؤ معروف تیسرا واؤ مجہول چوتھا واؤ ماقبل مفتوح۔ یہی حالت "ی" کی ہے۔ میری تجویز ہے کہ ان سب کیلئے ایک ایک حرف اور بڑھا لیا جائے۔

یعنی (واؤ ماقبل مفتوح) "وَ" تلفظ "اَو"
(واؤ معروف) "وُ" " "اُو"
(واؤ مجہول) "وٗ" " "اوٗ"
(یائے ماقبل مفتوح) "یَ" " "اَی"
(یائے معروف) "ی" " "اِی"
(یائے مجہول) "ے" " "اے"

اور بحالت آمیزش یا (یا) یَا (یائے ماقبل مفتوح) یا (یائے معروف) یےٖ (یائے مجہول)

اس طریق سے بچہ کبھی (مور) میل وغیرہ الفاظ کو غلط نہیں پڑھ سکے گا۔ اور اسطرح ہجا میں جو آسانی اور سہولت پیدا ہو گئی ہے اس کا اندازہ آپ کو اسی وقت بخوبی ہو سکے گا جبکہ بچہ اس ڈھنگ سے عبارت پڑھ رہا ہو گا۔

نون کی ایک دوسری قسم نون غنہ ہے جسکو ایسی حالت میں جبکہ وہ لفظ کے آخر میں آئے "ں" بلا نقطے کے لکھا جاتا ہے۔ لیکن جب وہ درمیان میں واقع ہو تو "ن" لکھا جاتا ہے۔ جیسے "چاند" میں۔ میری تجویز ہے کہ اسکو اس طرح لکھا جائے۔ جبکہ لفظ کے آخر میں آئے۔ ں اور درمیان میں یوں "چاںد"

کوائف جامعہ

حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ نے اپنی ریاست سے جامعہ کے لئے ۵۰ ہزار یکمشت اور ایک ہزار ماہانہ کی گرانٹ منظور فرمائی ہے۔ ناظرین کو یاد ہوگا کہ گزشتہ دسمبر میں جامعہ کی طرف سے ایک درخواست ریاست حیدرآباد کی کونسل میں پیش ہوئی تھی، جو تمام ابتدائی مراحل طے کرکے حضور نظام کی خدمت میں پیش ہونے کو باقی تھی۔ لیکن اس زمانہ میں ہز اکسلنسی وائسرائے کی آمد کی وجہ سے اسکی آخری منظوری اس وقت نہ ہو سکی۔ اب ہوم سکرٹری ریاست حیدرآباد کے ہاں سے اطلاع آئی ہے کہ حضور نظام نے بذریعہ فرمان شاہی جامعہ ملیہ کو مذکورہ بالا گرانٹ دینا منظور فرمایا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس گرانٹ کی منظوری جہاں ایک طرف حضور نظام کی فیاضی اور دریا دلی شامل ہے، وہاں دوسری جانب ریاست حیدرآباد کے سید المغز اور قدر شناس اراکین حکومت کی قدر شناسی و تدبر کو بھی بہت بڑا دخل ہے ہم دونوں جماعتوں کے بدل ممنون اور شکر گزار ہیں۔

جامعہ کے ایک بڑے محسن سیٹھ جمال محمد صاحب (مدراس) آج کل اپنے کسی تجارتی مقصد سے دہلی تشریف لائے ہوئے ہیں، اور کوئی تین ہفتے سے زائد مقیم رہے۔ باوجود اسکے کہ سیٹھ صاحب موصوف اپنے کاروباری مصروفیتوں کیوجہ سے بیحد عدیم الفرصت رہے، پھر بھی آپ اب تک جامعہ تین بار تشریف لا چکے ہیں۔ پہلی بار آپ طلبار کی دعوت پر تشریف لائے، طلبہ نے آپ کی خدمت میں ایک سپاسنامہ پیش کیا۔ جسکے جواب میں سیٹھ صاحب موصوف نے نہایت وضاحت کے ساتھ تعلیم کا مقصد بیان فرمایا اور اسی سلسلہ میں یہ بتایا کہ جامعہ کے طلبا کو کیا کرنا چاہیئے اور کیسا ہونا چاہیئے۔ مولوی شفیع صاحب داؤدی ممبر اسمبلی نے جامعہ کی طرف سے آپ کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا اور سیٹھ صاحب کے ان احسانات کا ذکر کیا جو آپنے جامعہ کی ایک بہت نازک وقت میں مالی امداد کرکے اہل جامعہ پر کئے ہیں۔ اسکے بعد مولینا محمد علی صاحب نے سیٹھ صاحب کی دوسری ملی خدمات کا ذکر فرماتے ہوئے جامعہ کیساتھ برابر تعلق باقی رکھنے کیطرف توجہ دلائی۔

دوسری بار آپ قریب شام کے تشریف لائے جبکہ جامعہ بند ہو چکی تھی۔ اسوقت آپ کھیل کے میدان میں تشریف لیگئے اور وہاں آپنے جامعہ کی ہاکی ٹیم کا کھیل دیکھا جس سے آپ بہت خوش ہوئے۔ اسکے بعد آپ چھوٹے بچوں کی تربیت گاہ خاکسار منزل میں تشریف لائے جہاں آپنے بچوں کے رہنے سہنے اور انکے تعلیم و تربیت کے طریقے کو ملاحظہ فرمایا۔ یہاں بچوں نے آپ کو مختلف نظمیں نہایت خوش گلوئی کیساتھ پڑھکر سنائیں جس سے آپ بےحد محظوظ ہوئے۔

---

۲۰ فروری کی شب میں "انجمن اساتذہ" کیطرف سے ڈنر دیا گیا جسمیں آپکے علاوہ باہر کے لوگوں میں مولوی شفیع داؤدی ممبر اسمبلی، مولوی مرتضیٰ بہادر صاحب ممبر اسمبلی، مولینا عبد اللطیف فاروقی صاحب ممبر اسمبلی اور مولانا محمد علی صاحب بھی مدعو تھے۔ ٹھیک سوا آٹھ بجے آپ تشریف لائے۔ طعام کے بعد آپکی خدمت میں مولینا خواجہ عبد الحی صاحب "ناظم انجمن اساتذہ" نے ایڈریس پڑھا جو ایک خوشنما کشمیری کام کی بنی ہوئی کشتی میں رکھکر پیش کیا گیا۔ سیٹھ صاحب موصوف نے ایڈریس کے جواب میں ایک مختصر فی البدیہہ تقریر کی جسمیں آپنے جنوبی ہند میں اپنے ذاتی تجربات کی بنا پر بتایا کہ مسلمانوں کے تعلیمی کام کیلئے چند باتوں کا ہونا بہت زیادہ ضروری ہے جنمیں سے ایک تو یہ کہ انکی دینی اور دنیوی تعلیم الگ الگ نہونی چاہئے بلکہ دونوں کو ایک ساتھ ہونا چاہیئے۔ دوسری یہ کہ استادوں اور تعلیمی کام کرنے والوں میں ایثار اور خدمت کا جذبہ ہونا چاہئے صرف تنخواہوں کے ذریعہ یہ کام نہیں چلسکتا۔ آپنے فرمایا کہ مجھے یہ دیکھکر بڑی خوشی ہوئی کہ جامعہ میں یہ سب باتیں پائی جاتی ہیں اور مجھے جس چیز نے جامعہ کا سب سے زیادہ گرویدہ بنایا وہ یہی باتیں ہیں۔ آپنے نہ جانے ازراہ انکسار یا بطور واقعہ کے یہ بھی فرمایا کہ وفد مدراس کی کامیابی کو جسقدر مجھ سے منسوب کیا جاتا ہے، اسقدر صحیح نہیں ہے بلکہ اسکی اصل کامیابی کا راز ڈاکٹر ذاکر حسین خاں کی شخصیت ہے جس سے مدراس کے لوگ بہت متاثر ہوئے۔ آپنے یہ بھی بتایا کہ مدراس نے جامعہ کیلئے جتنا کچھ کرنا چاہئے تھا اس سے بہت کم کیا اور اگر اسوقت تجارت کی حالت خراب نہ ہوتی تو مدراس کے لوگ اس سے کہیں زیادہ کرتے۔ آپنے اسوقت اپنی کاروباری حالت کی خرابی کا بھی اشارۃً ذکر کیا اور جامعہ کے ساتھ برابر تعلق باقی رکھنے اور آئندہ بھی مدد کا

مذہب

رمضان اور اسکے روزے

روزہ کی خوبیوں میں ایک اور وجہ بھی پیش کیجا سکتی ہے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو اسی کو سب سے بڑی اور پہلی علت قرار دیا جاسکتا ہے دیکھئے اسلام نے اپنے پیرووں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے ہم مذہبوں کو ہی نہیں بلکہ ہر انسان کو اپنے برابر سمجھیں۔ اگرچہ مسلہ کے متعلق یہی حکم خاص طور پر دیا گیا ہے۔ اسیکا نام "مساوات اسلامی" ہے۔ اس مساوات اسلامی کو اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو مختلف طریقوں سے ذہن نشین کرایا ہے۔ اسی کو ترجمان حقیقت علامہ اقبال نے اس طرح فرمایا ہے۔ شعر

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز ؛ نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

کہیں حج کے ذریعہ سے۔ جہاں ہر چھوٹا اور بڑا ایک لباس اور ایک حیثیت میں نظر آتا ہے۔ اسی طرح روزہ کے ذریعہ سے۔ اسلئے کہ بالارادہ کھانا پینا ترک کر دینے سے بھوک اور پیاس میں ان فقیروں اور غریبوں کے مانند ہوگئے جو آئے دن بھوک اور پیاس کی مصیبت اٹھاتے رہتے ہیں۔ اسکے نتیجہ میں ہمیں یہ بات حاصل ہوگی کہ آئندہ سے کبھی غریبوں کو بنظر حقارت نہ دیکھیں گے بلکہ انہیں بھی اپنے ہی جیسا ایک انسان سمجھنے لگیں گے یہی "مساوات" ہے۔

بشرحافی رحؒ اپنے زمانہ کے بہت بڑے بزرگ تھے۔ انکے پاس ایک شخص آیا۔ دیکھا کہ آپ سردی کی وجہ سے بیٹھے ہوئے کانپ رہے ہیں۔ اور کپڑوں کو کھونٹی پر ٹانگ رکھا ہے۔ اسنے کہا کہ حضرت آدمی کہیں ایسے وقت میں کپڑے اتار ڈالتا ہے۔ آپنے جواب دیا کہ بھائی بات یہ ہے کہ فقیر بہت ہیں اور میرے پاس اتنا ہے نہیں کہ سب کے لئے کپڑے بنوا سکوں۔ ہاں ان سے ہمدردی کی ایک یہ صورت سمجھ میں آئی ہے کہ جس طرح وہ سردی کی زحمت برداشت کرتے ہیں میں بھی انہیں کیطرح ہوجاؤں۔ ان بزرگ نے اسی جذبۂ مساوات کے ماتحت اپنے آپ کو ان جیسا بنا لیا تھا

یوسف علیہ السلام (مشہور پیغمبر) کے زمانہ میں جب قحط پڑا۔ تو باوجودیکہ آپ ملک مصر میں سیاہ وسفید کے مالک تھے، مگر پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتے تھے تاکہ غریبوں کو بھول نہ جائیں اور انکے ساتھ مشابہت باقی رہے۔

مذکورہ بالا سطروں سے روزہ کی فضیلت اور اسکی اہمیت اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے۔ اب میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ رمضان کے روزے کب سے فرض ہوئے ہیں اور آیا روزہ کی موجودہ شکل ہمیشہ سے ایسی ہی چلی آرہی ہے۔ یا اس میں تغیر وتبدل ہوا ہے۔

رمضان کے روزوں سے پہلے روزہ رکھنا فرض تھا یا نہیں، اس کے متعلق بعض علما کا خیال ہے کہ نہیں تھا بعض علما، کہتے ہیں کہ فرض تھا تو مگر بعد کو فرضیت کا حکم نہیں رہا۔ ایسے روزے جو پہلے فرض تھے اور بعد کو نہیں رہے محرم کی دسویں کا روزہ اور ہر ماہ کی بارھویں، تیرھویں اور چودھویں کے روزے تھے۔

علامہ ابن حجرؒ جو علم حدیث کے زبردست عالم گذرے ہیں فرماتے ہیں کہ جسوقت رمضان کے روزے فرض ہوئے تو مسلمانوں کو روزہ رکھنا گراں معلوم ہوا اسوقت ان دو باتوں میں سے ایک کے اختیار کرنے کا حکم دیا گیا کہ یا تو روزہ رکھیں یا ہر دن ایک محتاج کو کھانا کھلائیں۔ قرآن شریف میں اس ابتدائی حکم کا ذکر ہے مگر بعد میں اس آیت کے "فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ" (ترجمہ) جو شخص تم میں سے رمضان کو دیکھے (اس میں موجود ہو) اسے روزہ رکھنا چاہئے۔ پہلا حکم منسوخ ہوگیا اور معذوروں کے سوا ہر شخص پر روزہ رکھنا فرض ہوگیا۔

جبکہ روزے فرض ہوئے تھے تو اسوقت ایک خاص بات یہ تھی کہ مغرب سے لے کر نیند آنے کے وقت تک۔ یا عشا، کے وقت تک کھانا وغیرہ جائز تھا، اسکے بعد نہیں۔ کچھ دنوں کے بعد یہ حکم منسوخ ہوگیا اور طلوع فجر (صبح صادق) تک کھانے پینے کی اجازت ہوگئی۔

یہاں اب ایک بات یہ بھی معلوم کرلینا چاہئے کہ روزۂ رمضان کیوں کہتے ہیں روزۂ شعبان وغیرہ کیوں نہیں کہتے۔ اسکی کئی وجہیں ہیں جو درج کیجاتی ہیں۔

(۱) جب عربوں نے دوسری زبان کے مہینوں کے نام اپنی زبان میں منتقل کئے تو گرمی جاڑا یعنی جس موسم میں وہ مہینے پڑتے تھے اسی مناسبت سے انکے نام رکھ لئے۔ جس مہینہ میں روزے پڑے تھے وہ سخت گرمی کا تھا! اسلئے اسکا نام رمضان رکھ لیا۔ عربی میں رَمْضَاءُ کے معنے آتے ہیں "سخت گرمی والی زمین"۔ اور رَمِضَ کے معنے "سخت گرم ہوگیا"

(۲) یا روزے کے مہینہ کو اسلئے رمضان کہتے ہیں کہ روزہ رکھنے والے کے پیٹ میں گرمی بڑھ جاتی ہے عربی میں کہتے ہیں رَمِضَ الصَّائِمُ "روزے دار کی پیٹ کی گرمی بڑھ گئی"؛ (۳) یا اسلئے کہ (گناہ) ... گناہوں کو جلا دیتا ہے۔

سائنس

بحری تار برقی

سائنس کی ایجادات میں سے بحری تار برقی کی ایجاد بہت بڑی اہمیت رکھتی ہے بحری تاروں کے ذریعے سے ہم دور دراز ملکوں کو ایک دوسرے سے ملے ہوئے پاتے ہیں. اگر ہم یورپ اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کے درمیان بحر اوقیانوس کو دیکھ سکتے تو گٹا پرچے میں لپٹے ہوئے بہت سے مضبوط تار سمندر کی خاموش تہ میں پڑے ہوئے نظر آتے۔ یہ سمندر کے اندر نہایت ہی عجیب و غریب تار ہیں جنکے ذریعہ پرانی اور نئی دنیا ایک دوسرے کو بحری پیغامات بھیجتی ہے۔ یہ بحری تار دنیا کے مختلف حصوں کو ایک دوسرے سے ملاتے ہیں. اس کی ایجاد سے پیشتر ایک ہی ملک کے مختلف حصے ایک دوسرے سے اتنے قریب نہ تھے جتنے کہ مختلف براعظموں کے مختلف ممالک اس زمانہ میں ایک دوسرے سے قریب ہوگئے ہیں

مجموعی حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو بحری تار دنیا کے اندر اتنا لمبا موجود ہے کہ اس کو کرۂ ارض کے اردگرد تیرہ مرتبہ لپیٹا جا سکتا ہے۔ خشکی کا سلسلۂ تار برقی بحری تار برقی سے بالکل جداگانہ ہے۔ اس لئے کہ پانی برقی رو کو آسانی سے اپنے اندر سے گذرنے دیتا ہے لہذا برقی رو پہنچانے والا تار سمندر کے اندر بہت ہی حفاظت سے رہنا چاہئے۔ اس غرض کے لئے صرف ایک ہی چیز گٹا پرچہ ہے جس کو ولیم مونٹ گمری نے یورپ میں رائج کیا۔ تار برقی کی ایجاد کے فوراً ہی بعد اس ایجاد سے بحری تار برقی ایک ممکن العمل چیز ہوگئی۔ بحری تار کو ساتھ ہی ساتھ مضبوط اور دیرپا ہونا چاہئے۔ تاکہ چٹانوں جہازوں اور لنگروں کے صدمات اور بڑی مچھلی کے حملوں کو برداشت کر سکے۔

بحری تار کی حفاظت

آج کل کا مروجہ تار سات یا اس سے زیادہ کے تانبے کے تاروں کا مجموعہ ہوتا ہے جو کہ گٹا پرچہ سے ڈھکا ہوتا ہے. اور غلافوں میں لپٹا ہوا ہوتا ہے یہ غلاف ایسے سن کے بنے ہوتے ہیں جسکو ایک دوا میں ڈبو کر سکھا لیا جاتا ہے اور ایک خول سے جو کہ کئی فولادی تاروں کا بنا ہوتا ہے ڈھکا ہوا ہوتا ہے۔ گہرے سمندروں میں اُن تاروں کے لئے حفاظت کی چنداں ضرورت نہیں بحری تار کا وزن فی میل ایک ٹن ہوتا ہے مگر کم گہرے پانی میں بحری تار کو زیادہ حفاظت کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ چٹانوں جہازوں لنگروں سے محفوظ رہے۔ لہذا ایسے موقعوں پر اسکا وزن فی میل دس ٹن سے تیس ٹن تک رکھا جاتا ہے. چونکہ کبھی کبھی اس کو دو میل کی گہرائی میں سطح سمندر پر ڈالنا پڑتا تھا لہذا شروع کے بحری تار بچھانے والوں کو سب سے بڑی مشکل یہ پیش آئی کہ وہ اسکو اتنا مضبوط بنائیں کہ تار زیادہ وزن برداشت کر سکے جب دو ہزار یا تین ہزار میل لمبے بحری تار پر برق رو بھیجی جاتی ہے تو اسکی بہت سی اصلی قوت تار کی رکاوٹ اور گٹا پرچہ کے برقی رو کو روک لینے کی خاصیت سے کم ہو جاتی ہے۔ لہذا ایسے آلات ایجاد کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی جو اس برقی رو کی قوت سے کم طاقتور رو کے اثرات کو محسوس کر سکیں۔ ولیم ٹامس جو کہ اپنے زمانہ کے تمام ماہرین سائنس میں ممتاز سمجھا جاتا تھا اور جسے بعد میں اپنی سائنس کی حیرت انگیز خدمات کی وجہ سے انگریزی نوابی یعنے لارڈ کیلون کا خطاب ملا تھا سب سے پہلے اس نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا جس میں ایک چھوٹا سا آئینہ اِدھر اُدھر حرکت کرتا تھا۔ اس آئینہ کے سامنے ایک پردہ ہوتا تھا جس پر خفیف سے خفیف حرکت بھی منعکس ہو کر اپنا اثر ڈال سکتی تھی آئینہ کا یہ آلہ بحری تار برقی میں اس وقت تک استعمال ہوتا رہا جب تک کہ لارڈ کیلون نے ایک دوسرا آلہ ایجاد نہ کیا۔ اس آلہ میں ایک عجیب و غریب قلم جسکو حکمتی قلم کہتے ہیں استعمال کیا جاتا تھا اس قلم کی ساخت کی ایک عجیب و غریب تاثیر یہ تھی کہ وہ روشنائی کے چشمے سے کشید کی ہوئی روشنائی کو باریک دھار میں اس کاغذ پر پھینکے جو گھڑی کی کل کی مدد سے باقاعدہ طور پر حرکت کرتا ہو۔

خشکی پر استعمال شدہ تار برقی کی مانند بحری تار برقی کے لئے بھی خود حرکتی آلات تیار کئے گئے ہیں جنکے ذریعے سے بالکل صحیح طور پر ایک ہی وقت میں دو برقی پیغام بھیجے جا سکیں۔ لیکن ابتک بیک وقت چار برقی پیغامات بھیجنے کا طریقہ معلوم نہیں ہو سکا تھا۔

(باقی آئندہ)

تاریخ

محمد علی پاشا

اٹھارھویں صدی عیسوی میں جبکہ تقریباً تمام اسلامی ممالک پر تنزل وانحطاط کا دور دورہ تھا مصر کی حالت بھی بہت کچھ مایوس کن تھی اگرچہ ظاہری طور سے وہ خلافت عثمانیہ سے ملحق تھا، لیکن خود ترکی حکومت کی حالت کچھ زیادہ بہتر نہ تھی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ دوسرے دور دراز ترکی مقبوضات کیطرح مصر میں بھی بدانتظامی کا دور دورہ تھا۔ اسی زمانہ میں ایک شخص پیدا ہوا جس نے مصر کو تباہی وبربادی سے بچا لیا نہ صرف یہ بلکہ اسکی ترقی وتعمیر میں اپنی پوری کوششیں صرف کردیں یہ شخص محمد علی پاشا تھا جو صحیح معنوں میں مصر کا نجات دہندہ کہا جا سکتا ہے۔ محمد علی پاشا نے نہایت ہی معمولی حالت میں محض اپنے بل پر ترقی کی ہے وہ ۱۱۸۲ھ میں شہر قوالہ[1] میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ ابراہیم آغا راستوں کی حفاظت (چوکیداری) پر متعین تھا۔ اسکے سترہ اولادیں ہوئیں جن میں صرف محمد علی زندہ رہا اسی لئے باپ کو اس لڑکے سے بے انتہا محبت تھی۔ لیکن بد نصیبی دیکھیے کہ ابھی وہ چار ہی برس کا تھا کہ اسکا باپ اس دنیا سے چل بسا۔ باپ کے انتقال پر اسکے چچا نے اپنے سایہ عاطفت میں لے لیا۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد اس کا بھی انتقال ہوگیا۔ چچا کے انتقال کے بعد اسکے باپ کے ایک دوست نے اسکی تعلیم وتربیت اپنے ذمہ لی۔ ابراہیم آغا نے مرتے وقت اس سے اس بچہ کی تربیت کا وعدہ بھی لے لیا تھا۔ جب یہ جوان ہوا تو فوج میں بھرتی ہوگیا ۱۸ سال کی عمر میں (بلوک باشی) کے عہدہ پر ترقی کی۔ اسکی شادی اسکے مربی کی لڑکی سے ہوئی جس سے پانچ لڑکے ہوئے۔ ان میں ابراہیم، طوسون اور اسمٰعیل قابل ذکر ہیں۔

جس وقت فرانسیسیوں نے مصر پر حملہ کیا تو ترکی حکومت نے انگریزی فوج کی مدد سے فرانسیسی فوج کی مدافعت کی۔ محمد علی بھی ترکی فوج میں نائب سپہ سالار کی حیثیت سے شریک تھا ترکوں کو اس جنگ میں فتح ہوئی اور مصر فرانسیسیوں کے قبضہ سے نکل گیا اس جنگ میں محمد علی نے بھی کارہائے نمایاں انجام دیے تھے۔ اسی لئے اس کی عزت وتوقیر میں اضافہ اور لوگوں کے دلوں میں اسکی محبت پیدا ہوگئی۔ اس وقت تک خسرو پاشا مصر کا والی تھا۔ لیکن مصر کے ممالیک نے متفقہ کوشش سے اُسے نکال باہر کیا اور اسکی بجائے محمد علی کو ولایت ملی۔

کچھ عرصہ بعد محمد علی اور ممالیک کے درمیان نزاعی صورتیں پیدا ہوگئیں اسی زمانہ میں اہل نجد نے عثمانی حکومت کے خلاف سر اٹھایا۔ باب عالی کے فرمان کے بموجب محمد علی پاشا نے اپنے لڑکے طوسون کو ایک بڑے لشکر کے ساتھ نجد روانہ کیا۔ لیکن اس لشکر کے روانہ کرنے سے مصر خالی ہوجاتا تھا اور اسے خوف تھا کہ ملک کو خالی دیکھکر ممالیک ضرور شورش کرینگے۔ اس وقت اس نے ایک تدبیر کی اور وہ یہ کہ اپنے لڑکے کے جانے پر بہت بڑا جلسہ منعقد کیا اور اس میں تمام ممالیک کو دعوت دی جسوقت ممالیک ہال میں داخل ہوئے۔ محمد علی پاشا کے حکم سے دروازے بند کردیے گئے اور ان کو بری طرح قتل کردیا گیا طوسون کو وہابیوں کے مقابلہ میں کامیابی ہوئی لیکن وہابیوں نے دوبارہ جنگ کی اور پھر مکہ اور مدینہ پر قابض ہوگئے یہ حالت دیکھ کر طوسون نے اپنے والد سے امداد طلب کی اور محمد علی خود ایک بہت بڑا لشکر لے کر روانہ ہوا۔ ۲۷ر اگست ۱۸۱۲ء کو وہ جدہ پہنچا اور وہابیوں پر فتح پائی۔ اور حجاز کا تمام علاقہ اسکے سامنے سرنگوں ہوگیا اس لڑائی کے خاتمہ پر محمد علی نے ابراہیم کو موریہ اور اسمٰعیل کو سوڈان کی فتح کے لئے روانہ کیا۔ اسمٰعیل پاشا سوڈان کی لڑائی میں قتل کردیا گیا

۱۸۳۱ء میں اس نے ابراہیم کو شام کے فتح کے لئے روانہ کیا۔ ابراہیم نے شام میں جنگ کی اور ترکوں کے مقابلہ میں اسے کامیابی ہوئی اور یہ ملک تقریباً دس سال تک اسکے قبضہ میں رہا لیکن ترکی حکومت نے اور دوسری حکومتوں سے دباؤ ڈلوا کر شام کو اسکے قبضے سے نکال لیا۔ محمد علی کے تعمیری کام (۱) طبی کالج، شفاخانہ (۲) شفاخانہ حیوانات (۳) انجنیرنگ کالج (۴) موسیقی کا مدرسہ (۵) صنعت وحرفت کا مدرسہ (۶) مدرسہ زراعت (۷) مختلف مغربی زبانوں کی تعلیم کے لئے مدرسہ۔ (۸) فوجی مدرسہ۔ انکے علاوہ بہت سے مصری نوجوانوں کو ادب اور زبان کی تعلیم کے لئے یورپ روانہ کیا۔

---

[1] قوالہ بلاد رومی کے جنوبی ساحل پر واقع ہے۔ آستانہ سے اسکا فاصلہ ۳۲ کیلومیٹر ہے۔ اٹھارھویں صدی میں اسکی آبادی دس ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔
(تراجم مشاہیر الشرق)

جغرافیہ

یورپ کی ننھی منی ریاستیں

اگر ہم یورپ کا سفر کریں تو قدرتاً ہم بڑے بڑے ممالک مثلاً جرمنی فرانس اور روس وغیرہ کی سیر کریں گے۔ اور ہم بالکل بھول جائینگے کہ ان ممالک کے علاوہ کچھ ایسی بھی چھوٹی چھوٹی ریاستیں ہیں جو نیم آزادی کی حالت میں ہیں اور ان میں سے اکثر ریاستوں کے لوگ ایسی زندگی بسر کرتے ہیں جیسی آج سے کئی صدیاں پہلے لوگ بسر کرتے تھے۔

ان ریاستوں میں سب سے دلچسپ مناکو کی ریاست ہے جو بالخصوص فرانس اور عام طور پر دوسرے ممالک کی تفریح گاہ ہے۔ مانٹ کارلو گو اس ریاست کا دارالخلافہ نہیں ہے، لیکن اپنے اندر بہت کشش رکھتا ہے اور بحیرۂ روم کے ساحل پر ایک نہایت خوبصورت شہر ہے۔

مناکو کا رقبہ کل آٹھ مربع میل ہے اور اسکی اوسطاً چوڑائی کوئی ۶۵۰ گز ہے جسکے یہ معنے ہیں کہ ہم ایک گالف کے گیند کو اگر تین بار ماریں تو اسکو ریاست کی حد سے باہر نکال سکتے ہیں۔ اسکی آبادی کوئی ۲۳۰۰۰ ہے اور اسکے باوجود یہاں کئی تفریح اور نشاط کے مقام ہیں۔ مناکو میں صنعت و حرفت کا ایک بھی کارخانہ نہیں اور آمدنی کا صرف ایک ذریعہ ہے اور وہ "کاسنو" ہے، جہاں ہر لمحے کے بعد تاجروں کی قسمت بنتی اور بگڑتی ہے اور جسے عرف عام میں "قمارخانہ" کہتے ہیں۔

مناکو کا اپنا سکہ اور اپنا ٹکٹ ہے اور اسکے باشندے ہر قسم کے محصولات سے بری ہیں۔ ریاست کا انتظام "شہزادہ" مع اپنی کونسل کے کرتا ہے۔ فوج میں کل سپاہیوں کی تعداد ایک سو پانچ ہے اور جنگ عظیم میں اس نے جرمنی پر حملہ کرکے اتحادیوں کا ساتھ دیا تھا۔

مناکو کا ایک سابق شہزادہ البرٹ ایک نہایت عمدہ اور غیر معمولی قابلیت کا شخص تھا۔ اس نے اپنی ریاست میں ایک عجائب خانہ کھولا تھا جسمیں سمندر کی کل چیزیں اور رنگ برنگ کی مچھلیاں جمع تھیں۔ اپنے طرز میں یہ عجائب خانہ دنیا کا بہترین عجائب خانہ ہے۔

اگر ہم سوئزرلینڈ سے ہوکر اسٹریا جائیں تو راستہ میں ایک اور اسی قسم کی ننھی منی ریاست ملیگی۔ جسکا نام لائشن تن اشٹائن (Leichtenstein) ہے۔ یہ مناگو سے بڑی ہے اور اس کا رقبہ تقریباً ۶۰ مربع میل ہے۔ لیکن آبادی کل ۱۱۰۰۰ ہے۔ اس ریاست کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اسکے باشندے فوجی خدمات سے بالکل بری ہیں: او صرف اپنا آبائی پیشہ یعنے زراعت کرتے ہیں۔ یہ تہذیب کے نئے نئے قواعد اور قوانین کو اپنے ہاں رائج نہیں ہونے دیتے اور اپنی موجودہ زندگی پر شاکر ہیں۔

حکومت کا طریقہ جمہوری ہے۔ اسکا صدر لائشن تن شٹائن کے خاندان میں کا ایک شہزادہ ہوتا ہے۔ یہ خاندان یورپ بھر میں بہت ہی پرانا شاہی خاندان ہے۔ اسکی مدد کے لئے ایک مجلس مقننہ ہے جسکے اراکین کی تعداد پندرہ ہوتی ہے ان میں سے بارہ منتخب کئے جاتے ہیں اور تین حکومت کی طرف سے نامزد ہوتے ہیں۔

جرمنی اور اسٹریا کی لڑائی سے پہلے یہ جرمنی کا ایک حصہ تھی۔ لیکن جنگ کے بعد ۱۸۶۶ء میں یہ بالکل آزاد ہوگئی۔ اس کا دارالخلافہ وادز (Vaduz) ہے۔ اور شہر کے پاس ایک اونچے پہاڑ پر ایک قلعہ ہے جہاں "شہزادہ" اور اس کا خاندان رہتا ہے، جو صدیوں سے اس ریاست پر حکومت کرتا چلا آیا ہے۔ یہ قلعہ بھی دیکھنے کی چیز ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسے رومیوں نے تعمیر کرایا تھا اسکی بھاری بھاری دیواروں اور ستونوں پر پرانے زمانے کی زرہیں اور ہتھیار لگے ہوئے ہیں۔ اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہاں کے باشندے جنگجو ہیں۔ تمام فوج کو آنے سے ساٹھ برس پہلے غیر مسلح کرا یا گیا تھا اور اسوقت بھی سپاہیوں کی کل تعداد سو سے کم ہی تھی۔ اس ریاست میں اب ایک دو سال سے کچھ موٹریں بھی دکھائی دینے لگی ہیں لیکن صرف شہروں میں۔ گانوؤں میں وہی پرانی بیل گاڑیاں چلتی ہیں۔

انتظام اور امن قایم یہاں مشکل نہیں ہے اور گو وادز کے محکمۂ پولس میں کل چار آدمی ہیں۔ لیکن یہ تعداد بھی ریاست کے اندر امن قایم رکھنے کیلئے کافی ہے

(باقی آئندہ)

نظم

ایک کمھلایا ہوا پھول

میرا گذر جو یارو سوئے چمن ہوا کل — دیکھا کہ سرنگوں ہے اک پھول، اور بیکل
ہے اک سکوت طاری خاموش ہیں ہوائیں — ہر شے پہ ہے اُداسی بے نور ہیں فضائیں
جو پھول رہ گیا ہے پژمردہ اس چمن میں — وہ بھی خزاں کے ڈر سے گویا کہ ہے کفن میں
میں نے کہا بتا تو، کیوں اس قدر ہے غمگیں — مجھسے نہ خوف کھا تو، مجھکو سمجھ نہ گلچیں"
اس نے کہا "نہ پوچھو تقدیر گلستاں کی — ہوں یادگار رنگیں تصویر گلستاں کی
"یوں زندگی ہوئی ہے افسوس مجھکو بھاری — باد بہار چلدی آئی خزاں کی باری
"وہ رقص تتلیوں کا بلبل کا وہ چہکنا — آتا ہے یاد مجھکو رنگین وہ زمانہ
"آغوش میں صبا کی ہیں تو ہوں کھیلا — غم جھیلنے کو لیکن اب رہ گیا اکیلا
"سب ہو گئے ہیں رخصت افسوس میرے ساتھی — میری بھی زندگی ہے دو ایک دن کی باقی
"غافل کے واسطے عبرت کا اک سبق ہوں — شیرازہ چمن کا بکھرا ہوا ورق ہوں"

پُر درد داستاں کی سنتے ہی درد پیہم
میں کیا کہوں کہ مجھ پر کیا گذری ہائے اسدم

قصے کہانیاں

مہنگے انڈے

ملتان کا رہنے والا ایک تاجر اپنی تجارت کے کسی کام سے لاہور آیا۔ صبح سے دوپہر تک کام میں لگا رہا۔ جلدی کے مارے صبح ناشتہ بھی نہ کیا تھا۔ دوپہر ہوتے ہوتے ایسی بھوک لگی کہ جہاں ٹھہرا تھا وہاں تک جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ سامنے ایک بھٹیارے کی دوکان تھی اس میں گھس گیا۔ بھٹیارے کی دوکان بڑی میلی کچیلی تھی۔ برتن بھی صاف نہ تھے۔ پوچھا تو کوئی چیز تازی پکی ہوئی بھی نہ تھی۔ تاجر نے کہا اچھا ایک درجن انڈے تل دو۔ مگر جلدی۔ بہت جلدی۔ بھٹیارے نے جلدی جلدی انڈے تلے اور سامنے لاکر رکھے ہی تھے کہ ایک شخص دوڑا ہوا آیا کہ سیٹھ صاحب نے ابھی ابھی بلایا ہے۔ لین دین کا کوئی بہت ضروری کام تھا۔ تاجر نے کوئی دو تین انڈے منہ میں رکھے اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اور جلدی میں بھٹیارے کو دام بھی نہ دے سکا۔ بیچارہ بھٹیارہ چلاتا ہی رہ گیا۔

کچھ دنوں تو بھٹیارے کو خیال رہا۔ لیکن پھر بات آئی گئی ہوئی۔ دس برس بعد ایک کام سے تاجر کو پھر لاہور آنا ہوا بھٹیارے کی دوکان کی طرف سے گذرا تو اسے اپنا وہ قصہ یاد آیا۔ یہ پھر دوکان میں گیا اور کچھ کھانے کو مانگا۔ جب کھانا آیا تو تاجر نے بھٹیارے سے کہا کہ بھائی تم ہمیں پہچانتے نہیں؟ ہم کوئی دس برس ہوئے ایک دفعہ تمہارے یہاں اور آئے تھے۔ بلکہ تمہارے انڈوں کے دام ہم پر باقی ہیں۔ بھٹیارے نے کہا کہ "جی ہاں خوب آئے۔ میں نے وہ انڈے آپ کے حساب میں لکھ رکھے ہیں۔ وہ ایک درجن انڈے آپ کو ذرا مہنگے پڑیں گے"۔ تاجر نے کہا خیر۔ کتنے دام تو میرے پاس نکل ہی آئیں گے کہ تمہارے انڈوں کے دام دیدوں"۔ بھٹیارہ بولا "دیکھئے اللہ مالک ہے۔ میں نے تو مدت ہوئی قاضی کے یہاں مقدمہ دائر کر دیا ہے۔ وہیں طے ہو جائیگا"۔ تاجر ہنسا اور بولا "اچھا بھائی قاضی جی ہی جو فیصلہ کر دیں وہ منظور۔

دوسرے دن دونوں قاضی کے سامنے گئے۔ بھٹیارے نے انڈوں کا حساب بتایا کہ بارہ، انڈوں سے بارہ بچے نکلتے۔ بڑے ہو کر وہ انڈے دیتے پھر ان انڈوں سے بچے نکلتے پھر وہ انڈے دیتے غرض دس برس میں ہزاروں لاکھوں مرغیاں ہو جاتیں ان سب کے دام تاجر سے دلوائیے۔ قاضی نے تاجر سے جواب مانگا تو یہ غریب کچھ ایسا سٹ پٹایا کہ ایک بات نہ بن پڑی۔ قاضی نے بھٹیارے کے دعوے کو منظور کر لیا۔

اب تو میاں تاجر کا منہ مارے رنج کے ذرا سا نکل آیا عدالت سے باہر نکلے تو اس سوچ میں کہ کتنے روپیہ کا انتظام کہاں سے کروں گا۔ اسی فکر میں شام کو شہر سے ایکطرف جنگل کی طرف نکلے تو ایک چھوٹا سا کوئی گز بھر کا آدمی ملا۔ یہ خود گز بھر کے تھے لیکن داڑھی بھی آدھ گز سے کم نہ تھی۔ تاجر کو دیکھکر بڑے میاں ہنسے۔ اور بولے کہ کیوں میاں کس فکر میں ہو۔ تمہارے منہ پر تو ایسا لگتا ہے جیسے ۱۲ بجے ہوں۔ تاجر کو یہ باتیں بھلی کیسے لگتیں۔ اس نے بڑے میاں کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیا۔ لیکن بڑے میاں ذرا اچک کر اور قہقہہ لگا پھر سامنے آکھڑے ہوئے اور کہنے لگے میاں بگڑتے کیوں ہو۔ ہم سے کہو۔ ہم تمہارا کام نکال دیں گے۔ تاجر کھسیا کر بولا تم سے کہنے سے کیا فائدہ۔ تم کچھ نہیں کر سکتے۔ بڑے میاں نے جواب دیا "بھائی تمہارا کچھ لے تھوڑے ہی جائیں گے۔ کہنے میں کیا ہرج ہے"۔ اس پر تاجر نے سب قصہ سنایا تو بڑے میاں بولے عجب آدمی ہو۔ بس اتنی سی بات میں چپ بول گئے۔ جاؤ قاضی جی سے کہہ آؤ کہ کل ہمارا ایک وکیل آپ کے سامنے آئیگا اور آپ کو سب باتیں سمجھائیگا۔ آپ مہربانی فرما کر اپنے فیصلہ پر پھر سے غور کیجئے۔

تاجر نے قاضی کے سامنے جاکر یہی کہا۔ قاضی نے درخواست منظور کر لی اور دوسرے دن دس بجے کا وقت مقرر کر دیا۔ دوسرا دن

جو ہوا تو تاجر صبح ہی سے بیتاب تھا کہ دیکھئے کیا ہو۔ ۹ بجے سے ہی قاضی کے دروازہ پر پہونچ گیا۔ دس بجے دروازہ کھلا قاضی صاحب پہونچے۔ لیکن بڑے میاں کا کہیں پتہ نہیں۔ قاضی نے پوچھا کہ وہ آپکے وکیل کہاں ہیں۔ بیچارہ تاجر کیا جواب دیتا۔ چپ کھڑا تہا اور دل میں سوچتا تہا کہ یہ بڈھا بھی عجیب جھوٹا ہے خواہ مخواہ مجھ سے درخواست دلوائی۔ اور خود نہیں آیا۔ تہوڑی دیر گذری تو قاضی نے کہا کہ اگر تمہارا وکیل دس منٹ کے اندر نہ آیا تو ہم کل کے فیصلہ کو بحال رکھیں گے۔ بیچارہ تاجر عدالت سے نکل کر ادھر ادھر دیکھنے لگا کہ بڈھا آتا ہے یا نہیں۔ ۵ منٹ گذرے ۶ گذرے۔ گذرکر یا اللہ آئیگا یا نہیں۔ کہ اتنے میں بڑے میاں دوڑتے ہانپتے ہوئے پہونچے۔ دونوں ہاتھوں سے اپنی داڑھی پکڑے ہوئے اور کچھ بہت گھبرائے ہوئے سے۔ تاجر چلایا کہ چلو چلو مقدمہ ختم ہوا جاتا ہے تاجر نے کچھ برا بھلا بھی کہا مگر بڑے میاں نے ایک نہ سنی اور سیدہے عدالت میں جاکر قاضی صاحب سے کہا "السلام علیکم"۔ قاضی صاحب نے کہا "وعلیکم السلام۔ لیکن آپ اتنی دیر رہے کہاں"۔ بڑے میاں نے جواب دیا "مٹر تلتا تھا۔ مٹر" قاضی مسکرایا۔ اور بولا "جی کیا فرمایا"۔ بڑے میاں نے پھر وہی کہا "جی مٹر تلتا تھا مٹر"۔ قاضی نے پوچھا "کیوں تلتے تھے"۔ "جی بونے کے لئے" بڑے میاں نے جواب دیا۔ قاضی نے ہنسکر کہا یہ آج نئی بات سنی کہ مٹر بونے کیلئے انکو تلا بھی جاتا ہے۔ ارے بھائی تلے ہوئے مٹر کہیں اگتے بھی ہیں یہ واقعی نئی سنائی۔

بڑے میاں بولے "نہیں اسمیں نئی بات کیا ہے اتلے ہوئے مرغی کے بچے تو کل نکلے ہی تھے آج تلے ہوئے مٹر اگ آئیں تو کیا عجب"

اب قاضی کی سمجھ میں آیا کہ کل مقدمہ میں غلطی ہوئی۔ بڑے میاں نے بھی دیکھا کہ قاضی سمجھ گیا ہے تو بولے کہ بس اب کل والا فیصلہ بدل دیجئے اور اس تاجر سے ۱۲ تلے ہوئے انڈوں کی قیمت لے لیجئے

قاضی نے حکم دیا کہ کل کا فیصلہ غلط تہا۔ اور تاجر سے کہا کہ اس بھٹیارہ کو ۱۲ آنہ پیسہ دیدو۔ تاجر نے پیسے دیدیئے اور خوشی خوشی عدالت سے نکلا۔ اور بڑے میاں سے کہا کہ خدا تمہارا بھلا کرے تم نے مجھے بڑی مصیبت سے بچا لیا لو یہ سو روپے لو۔ اپنے بال بچوں کے لئے کچھ خرید لینا" یہ کہکر تاجر نے جیب میں سے روپیہ نکالنا شروع کیا۔ اور بڑے میاں کچھ مسکرائے اور مسکراکر زور سے کہلانے اور ایک دم سامنے سے غائب ہوگئے۔ تاجر حیرت میں رہ گیا۔ کہ یہ کیا ہوا۔ تہوڑی دور تک ہوا میں بڑے میاں کی داڑہی کے بال لٹکتے ہوئے دکھلائی دیئے اور بعد کو وہ بھی غائب ہوگئے۔

وفادار نوکر

بہت زمانہ کا ذکر ہے کہ ایک راجہ پنجاب میں راج کرتا تھا۔ ایک بار دربار ختم ہونے پر جب راجہ محل کے اندر گیا تو تمام رانیاں اسکے اردگرد آبیٹھیں اثنائے گفتگو میں سب رانیوں نے ایک زبان ہوکر پوچھا کہ مہاراج آپ کو اپنی ساری سلطنت میں کون شخص سب سے زیادہ عزیز ہے۔ راجہ نے کچھ غور و فکر کے بعد جواب دیا کہ کل میں تم کو اس بات کا جواب دونگا۔ اسکے بعد راجہ ایک نوکر کو منادی کا حکم دیدیا کہ تمام لوگ غربا' امرا' وزرا اور رانیاں تک میرے محل کے سامنے جمع ہوں اور میرے ساتھ چلیں چنانچہ دوسرے دن صبح ہی راجہ نے اپنا رتھ تیار کروایا اور اسکو اس نے زر و مال بھر دیا اور تمام رعایا کو حکم دیا کہ میرے ساتھ رتھ کے پیچھے پیچھے چلیں۔ غرضیکہ رتھ دوڑنا شروع ہوا راجہ نے سب سے پہلے کم قیمت والے سکے پھینکنے شروع کئے بہت سے غربا جو راجہ کے ساتھ ساتھ تھے انہیں اٹھانے لگ گئے۔ اسکے بعد راجہ نے اس سے زیادہ قیمت والے سکے پھینکے جنہیں متوسط لوگ چننے لگے۔ اب راجہ کے رتھ کے پیچھے صرف امرا وزرا اور رانیوں کی پالکیاں رہ گئیں۔ راجہ نے اب کے جواہرات پھینکے' جنکو امرا و وزرا نے لوٹنا شروع کردیا اسکے بعد راجہ نے بیش قیمت و بیش بہا زیورات پھینکے۔

جب رانیوں نے یہ دیکھا تو سمجھیں کہ شاید راجہ بے وقوف ہوگیا ہے اور اس طرح تمام خزانہ لٹا رہا ہے' ہمارے زیوروں کو بھی وہ یوں ضایع کرنا چاہتا ہے۔ چلو ہم تو ضایع نہ ہونے دیں۔ سب رانیوں نے پالکیوں سے نکل نکل کر زیورات اٹھانے شروع کئے۔ اب صرف راجہ کے رتھ کے پیچھے ایک نوکر پسینہ سے تر بتر دوڑتا ہوا رہ گیا' راجہ نے اس نوکر کو اپنے رتھ میں بٹھا لیا دربار میں لے آیا اور اپنے تخت پر دائیں بازو میں جگہ دی اور رانیوں کو بلا کر کہا' سنو تم مجھ سے پوچھ رہی تھیں کہ تمام سلطنت میں کون شخص مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے۔ سو اب تم نے دیکھ لیا کہ سوائے اس آدمی کے کوئی میرا وفادار نہیں سب زر و مال کے بھوکے ہیں سوائے اس نوکر کے جس نے اخیر تک میرا ساتھ دیا

مہربانی کا بدلہ مہربانی سے

ایک کسان اپنے گھوڑے پر غلّے کی بوریاں لادے جارہا تھا۔ کہ اسکے گھوڑے نے یکایک ٹھوکر کھائی اور ایک بوری اس کی پیٹھ پر سے گر پڑی۔ کسان نے بوری کو اٹھاکر دوبارہ گھوڑے پر لادنے کی کوشش کی لیکن بوری اس قدر بھاری تھی کہ وہ اسکو اٹھانے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگا اتنے میں ایک سوار کو دور سے آتے ہوئے دیکھا جب وہ سوار قریب آیا تو کسان کو معلوم ہوا کہ وہ سوار ایک امیر آدمی ہے جو پہاڑی کی چوٹی پر بڑے مکان میں رہتا ہے۔ کسان کو اس امیر سے مدد مانگنے کی کسی طرح جرأت نہ ہوئی۔ لیکن وہ بہت متحیر ہوا جب اس نے دیکھا کہ امیر آدمی خود گھوڑے سے اتر پڑا اور کسان سے کہنے لگا کہ "اے میرے دوست! بہت اچھا ہوا کہ میں اس سڑک سے گذرا ورنہ نہ معلوم تمہیں کتنی دیر اور انتظار کرنا پڑتا" یہ کہہ کر اس نے کسان کی بوری پکڑوائی اور پھر گھوڑے پر لاددی۔ کسان اس شخص کا بہت شکرگذار ہوا اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا کہ میرے آقا! میں آپ کی عنایت کا کس طرح شکریہ ادا کروں!" امیر نے کہا کہ "میرے دوست تم بڑی آسانی سے اسکا بدلہ دے سکتے ہو۔ جب تم کسی کو مشکل میں دیکھو تو تم اُسکی اسی طرح مدد کرو، اور وہ میری مدد ہوگی"۔

تقدیر و تدبیر

ایک بادشاہ نے اپنے ایک مصاحب سے دریافت کیا کہ تمہارا قسمت پر اعتقاد ہے؟ مصاحب نے جواب دیا کہ جی ہاں جناب مجھے قسمت پر کامل ایمان ہے۔ بادشاہ نے مسکرا کر کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ تم کہیں اپنا قول ثابت کرنے میں ناکام نہ ہو۔ مصاحب نے عرض کیا جہاں پناہ ممکن ہے جناب کا ارشاد بجا ہو۔ لیکن ناگوارِ خاطر نہ ہو تو میں اسے ثابت کرنے کی کوشش کروں، جس کا خاکہ میرے ذہن میں اس وقت موجود ہے۔ یہ کہہ کر وزیر نے بادشاہ کے کان میں کچھ آہستہ سے کہا جسکو سنکر بادشاہ نے کہا کہ "بے شک بہت اچھی تدبیر ہے اب وقت ضائع نہ کرو، اسکو جلد آزماؤ"۔

رات کو مصاحب نے بادشاہ کے محل کے کمرے میں ایک تھیلی میں کچھ بھر کر اسے چھت سے لٹکا دیا۔ سوائے بادشاہ اور وزیر کے کوئی بھی نہ جانتا تھا کہ اس تھیلی میں کیا ہے۔ اسکے بعد رات میں دو آدمیوں کو اس کمرے میں بند کردیا۔ ان میں سے ایک آدمی جسے تقدیر پر ایمان تھا ایک کونے میں قسمت پر بھروسہ کرکے لیٹ رہا۔ لیکن دوسرے نے اپنے چاروں طرف دیکھا اور اس تھیلی پر جو چھت سے لٹک رہی تھی اُسکی نظر جا پڑی اس نے تھیلی میں جو ہاتھ ڈالا تو ہاتھ میں مٹر آئی جس کو اس نے کھالیا۔ پھر اس نے دوبارہ اس تھیلی میں ہاتھ ڈالا اور لیکے اس کے ہاتھ جواہرات سے بھر گئے۔ لیکن اس نے رات کی تاریکی میں انہیں پتھر سمجھا اور اپنے ساتھی پر طعنہ کستے ہوئے انھیں پھینکدیا۔ اس نے ان کو اٹھا کر جیب میں رکھ لیا۔ صبح کو بادشاہ نے دونوں کو حکم دیا کہ وہ اپنی اپنی چیزیں جو انھیں تھیلی میں ملی ہے پیش کریں۔ بادشاہ بہت متحیر ہوا جب اس نے دیکھا کہ اس شخص کے ہاتھ میں جواہرات ہیں جو قسمت پر بھروسہ کرکے لیٹ رہا تھا۔ بادشاہ نے اپنے مصاحب کی بات کا یقین کرلیا اور کہا کہ ہاں دنیا میں تقدیر بھی ہے لیکن وہ ایسی ہی کمیاب ہے جیسے کہ مٹر کی تھیلی میں جواہرات" لہٰذا کسی شخص کو اپنی قسمت پر بھروسہ کرکے قانع نہ ہونا چاہئے۔

استاد۔ بتاؤ دھلکے کی کتنی گولیاں چاند تک پہنچنے کے لئے درکار ہونگی؟
شاگرد۔ جناب! ایک ہی پوری ہوسکتی ہے، اگر وہ کافی لمبی ہو۔

استاد۔ (اپنے شاگردوں سے) لڑکو! اگر تم اپنے بورڈنگ ہاؤس میں کوئی چمن لگاؤ تو میں تمہیں بہت کچھ "مالی امداد" بھی دے سکتا ہوں۔
ایک تیز لڑکا۔ جناب والا! آپ خواہ "امداد" دیں یا نہ دیں لیکن ہم تیار ہیں اگر آپ ہمیں صرف "مالی" دے دیں۔

بچوں کے کھیل

انسان کچھ کرنے کے لئے بنایا گیا ہے جب اُسے کوئی اچھا کام نہیں ملتا تو وہ بیکار کام کرنے لگتا ہے۔ یہ عادت بچوں میں بہت ہی۔ جب انکے پاس فارغ اوقات میں کوئی اچھا کھیل کھیلنے کو نہیں ہوتا تو وہ طرح طرح کی شرارتیں اور بعض اوقات نہایت ذلیل ذلیل حرکتیں کرنے لگتے ہیں نیچے ہم چند ایسے کھیل اور تفریح کی باتیں درج کرتے ہیں جن سے انہیں بہت دلچسپی ہوگی اور اس سے انکا وقت بھی اچھا گزرے گا۔

چڑیوں کا کھیل

یہ ایک بہت دلچسپ کھیل ہے اور جسے بہت سے بچے ملکر کھیل سکتے ہیں۔ یہ کھیل اسطرح پر کھیلا جاتا ہے کہ کچھ لڑکے جو کھیلنے والے ہوں وہ اپنے اپنے نام کسی نہ کسی پرندے کے نام پر رکھ لیں اور ایک ان میں سے چور بنجائے۔ پھر تمام لڑکے اِدھر اُدھر کسی درخت یا جھاڑی کی آڑ میں چھپ جائیں اور جو لڑکا چور ہو وہ مختلف پرندوں کے نام لے لیکر پکارے جس جس لڑکے کا نام آتا جائے



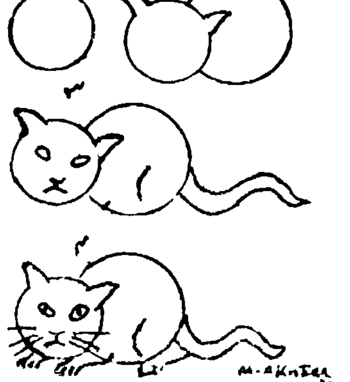
وہ اپنے چھپنے کی جگہ سے نکلکر ہو جاتا ہے۔ جو لڑکا اپنے نام پر نہ بولے وہ چور سمجھا جائیگا اور پھر اسکے بعد وہ [illegible] نام [illegible] دیکھنے میں یہ کھیل کچھ نہیں معلوم ہوتا لیکن کھیلنے [illegible] جاتا ہے۔

کھیل کا کھیل اور سبق کا سبق

یہ تو کئی لڑکوں کے ملکر کھیلنے کا کھیل تھا۔ لیکن فرض کرو کہ بعض وقت کوئی لڑکا اکیلا ہو اور دھوپ یا بارش کیوجہ سے وہ کہیں باہر نہ جا سکتا ہو اسوقت وہ کیا کرے؟ نیچے ہم ایک ایسا کھیل بتاتے ہیں جو کھیل کا کھیل ہے اور سبق کا سبق۔

چار چیزیں لو، ایک پنسل، ایک ورق کاغذ، ایک پیسہ اور ایک دھیلا اگر تم میں سے کوئی امیر ہے تو وہ چاندی کی اٹھنی اور چونی لے لے۔ سب سے پہلے چھوٹے سکے کی مدد سے کاغذ پر ایک دائرہ بناؤ، جیسا کہ تم شکل نمبر ا میں دیکھ رہے ہو۔ اسکے بعد بڑے سکے کو اس دائرہ پر رکھکر ایک اور دائرہ اس طرح بناؤ کہ چھوٹے دائرے کی لکیر نہ کٹے جیسے کہ تصویر ۲ میں ہے۔ پھر اسکے بعد بڑے دائرے کے دائیں جانب ٹیڑھی لکیریں کھینچدو اور چھوٹے دائرہ کے بیچ میں دو آنکھیں اور ایک منہ سا بنا دو۔ جیسا کہ تم تیسری تصویر میں دیکھ رہے ہو۔ اب تم کچھ کچھ سمجھنے لگے ہوگے کہ یہ دو دائرے ہی نہیں ہیں بلکہ یہ کسی جانور کی تصویر بنتی جا رہی ہے اور یہ بھی جان گئے ہوگے کہ کس جانور کی تصویر ہے؟ لہذا اخیر میں باقی چیزیں جو رہگئی ہیں یعنی مونچھیں پنجے ہتھیلیاں وغیرہ وہ بھی پوری کر دو اور اسطرح تمہاری بلی مکمل ہوگئی۔

اسی طرح اور جانوروں کی تصویریں بھی سوچ سوچ کر بنائی جا سکتی ہیں۔



ہر بچّہ کے پاس ایک علیحدہ کتب خانہ ہونا چاہئے

جس میں

"پیام تعلیم" یا کوئی دوسرا اخبار آتا ہو اور ہر مہینے چند نئی کتابوں کا اضافہ ہوتا ہو

(۱) اس فہرست کی سب کتابوں کی قیمت تو عہ ہے جو ایکدم صرف خاص خاص بچے خرید سکیں گے لیکن ہر مہینے ۶ ماہانہ کی کتابیں سب ہی خرید سکتے ہیں۔

(۲) اگر کوئی بچہ عہ سے بھی کم کی کتابیں لینا چاہتا ہے تو ایک کارڈ میں اپنی پسند کی کتابیں لکھکر ہم سے دریافت کرے کہ کتاب کی قیمت کے علاوہ ٹکٹ پر کتنے پیسے اور خرچ ہوں گے۔ ہم اُسی دن اس کو جواب دیدیں گے۔

کہانیاں

	قیمت	
(۱) چڑیا چڑے کی کہانی		۲ر
(۲) چوہے بلی نامہ	"	۲ر
(۳) کرمودھ مو	"	۴ر
(۴) نقلی شہزادہ	"	۴ر
(۵) گدھے کی سرگذشت	"	۴ر
(۶) ترکوں کی کہانیاں	"	۴ر
(۷) نیم چیپی	"	۳ر
(۸) زرداد	"	۲ر
(۹) لنگڑا ماموں	"	۳ر
(۱۰) شہر شہری شہریت	"	۵ر
(۱۱) لکشمی	"	۶ر
(۱۲) حکایات شیریں جلد اول	"	۲ر
(۱۳) " جلد دوم	"	۲ر
(۱۴) " جلد سوم	"	۲ر
(۱۵) " جلد چہارم	"	۲ر
(۱۶) سولہ کہانیاں		۱۲ر

اسکاوٹ کی ۳ ضروری چیزیں

(۱) فرسٹ ایڈ چارٹ۔ یہ دیوار پر لٹکانے والا نہایت عمدہ نقشہ ہے جس میں "فرسٹ ایڈ" کے متعلق مفصل معلومات ہیں ۱۲ر

(۲) ضروری معلومات۔ یہ اسکاوٹنگ پر بڑی اچھی کتاب ہے ہر اسکاوٹ کے پاس رہنا ضروری ہے ۳ر

(۳) ٹنڈر فٹ ٹسٹ کارڈ۔ پہلے امتحان کی تمام باتوں کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ چھوٹا سا کارڈ ہے جو ہر وقت جیب میں رکھا جا سکتا ہے۔ ۲ر

عربی سکھانیوالی کتابیں

عربی کی پہلی۔ مصنفہ احمد شاہ صاحب	۳ر
" دوسری " " "	۴ر
" تیسری " " "	۵ر
عربی بول چال حصہ اول۔ مصنفہ حافظ عبد الرحمن صاحب	۱۰ر
" " حصہ دوم	۱۲ر

نظمیں

	قیمت	
(۱) بچوں کے گیت		۴ر
(۲) سنہری گیت	"	۳ر
(۳) پھول باغ حصہ اول	"	۱۲ر
(۴) " حصہ دوم	"	۶ر
(۵) راکھ بیگم	"	۱ر
(۶) بیاض رنگین حضور	"	۵ر
(۷) مناجات ذکا	"	۱ر
(۸) رباعیات حالی	"	۳ر
(۹) حب وطن	"	۳ر
(۱۰) مناجات بیوہ	"	۴ر
(۱۱) چیپ کی داد	"	۲ر
(۱۲) درس عمل	"	۴ر
(۱۳) مرزا پھویا	"	۱ر
(۱۴) بیاض گل	"	۸ر
(۱۵) آغوش مادر	"	۱ر
(۱۶) پہیلیاں	"	۱ر

مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

جسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶

ٹیلیفون نمبر ۲۲۱۹

پیام تعلیم

نرخنامہ اشتہارات
فی صفحہ شے/
نصف صفحہ صہ/
چوتھائی صفحہ سے/

نرخنامہ چندہ
سالانہ عہ/
ششماہی سہ/
فی پرچہ ا/

ایڈیٹر: سعید انصاری۔ بی اے (جامعہ)

نمبر ۸ | ۷ مارچ سنہ ۱۹۳۰ء | جلد ۵

فہرست مضامین

دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟

ہندوستان کے اندر

معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ مہاتما گاندھی ۱۲ر مارچ کو سول نافرمانی کا الٹی میٹم وائسرائے کو دیں گے اور ۲۰ر مارچ کو سول نافرمانی شروع کر دینگے پہلے نمک کی کانوں پر حملہ کیا جائیگا۔ گاندھی جی کا ارادہ ہے کہ وہ سول نافرمانی کا آغاز آشرم والوں سے کرائیں گے، کیونکہ وہ اپنے آپ کو اور آشرم والوں کو آزمانا چاہیئے ہیں۔ گاندھی جی کو یقین ہے کہ سول نافرمانی کے جرم میں گرفتار ضرور کئے جائیں گے۔ اس لئے ستیہ گرہ کرنیوالوں کو نصیحت فرماتے ہیں، کہ وہ مرجائیں لیکن تشدد رونما نہ ہونے دیں۔ انکو تمام ملک سے عموماً اور گجرات سے بہت بڑی قربانی کی توقع ہے۔

تین روز سے آل پارٹیز کانفرنس کا جلسہ غیر رسمی طور پر نیو دہلی میں ہو رہا تھا۔ وہ یکم مارچ کو ختم ہوا۔ پچاس لیڈر ہندو مسلمان، عیسائی اور سکھ قوم کے شریک تھے، مالوی جی، مولانا محمد علی وغیرہ نے ہندو مسلمانوں کے اتحاد پر معرکۃ الآرا تقریریں کیں۔ مولانا محمد علی کی تقریر کا اثر لبرل پارٹی پر خاص طور پر بہت زیادہ ہوا، ایک کمیٹی تیس آدمیوں کی بنائی گئی ہے تاکہ وہ فرقہ وارانہ مسائل کا حل کرے، اگر یہ لوگ ان مسائل کے حل کرنے میں کامیاب ہو گئے جیسا کہ توقع ہے تو باضابطہ طور پر بہت جلد آل پارٹیز کانفرنس کا انعقاد ہوگا۔

بنارس میں کدار پر شاد اسسٹنٹ سکریٹری اور ودیا دھر ممبر بنارس یوتھ لیگ کو "بم کا فلسفہ" نامی اشتہار چسپاں کرنیکے الزام میں چار چار ماہ قید اور پچاس روپیہ جرمانہ بصورت عدم ادائیگی جرمانہ دو دو ماہ قید محض کی سزا ہوئی ہے۔

ہندوستان کے باہر

پیام تعلیم کے کسی گذشتہ اشاعت میں یہ خبر دی جا چکی ہے کہ سلطان ابن سعود اور والی عراق کے درمیان برطانیہ مصالحت کرانے کے لئے کوشاں ہے، چنانچہ ایک کانفرنس کے انعقاد کی تجویز ایک برطانی جنگی جہاز "لوپن" بمقام خلیج فارس میں ہوئی تھی۔ اب تازہ ترین خبر یہ ہے کہ ۲۵ر فروری کو دونوں عراقی و نجدی بادشاہوں نے ایک دوسرے کی مزاج پرسی کی اور ایک دوسرے کو مبارکباد دیکر ہاتھ پکڑے ہوئے سیلون میں داخل ہوئے۔ حکومت برطانیہ کی جانب سے ہر دو بادشاہوں کی ملاقات پر اظہار خوشنودی کا پیغام پہنچایا گیا اور ایک معاہدہ مرتب ہو گیا جس میں تمام ہمسایہ حقوق کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک دوسرے کے مطالبات کو تسلیم کیا گیا اور جو مشکلات اس وقت تک حائل تھیں وہ سب دور کر دی گئیں۔

عرصہ سے اخبارات میں یہ خبر آرہی ہے کہ شاہ نادر خاں بادشاہ افغانستان سخت علیل ہیں۔ نیز امان اللہ خاں سابق شاہ افغانستان کی نقل و حرکت سے عام طور پر یہ قیاس آرائیاں کیجارہی تھیں کہ وہ افغانستان جارہے ہیں اور اپنا کھویا ہوا تخت پھر سے حاصل کریں گے، اب ان دونوں خبروں کی تردید ہو گئی ہے معلوم ہوا کہ یہ انکے مخالفین کی شرارتوں کا نتیجہ تھا، سابق شاہ امان اللہ خاں اپنی ہمشیرہ کی مجوزہ شادی کے سلسلے میں جو مصطفیٰ کمال پاشا سے ہونیوالی ہے۔ انگورہ گئے ہوئے ہیں۔

پہلے خبر دی جا چکی ہے کہ لندن میں مختلف دول کے نمایندوں کا ایک اجتماع اس غرض سے ہوا کہ جنگی بیڑوں کی روز افزوں قوت کے لئے کوئی حد مقرر کرے۔ اب معلوم ہوا کہ وہ اجتماع ختم ہو گیا، توقع کیجاتی ہے کہ کانفرنس اپنے مقاصد میں کامیاب ہوگی۔ اور اس کامیابی کا اثر بہت گہرا تقریباً تمام ممالک پر پڑیگا۔

والدین اور اُستادوں کا صفحہ

سیرت کی تربیت

ہم نے پچھلے پرچہ میں ان تدبیروں کا مختصر سا ذکر کیا تھا جن سے اس زمانہ کے اچھے معلم اور محقق بچوں کی سیرت سے واقفیت حاصل کرتے ہیں۔ تاکہ اس کی تربیت میں اس واقفیت سے مدد لے سکیں۔ ان لوگوں نے سیرت کی تربیت میں مدد لینے کے لئے اور بہت سے مسائل پر بھی تحقیق کی ہیں مثلاً اس مسئلہ پر کہ بچوں کی سیرت کے سب یا کچھ اجزا انھیں اپنے والدین کے ورثہ میں ملتے ہیں یا نہیں۔ سیرت پر ماحول کا کیا اثر ہے؟ بعض تو اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ورثہ میں بچوں کو سیرت کا کوئی حصہ نہیں ملتا۔ صرف جسمانی خصوصیات ملتی ہیں۔ جیسے آنکھوں کا رنگ، ہڈی کی لنبائی، سر کی ساخت، چمڑے کا رنگ وغیرہ۔ ایک مشہور محقق ج۔ ب۔ واٹسن کا قول ہے: "ایک درجن تندرست بچے مجھے دیدو۔ ہاتھ، پاؤں، ناک، کان کے اچھے اور صحیح اور میں انکی تربیت کے لئے اپنی دنیا بنا سکوں۔ تو میں ذمہ لیتا ہوں کہ ان میں سے جسے کہو لے لوں اور جس چیز کا ماہر کہو بنا دوں۔ ڈاکٹر، وکیل، تاجر، سردار بنا دوں، یا پکا چور، فقیر اور گداگر۔ اور اس میں اسکا ذرا خیال نہ کروں کہ ان کے والدین کی کیا صلاحیتیں ہیں، کیا قابلیتیں، پیشے، کیا نسل؟" دوسرے محققوں نے دیکھا کہ بعض اخلاقی عیب یا خوبیاں برابر خاندانوں میں چلتی ہیں تو انھوں نے ہزاروں عیب دار اور بے عیب بچوں، اور ہزاروں خاندانوں کے حالات چھان ڈالے۔ ان سب تحقیقاتوں میں سے کسی سے یہ تو ثابت نہیں ہو سکا کہ بدمعاشی، بداخلاقی وغیرہ بچوں میں نسلاً منتقل ہوتی ہے۔ جو بات ثابت ہوئی وہ یہ کہ بعض اخلاقی اچھائیاں یا بُرائیاں بعض خاندانوں میں نسلاً بعد نسلٍ چلتی رہتی ہیں۔ یہ اب تک نہیں کہہ سکتے کہ یہ نسلاً ورثہ میں پہنچتی ہیں یا والدین اپنی تعلیم اور اپنی مثال سے انھیں بچوں تک منتقل کرتے ہیں۔

اسی طرح سیرت پر ماحول کا اثر پڑتا ہے اس کی تحقیق بھی کر ڈالی ماحول میں پہلے گھر کے اثرات کو لیا، پھر مدرسہ کے اثر کو، اور اس کے بعد گھر اور مدرسہ سے علاوہ دیگر اثرات کو۔ گھر کی مادری حالت سے جو اثر بچوں پر پڑتا ہے اسکا حال ہزاروں بچوں اور گھروں کو دیکھ کر لگایا گیا، پھر گھر میں رہنے والوں یعنی ماں، باپ بھائی بہن کے باہمی تعلقات سے سیرت پر جو اثر پڑتا ہے اس کی چھان بین کی۔ مدرسہ میں کن چیزوں سے سیرت پر اچھا اثر پڑتا ہے، کن سے بُرا؟ اس پر متعدد آدمیوں نے تحقیق کی ہے۔ خصوصاً اس مسئلہ پر تو امریکہ میں تربیت سیرت کی تحقیقاتی کمیٹی نے بہت کام کیا ہے کہ بچے مدرسہ میں دھوکہ کیوں دیتے ہیں؟ گھر اور مدرسہ کے علاوہ ساتھیوں، دوستوں کا جو اثر سیرت پر ہوتا ہے؟ فرصت کے اوقات صرف کرنے کے طریقے، تفریح اور کھیل کی نوعیت سے، مختلف کلبوں یا مجمعوں کے تعلق سے سیرت کس طرح متاثر ہوتی ہے یہ سب سوال بھی خوب چھانے جا چکے ہیں۔ ہم ان تحقیقوں کی تفصیل بیان کرنے سے بہتر اسے سمجھتے ہیں کہ انکے نتائج سے آپ لوگوں کو آگاہ کر دیں تاکہ اللہ جسے توفیق دے وہ ان سے فائدہ اُٹھائے۔

والدین خیال رکھیں کہ

(۱) خاندان میں سب سے بڑے بچے کی سیرت کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ اسکی سیرت میں نقص پیدا ہونیکا سب سے زیادہ امکان ہے۔ اکلوتہ بچہ بھی لاڈ پیار سے اکثر بگڑ جاتا ہے مگر سب سے بڑا بچہ چھوٹے بچوں کے مقابلہ میں اکثر برائیوں کا حامل بنجاتا ہے۔

(۲) ماں باپ کی باہمی ناچاقی اور ان میں بُری اور قابل اعتراض عادتیں بچوں کو عیب دار بنا دیتی ہیں۔

(۳) گھر کی جو بُرائی بچوں پر سب سے خراب اثر کرتی ہے، وہ بدانتظامی اور بے ادبی ہے۔ اس کے بعد والدین کی بُری عادتیں، پھر والدین کے باہمی تعلقات کی خرابی اور سب سے کم والدین کا افلاس۔

(۴) بچہ کی سیرت، اس کے میلان طبع اور رجحانات، اور اس کے عام چلن پر اس کے مدرسہ کے ساتھیوں، دارالاقامہ کے ساتھیوں اور دوستوں کا بہت اثر ہوتا ہے۔ اس لئے بچہ کو دوسرے بدخصلت بچوں

کے ساتھ چھوڑنا، سے جان بوجھکر بگاڑنا ہے۔

(۵) سیرت کے لئے بچہ کی زندگی کے پہلے چند سال بلکہ پہلے چند مہینے بہت اہم ہوتے ہیں۔ ۵ سال کی عمر سے پہلے پہلے جو عادتیں بچہ میں پڑجاتی ہیں اُنھیں تقریباً مستقل سمجھنا چاہیئے۔ یہی اسکی ساری سیرت کی بنیاد بنجاتی ہیں

اُستاد یاد رکھیں کہ

(۶) مدرسہ میں اُستاد شاگرد کا تعلق ہمدردی اور معاونت کا تعلق ہونا چاہیئے نہ کہ دوکاندار اور گاہک کا، ورنہ آقا اور غلام کا۔ جن مدرسوں میں یہ تعلقات اچھے ہوتے ہیں وہاں کے لڑکے بہت کم جھوٹ بولتے، دھوکہ دیتے ہیں جہاں ناگوار ہوتے ہیں وہاں بہت!

(۷) بچہ کی سیرت پر اپنے مدرسہ اور اپنی جماعت کی اخلاقی شہرت یا بدنامی کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ نیکنام مدرسہ کے بچے عموماً نیک بننے کی زیادہ کوشش کرتے ہیں۔ مدرسہ اور جماعت کا بے لکھا قانون چھپے ہوئے قواعد وضوابط سے بہت زیادہ اثر رکھتا ہے۔

(۸) اگر آپ اپنے شاگردوں کی سیرت بہتر بنانا چاہتے ہیں تو روز چند اخلاقی تعلیم کے جملے انکے سامنے بول دینے سے یا کسی الہامی کتاب یا اخلاقی دستور کے چند صفحے انکے نصاب میں رکھ دینے سے یہ چیز حاصل نہیں ہوسکتی اسکے لئے سارے نصاب ہی کو نہیں بلکہ مدرسہ کے سارے کام کو جس میں تعلیمی اور تربیتی کام دونوں شامل ہیں از سر نو ترتیب دینے کی ضرورت ہے،

والدین، اُستاد اور ہر شخص جسے بچوں سے سابقہ ہے، خوب سمجھ لے کہ

(۹) اخلاقی اصولوں کے جاننے یا اخلاقی اعتبار سے اچھے بُرے کی تمیز کرسکنے سے عمل پر بہت کم اثر پڑتا ہے آدمی کی سیرت پر اسکے جذبات، خواہشات، محرکات طبعی میلانات کا براہ راست اثر پڑتا ہے، علم کا بہت بالواسطہ، اچھی سیرت کے لئے بہت سا علم درکار نہیں، چند اچھی عادتیں درکار ہیں۔

(۱۰) آدمی کے چلن پر کسی وقت یا کسی جگہ کے مخصوص حالات بہت زیادہ اثر رکھتے ہیں کوئی خاص صلاحیت یا خصلت آدمی میں نہیں ہوتی جو اس سے ہمیشہ سچائی یا برائی کرائے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جو لڑکا کبھی استاد کو دھوکہ دینے میں تامل نہیں کرتا وہ اپنے ساتھی کو دھوکہ نہیں دیتا، جو اپنے ماں باپ کی جیب سے پیسے چرا لیتا ہے وہ کسی دوسرے کی جیب سے پیسہ نہیں نکالتا۔ اس لئے اگر کبھی کسی بچہ کو جھوٹ بولتے، یا چوری کرتے، یا دھوکہ دیتے پکڑ لو تو اس کی ساری سیرت کے متعلق کوئی بُری رائے نہ قائم کرنی چاہیئے۔ اس میں اپنا بھی نقصان ہے اور بچہ کا بھی۔

جامعہ کی عید

دلی کی عید اور عید کے بعد ٹریوں ہی کیا کم پُر لطف ہوتی ہے۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ وہ لطف جو جامعہ کے ایک طالب علم کو جامعہ میں جامعہ کے اساتذہ کے خلوص و محبت کی وجہ سے انکو حاصل ہوتی ہے اسکا حال کچھ ہمیں کے طلبا جان سکتے ہیں باہر کے لوگوں کو اس کا صحیح اندازہ کرنا مشکل ہے، جو ایک دفعہ یہاں رہا وہ گھر کی عید بھول گیا اور بھولے سے بھی گھر جانیکا نام نہیں لیا۔ وہ منظر کیا ہی پُر لطف تھا جب جامعہ کے اکثر طلبہ اور اساتذہ عید کے دن کھدر کے یکساں لباس میں یک ساتھ عید گاہ نماز پڑھنے گئے، اور واپس آئے واپسی میں سب سے پہلا حملہ انکا مولانا محمد علی صاحب کے ہاں ہوا، مولانا موصوف سے عید ملے سویاں کھائیں، اور پھر یہ گروپ شیخ الجامعہ کے ساتھ ساتھ ان کے گھر تک گیا اور وہاں بھی قائم گنجی بیر جو وطن کی مخصوص چیز تھی اور سوئیوں سے نوازا گیا، الغرض دن کے دو بجے تک ہر چھوٹے بڑے اُستاد کے ہاں دھاوا ہوتا رہا۔ دو بجے کے بعد متوسط عمر کے لڑکوں کی تربیت گاہ پر جاکر اس انتظام میں مشغول ہوئے جہاں پر شام کو ہمارے اساتذہ کی نیز شہر کے ان معززین کی جو جامعہ سے دلچسپی لیتے ہیں اور اسمبلی کے بعض اُن ارکان کی جو آجکل دلی میں ٹھہرے ہوئے تھے دعوت ہونیوالی تھی، شام ہوتے ہوتے تمام انتظامات مکمل تھے۔ روشنی اور جھنڈیوں کے معقول انتظام سے کوٹھی دُلہن بن رہی تھی، ۸ بجے کے بعد جب کہ مولانا محمد علی، شفیع داؤدی، مرتضیٰ صاحب، ڈاکٹر سلیم الزماں، طبیہ کالج کے حکما، اور ڈاکٹر صاحبان وغیرہ وغیرہ آچکے تھے، کھانا کھایا کھانے کے بعد چھوٹے طلبہ نے قومی گانے گائے، مہمانوں کی جماعت میں عبداللطیف صاحب فاروقی ممبر اسمبلی اور ڈاکٹر سلیم الزماں صاحب نے نمائندگی کی اور اس کے بعد مولانا محمد علی صاحب کے اصرار پر جامعہ کے محترم اُستاد مولانا شرف الدین صاحب نے حاضرین کو اپنی شعر و شاعری سے محظوظ فرمایا، آخر یہ پُر لطف صحبت رات کے ساڑھے گیارہ بجے تک جاری رہی اور مولانا محمد علی صاحب کی مختصر سی تقریر کے بعد ختم ہوگئی۔

رفتارِ تعلیم

ناگری پرچارنی سبھا کو گرانبہا عطیہ

بنارس کے ایک علمدوست ہندو کالا پرشاد خاں نے اپنا تمام تاریخی اور تصویری ذخیرہ بنارس ناگری پرچارنی سبھا کو دیدیا ہے۔ اس ذخیرہ کی قیمت ایک لاکھ سے زیادہ ہے، سبھا نے اس ذخیرہ کو اپنی عمارت کے بالائی منزل میں منتقل کر دیا ہے جو حال ہی میں ۲۵ ہزار روپیہ کی لاگت سے تیار ہوئی ہے۔ کارکنانِ سبھا کا ارادہ ہے کہ اس ذخیرہ میں اور اضافہ کیا جائے تاکہ ایک مکمل تصویری اور تاریخی کتب خانہ بنجائے۔

گزشتہ سال کے نوبل پرائز

نوبل پرائز کے نام سے اکثر لوگ واقف ہوں گے۔ اس سال ادب کا انعام جرمنی کے ایک مشہور افسانہ نویس ہر تھامس من نامی کو ملا ہے۔ یہ انعام اسکو "رڈنبروک" کی وجہ سے دیا گیا ہے۔ ۱۹۲۸ء کا طبیعیات کا انعام لندن کے شاہی کالج کے ناظم طبیعیات او۔ ڈبلیو رچرڈسن کو ملا ہے اور ۱۹۲۹ء کا انعام پیرس کے ڈیوک ڈی بروگلی کو دیا گیا ہے۔ ان دونوں نے برقی ذرات کے متعلق مفید انکشافات کئے ہیں کیمیا کا انعام اس سال لندن کے دو ماہرین علم الکیمیا میں تقسیم کیا گیا ہے جن کے نام آرتھر ہرون اور اسٹاکم ہیں۔

جلسہ تقسیم اسناد جامعہ عثمانیہ

۱۳ر جنوری ۱۹۳۰ء کو جامعہ عثمانیہ کے جلسہ تقسیم اسناد میں ۶۵ گریجوٹوں کو جنمیں تین ایم۔ اے اور تیرہ ایل ایل بی بھی شامل تھے سندیں عطا کی گئیں نواب سر نظامت جنگ بہادر نے اپنے خطبہ میں گریجوٹوں کو مخاطب کر کے تعلیم کے اصلی مقصد کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا کہ ہمارے طلبہ کو مغربی علوم کے ساتھ ساتھ مشرقی علوم کا مطالعہ بھی کرنا چاہیئے۔ آپ نے یہ توقع ظاہر فرمائی کہ وہ زمانہ بہت قریب ہے جب کہ جامعہ عثمانیہ مشرقی علوم و تمدن کا مرکز بنجائیگی۔ اور آخر میں علم الاخلاق کے مطالعہ کی تلقین کی۔

قلمرو روس میں لاطینی حروف کا رواج

ایشیا میں ترکی حکومت نے اپنے ہاں لاطینی رسم الخط رائج کرنے میں سب سے زیادہ پیشقدمی کی ہے۔ یورپ میں بھی یہ رسم الخط روز بروز عام ہوتا جاتا ہے۔ ابھی ماسکو سے خبر آئی ہے کہ یکم جنوری ۱۹۳۰ء سے تمام قلمرو میں لاطینی رسم الخط جاری کر دیا جائیگا۔

روسی کالجوں کے ہندوستانی طلبہ

دارالعوام میں کمانڈر بلیر نے سوال کیا کہ آیا سویٹ گورنمنٹ سے ہندوستانی اور دوسرے حصص سلطنت کے طالب علموں کے متعلق کوئی مراسلت کی ہے؟ جنکو سویٹ روسی کالجوں میں انقلابی تعلیم دی جا رہی ہو۔

مسٹر ہینڈرسن نے جواب میں کہا کہ مجھے کوئی خبر نہیں اور تفصیلات معلوم کرنے کی خواہش ہے خصوصاً ان ہندوستانی طلبہ کے متعلق جنہیں ماسکو میں تعلیم دی گئی ہے اور قید ہیں۔

سوڈان کی موجودہ تعلیمی حالت

وزیر تعلیم سوڈان نے اخبار "حضارۃ النسواں" میں ۱۹۲۸ء اور ۱۹۲۹ء کی رپورٹ شائع کی ہے جسکا خلاصہ یہ ہے:۔

شمالی سوڈان میں تعلیمی ادارے دیگر درسگاہوں کے علاوہ "گورڈن کالج" اور گیارہ ابتدائی مدارس ہیں ۱۹۲۵ء میں کالج مذکور کے طلبہ کی تعداد ۶۴ تھی مگر تھوڑے ہی دنوں میں ۲۴۴ تک پہنچ گئی ہے اور ابتدائی مدارس میں اسوقت ایک ہزار دو سو طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ ۱۹۲۶ء میں تمام درسگاہوں میں طلبہ کی تعداد ۹ ہزار تھی ۱۹۲۸ء میں یہ تعداد ۱۲ ہزار تک پہنچ گئی ہے۔

سوڈان میں مختلف مقامات پر انجنیری، تجارت اور سنگ تراشی کی تعلیم کے لئے تین صنعتی مدرسے ہیں۔ ان مدارس سے جو طلبہ فارغ ہو کر نکلتے ہیں انکو فوراً ملازمت مل جاتی ہے۔

زبان

پیارے بچو! تم خیال کرتے ہوگے کہ خداوند کریم نے ہمیں زبان اس لئے عطا فرمائی ہے کہ ہم اُسکے ذریعہ آپس میں باتیں کرسکیں اور ہر تم کے کھانوں کا لطف اُٹھاسکیں۔ مگر نہیں۔ صرف اتنے ہی کے لئے ہمیں زبان عطا نہیں ہوئی ہے۔

خداوند کریم نے ہمیں زبان اس لئے دی ہے کہ ہم اُسکی قدرت اور کاریگریوں کو دیکھکر نہ صرف دل سے بلکہ زبان سے بھی اُس کی وحدانیت کا اقرار کریں۔ اور جب ہم اُسکی دی ہوئی نعمتوں سے فائدہ اُٹھائیں تو اُس کا شکریہ ادا کریں کہ "اے مالک! بیشک تو بڑا مہربانی کرنے والا ہے"۔

جب کسی مصیبت میں پھنس جائیں اور مشکلوں کا سامنا ہو تو اُسکے ذریعہ سے اپنے پیدا کرنے والے سے مدد چاہیں کہ "اے ہم سب کے پالنے والے! ہماری مصیبتوں کو دور، اور مشکلوں کو آسان کر"۔ جب ہم سے کوئی گناہ ہوجائے تو اپنی زبان سے اُسکا اقرار کرتے ہوئے دعا کریں کہ "پروردگار! ہماری خطاؤں کو معاف فرما، گناہوں کو بخشدے اور ہمیں نیک کاموں کی توفیق دے"۔

پیارے بچو! زبان کو تم کوئی معمولی چیز نہ سمجھو اور اُسے ذرا گوشت کا لوتھڑا ہی نہ جانو۔ یہ بڑے کام کی چیز ہے اور اس میں بڑے بڑے گُن بھرے ہوئے ہیں مگر یہ بھی یاد رکھو کہ یہ جتنی فائدہ مند ہے اتنی ہی خطرناک اور نقصان دہ بھی ہے۔ تم تعجب کروگے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ اچھا سنو۔

اگر یہ انسان کے قبضہ میں ہے اور من مانی کام نہیں کرتی تو یہ ہر طرح سے فائدہ کی چیز ہے۔ ایسی حالت میں یہ انسان کی مددگار ہے، اُسکی نیک نامی اور شہرت کا سبب ہے اور اُس کی ناموری کا ذریعہ ہے۔ یہ اپنی میٹھی میٹھی باتوں سے ہر ایک کو انسان کا دوست بنا دیتی ہے اور اسکی تمام مشکلوں کو آسان کرتی ہے۔

دنیا میں جتنے ولی، نبی، رشی اور منی گذرے ہیں سب نے پہلے اس پر قابو حاصل کیا۔ بُرے الفاظ اور ناشایستہ باتوں کے کہنے سے اسے روکا اور جھوٹی باتوں سے اسے بچایا۔ اُنھوں نے ہر ایک سے نرمی کے ساتھ باتیں کیں اور یہ خیال رکھا کہ اُنکی باتوں سے کسی کا دل نہ دکھے۔ یہی وجہ ہے کہ آج اُنکا نام دنیا میں روشن ہے اور عزت کے ساتھ لیا جاتا ہے۔

ایسی زبان جو انسان کے قابو میں نہ ہو، دو کوڑی کی ہے جس شخص کی زبان اُس کے قابو میں نہیں سمجھنا چاہیئے کہ اُس نے ایک ناگن پال رکھی ہے جس کے زہر کا کوئی اُتار نہیں۔ ایسی زبان بہت ہی خطرناک اور رنج پہنچانے والی ہے۔ یہ کبھی اپنی رکھائی اور سخت کلامی سے اس کو انسان کا دشمن بنا دیتی ہے کبھی اپنی بے موقع باتوں سے اُسے شرمندہ کرتی ہے۔ کبھی اُسکے راز کی باتوں کو ظاہر کرکے اُسے ذلیل اور بدنام کرتی ہے۔ اور کبھی جھوٹ بولکر اُسے مصیبت میں پھنسا دیتی ہے۔ اسی نے یہ کہہ کرکہ "اے خداوند کریم! کیا تو ایسے کو دنیا میں حکومت کرنیکو بھیجنا چاہتا ہے جو وہاں دنگا فساد کرے"! تمام فرشتوں کو نیچا دکھلا دیا۔ اسی نے ابلیس ایسے زاہد اور عابد کو یہ کہہ کرکہ "آدم خاک سے ہے اور میں آگ سے میں اُسے سجدہ نہیں کرسکتا" فرشتوں کے زمرے سے نکلوا دیا اور کہیں کا نہ رکھا۔ اسی نے خود تو گیہوں کھایا اور حضرت آدمؑ کو بہشت سے نکلوایا۔

پس اے عزیز بچو! اگر تم چاہتے ہو کہ دنیا میں نام پیدا کرو۔ عزت حاصل کرو۔ اچھے کہلاؤ اور ہر دلعزیز بنو تو سب سے پہلے اپنی زبان درست کرو یعنی سچ بولو۔ بُرے الفاظ کے استعمال سے پرہیز کرو۔ ہر ایک سے ہنس مکھ ہوکر باتیں کرو۔ جو بات کہو سوچ سمجھکر۔ جو بات کرو موقع محل سے۔ ہمیشہ یہ خیال رکھو تمہاری زبان سے کوئی ایسا جملہ نہ نکلے جو کسی کو ناگوار گزرے اور اُس سے کسی کے دل کو ٹھیس لگے یاد رکھو! کہ اگر تم نے اپنی زبان قابو میں کرلی اور اسے سدھار لیا تو پھر کوئی بُرائی تم میں نہیں پیدا ہوسکتی۔

سائنس

بحری تار برقی

بحری تار برقی کی تاریخ

تھوڑے فاصلے پر پانی کے اندر برقی تار بھیجنے کے لئے خشکی کی تار برقی سے قبل ہی ۱۸۴۰ء میں کوشش کی گئی اور تار برقی کے موجد مورس کی پیشینگوئی تقریباً پچیس (۲۵) برس کے بعد ہی پوری ہوئی ۱۸۵۰ء میں ڈوور اور کیلے کے درمیان بحری تار ڈالا گیا اور اسکے تھوڑے ہی عرصہ میں بہت سے چھوٹے چھوٹے سلسلے انگلینڈ کے مختلف حصوں اور یورپ کے درمیان قائم کئے جانے لگے۔ سب سے بڑا سلسلہ ایک سو ستر میل لمبا تھا جبکہ سائیرس فیلڈ ایک امریکی سرمایہ دار نے امریکہ سے آئرلینڈ تک دو ہزار میل کے فاصلہ میں بحری تار ڈالنے کی تجویز سوچی اس منصوبہ کا استقبال مذاق اور بے اعتمادی سے کیا گیا اور انگلستان کے ایک نامور سائنس داں نے دنیا میں اعلان کیا کہ اتنی گہرائی میں حفاظت سے برقی تار ڈالنا ریاضیاتی ناممکنات میں سے ہے اور اگر یہ ممکن بھی ہو تو اتنے طول میں برقی اشاروں کا پہنچنا کبھی ممکن نہیں ہو سکتا لیکن مسٹر فیلڈ کے عزم کو اسی نقطہ چینی سے کوئی جنبش نہ ہوئی اور اس نے ایک کمپنی قائم کی جس نے کہ ۱۸۵۲ء میں پچاسی میل لمبا تار ڈالا جو کہ سینٹ جونس اور نیو فاؤنڈلینڈ کو کیپ بریٹن اور کینیڈا سے ملاتا تھا اس طرح اس نے بحر اوقیانوس کے پار سب سے پہلا سلسلہ قائم کر دیا فیلڈ نے اسکے بعد انگلستان میں ایک کمپنی قائم کی تاکہ باقی ماندہ اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے روپیہ فراہم کیا جائے اس کے سب سے پہلے شریک کار سر چارلس برائیٹ اور لارڈ کیلون تھے سرمایہ کی فراہمی کے بعد تانبے اور لوہے کے تاروں کو گوندھ کر تین لاکھ چالیس ہزار پانسو میل لمبا تار تیار کیا گیا جو کہ چاند تک پہنچنے کے لئے بھی کافی سے زیادہ تھا برطانیہ اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کی گورنمنٹ نے Agamemnon (اگامیمنن) اور Niagara (نیاگرا) دو جہاز علی الترتیب عاریتاً انکو دئے۔ اس منصوبہ عظیم کی ابتدا ۱۸۵۷ء میں ہوئی یہ وہی سال تھا جس میں تار برقی کا سب سے پہلا سلسلہ براعظم امریکہ کے پار مکمل ہوا بحری تار ڈالنے کی

1 ابتدا افتتاحی رسوم کی ادائیگی کے بعد آئرلینڈ کے ساحل سے کی گئی۔ لیکن چار سو میل تک ڈالنے کے بعد تار کا سلسلہ منقطع ہو گیا لیکن اس سے مسٹر فیلڈ اور برائیٹ کو کوئی مایوسی نہ ہوئی اور آئندہ سال ہی انہوں نے دوبارہ کوشش جاری کر دی اور وہی دونوں جہاز دونی بحری تار کا کچھ حصہ لادے ہوئے دوبارہ ایک دوسرے سے سمندر کے وسط میں ملے دونوں تاروں کے سروں کو ایک دوسرے سے جوڑ دیا گیا۔ اور جہاز مخالف ساحلوں کی طرف تار کو پھیلاتے ہوئے روانہ ہوئے کچھ میل کی مسافت طے کرنے کے بعد تار کا سلسلہ تین مرتبہ ٹوٹا اور تینوں مرتبہ از سر نو جوڑا گیا لیکن یہ سب بیکار ثابت ہوا اور چوتھے انقطاع BREAK کے بعد اس کوشش کو بالکل ترک کرنا پڑا۔ اس وقت ان بدقسمت ہستیوں پر تمسخر اور استہزار کی بوچھاڑیں چاروں طرف سے پڑنے لگیں اور انکو دوبارہ اس منصوبہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے روپیہ کی فراہمی میں بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن آخرکار وہ کامیاب ہوئے اور دوسرے جولائی وہی جہاز پھر ایک دوسرے عین سے سمندر کے وسط میں ملے پھر اسی طرح تار ایک دوسرے سے جوڑے گئے اور جہازوں نے اپنی راہ لی۔ اس مرتبہ دونو جہاز نہایت ہی احتیاط سے چلے مگر راستے میں تیرتے ہوئے برف کے تودوں کی موجودگی اور ویل مچھلی کے نمودار ہونے سے ایک مرتبہ پھر انکی امیدوں پر یاس کا رنگ نظر آنے لگا آخرکار ۵ اگست ۱۸۵۸ء کو دونوں جہاز اپنے اپنے ساحل مقصود پر جا لگے اس طرح وہ دو ہزار میل لمبا تار رکھانے میں کامیاب ہو گئے سمندر کے دونوں ساحلوں پر پرمسرت و شادمانی کے آثار نمایاں تھے انگلستان اور امریکہ کے درمیان اتحاد کی ایک نئی گرہ لگ جانے سے ملکہ وکٹوریہ اور بکینن صدر جمہوریہ کے مابین مبارکبادی کے بحری پیغامات کا تبادلہ ہوا اور وہ لوگ جنہوں نے اس مہم کو استقلال اور تحمل کے ساتھ سر کیا انکو عوام و خواص کی موجودگی میں سرفراز کیا گیا تقریباً تین ماہ کے بعد پیغام رسانی کی قوت میں آہستہ آہستہ کمزوری نمودار ہونا شروع ہو گئی اور آخرکار بالکل ختم ہو گئی تار طاقتور برقی رو کے عمل سے جل گئے لہذا اس کار عظیم کو پھر نئے

سرے سے شروع کرنا پڑا۔ عوام کا اعتماد اُٹھ جانیکے باوجود فیلڈ اور بزنیٹ کے پایۂ استقلال کو اب بھی کوئی جنبش نہوئی امریکہ کی اندرونی جنگ نے اس مہم کو آئندہ ست سال تک ملتوی کر دینے پہ مجبور کردیا اس اثنا میں لارڈ کیلون نے اپنا ترک اتصالی آلۂ مکمل کرلیا اور فیلڈ نے جدید سرمایہ کی فراہمی میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی اگرچہ فیلڈ نہایت بُری طرح سے بحری بیماری کا بار بار شکار ہوتا تھا لیکن اس مہم کو سر کرنیکے لئے وہ بحراوقیانوس کے آر پار چونسٹھ مرتبہ گیا بالآخر ۱۸۶۵ء میں فیلڈ و ولیم ٹن نے اُس وقت کے سب سے بڑے جہاز [illegible] میں نیا بحری تار لاد کر [illegible] پھیلانا شروع کیا [illegible] تو وہ تار ٹوٹ کر [illegible] آئندہ سال دونو شخص [illegible] بحری تار پھیلاتے ہوئے پاس [illegible] کو ششش بار ور ہوئی [illegible] جہاز نے واپسی نے گذشتہ سال [illegible] شدہ تار کو بھی [illegible] کامیابی حاصل کی اور اسکو ایک نئے حصے سے جوڑ [illegible] اور امریکہ کے درمیان بحری تار کے دوسرے سلسلہ کو مکمل کرنیکے بعد جہاز [illegible] بحری تار کی تیاری اور ترمیم اور اسکے بچھانیکی کوشش جاری رہی تھوڑے ہی عرصہ میں بہت سے اور بحری سلسلے قائم ہوگئے اس وقت تقریباً ۱۵ بحری تار [illegible] میں موجود ہیں جن میں سے نو کام دے رہے ہیں ان میں سے بہت سے اُسی سطح مرتفع کے ساتھ بچھائے گئے ہیں جس پر کہ سب سے پہلا سلسلہ قائم کیا گیا تھا اس سطح مرتفع کو تار برقی سطح مرتفع کہتے ہیں یہ اس لئے کہ یہ نسبتاً مسطح اور تقریباً دو میل کی گہرائی میں ہے اور نرم ۷۲ [illegible] سے ڈھکی ہوئی ہے جو کہ بحری تار کے پھیلانے میں بہت مدد ہوتی ہے انگریزی اور امریکی افسر جنہوں نے اپنی صبر آمیز کوششوں سے اس سطح مرتفع کا انکشاف کیا اُنکا شمار اُن لوگوں میں ہونا چاہیئے جنکی انتھک کوششوں نے بحراوقیانوس کے آر پار کے بحری تار کے سلسلے کو کامیاب بنایا بحرالکاہل میں بحری تار کا بچھانا اسکی وسعت اور گہرائی کی وجہ سے بحراوقیانوس کی نسبت زیادہ مشکل ہے بحرالکاہل میں سب سے پہلا بحری تار کا سلسلہ ۱۹۰۲ء میں قائم ہوا جس نے VEIN COVE X اور کینیڈا کو آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ سے ملا دیا یہ سلسلہ تقریباً آٹھ ہزار میل لمبا ہے جس نے اس سلسلے کو مسلسل بحری تار کی حیثیت سے دنیا میں سب سے لمبا سلسلہ بنا دیا ہے بحرالکاہل کا دوسرا بحری سلسلہ جو کہ فرانسسکو سے منیلا تک پھیلا ہوا ہے دوسرے سال میں پایۂ تکمیل کو پہنچا یہ سلسلہ چند اور جزیروں سے ہوتا ہوا جاپان تک پہنچ جاتا ہے بحری تار کا یہ عجیب و غریب سلسلہ سمندر کی تہ میں پہاڑوں اور وادیوں سے گذرتا ہوا جاتا ہے۔ بین الاقوامی قانون کی رو سے دوران جنگ میں غنیم کے [illegible] بحری تار کے سلسلے کو قطع کر دینا جائز قرار دیا گیا ہے چنانچہ ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم میں بحراوقیانوس کے اُن تمام سلسلہائے تار برقی کو جو کہ جرمنی کو دوسرے ممالک سے ملاتے تھے

صفحہ ۹ کا بقیہ مضمون

یہاں ایک قسم کی شراب بھی ہوتی ہے لیکن پینے کا طریقہ عجیب ہے۔ شراب بوتلوں میں رہتی ہے جب کوئی پینا چاہتا ہے تو بوتل کو اپنے منہ سے چند انچ دور رکھ کر شراب منہ میں اُنڈیل لیتا ہے۔ اس سے ایک تو یہ فائدہ ہے کہ ایک ہی بوتل سے کئی آدمی بغیر اسے صاف کئے شراب پی سکتے ہیں اور دوسرے پیالیوں وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔

ان کے عقائد بھی عجیب ہیں۔ ہر کھیت میں ایک سرو کے درخت کا ہونا ضروری ہے تاکہ شیطان آکر کھیت کو خراب نہ کر جائے۔ اگر کوئی آدمی سفر پر جا رہا ہے اور راستے میں اسے سفید بلی دکھائی دے تو وہ واپس آجاتا ہے کیونکہ سفید بلی تکالیف و مصائب کی نشانی سمجھی جاتی ہے

تہذیب کی ہر چیز سے ان لوگوں کو نفرت ہے۔ جب اسپین کی طرف سے ریاست میں پہلی سڑک بنائی گئی تو لوگ اپنے گھروں سے باہر نکل آئے اور رونے پیٹنے لگے۔ بڑی مشکلوں سے ان لوگوں کو سڑک بنانے پر مجبور کیا گیا۔

چند سال ہوئے کوشش کی گئی تھی کہ یہاں ریل جاری کیجائے۔ کام شروع بھی ہوگیا تھا لیکن یہ دیکھتے ہی ریاست کے تمام باشندے مسلح ہوکر گھروں سے نکل آئے اور مجبوراً اس ارادہ کو ترک کرنا پڑا۔ یہاں کوئی اخبار بھی نہیں۔ ایک مرتبہ اسپین کے ایک اخبار نویس نے یہ کوشش کی تھی کہ ان کو اخبار مہیا کئے جائیں، مگر اس میں ناکامی ہوئی۔

بلجیم، فرانس اور جرمنی کی سرحدوں پر بھی ایک ریاست The Duchy of Luxembourg ہے۔ اسکا رقبہ بہت ہی چھوٹا ہے اور آبادی ایک لاکھ سے بھی کم ہے۔ ریاست کی زبان جرمنی ہے۔ یہاں کا قلعہ یورپ میں جبرالٹر کے بعد سب سے زیادہ مستحکم قلعہ سمجھا جاتا ہے۔ دارالخلافہ کا نام لگزمبرگ ہے۔

اس کے علاوہ پولینڈ کے پاس ایک اور چھوٹی سی آزاد ریاست The Free city of Danzig ہے جسکی آزادی ۱۹۲۰ء میں تسلیم کی گئی تھی۔ یہ ریاست جمعیۃ الاقوام کی حفاظت میں ہے اسکا رقبہ ۷۵۴ مربع میل اور آبادی ......ہے۔ اس کا تعلق پہلے زمانہ میں انگلستان اور اسکاٹ لینڈ سے بہت رہا ہے۔ اس لئے یہاں کے دو مقامات کے نام قدیم اسکاٹ لینڈ

جغرافیہ

یورپ کی ننھی منّی ریاستیں

اسی قسم کی ایک اور ریاست اطالیہ کے پاس بحیرۂ اڈریاٹک سے کوئی بارہ میل کے فاصلہ پر ہے اور جس کا نام سین میرینو (San Marino) ہے۔ اس نے اٹھارویں صدی کے آغاز میں آزادی جیسا پیدائشی حق حاصل کیا تھا۔ اس ریاست کا رقبہ کوئی ۳۸ مربع میل ہے۔ یارگو نامی شہر یہاں کی تجارت کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ سڑک پر ہر وقت بیل گاڑیاں رواں رہتی ہیں اور یہی ذریعہ آمد و رفت اور درآمد و برآمد کا ہے۔ ہفتہ میں ایک دفعہ بازار لگتا ہے اور خوب چہل پہل رہتی ہے۔ "سانی مرینو" حکومت کا مرکز ہے۔ حکومت کا طرز جمہوری سا ہے۔ بادشاہ کے علاوہ ایک کونسل رہتی ہے جس میں کوئی آدمی اپنے باپ کے زمانۂ رکنیت میں اس کا رکن نہیں ہوسکتا۔ ہر خاندان میں صرف ایک ہی آدمی رکن بن سکتا ہے۔

یہاں کے رسم و رواج بھی عجیب و غریب ہیں مثلاً ہر یکم اپریل کی پہلی تاریخ کو طلوع آفتاب سے پہلے بیدار ہونا ضروری ہے جو ایسا نہیں کرتا اسکو خچر پر سوار کرکے تمام شہر میں پھراتے ہیں اور لوگ اسکو خوب ستاتے اور مذاق اڑاتے ہیں۔

سان مارینو کے اپنے سکے اور ٹکٹ ہیں لیکن اطالیہ کے سکے بھی استعمال ہوتے ہیں۔ بین الاقوامی معاہدہ کے موجب اس ریاست میں تمباکو کی کاشت نہیں ہوسکتی بلکہ سال میں ایک مرتبہ اطالیہ سے تمباکو یہاں آتا ہے اور اس کے بدلے سفید نمک وہاں جاتا ہے۔

سان مارینو کی فوج میں کل سپاہی ڈیڑھ ہزار ہیں۔ تقریباً ہر ایک نوجوان کو ایک خاص زمانہ تک فوجی خدمت کرنا پڑتی ہے۔ وہاں کا قانون ہے کہ ہر ایک آدمی کے پاس ایک بندوق اور کچھ کارتوس ضرور ہونے چاہئیں چونکہ باشندے زراعت پیشہ ہیں اس لئے تھوڑا سا محصول لیا جاتا ہے۔

فرانس اور اسپین کی سرحدوں پر ایک ریاست Addore ہے اسکا رقبہ ایک سو نوے مربع میل اور آبادی ۶۰۰۰ افراد پر مشتمل ہے۔ یہ ایک قدرتی اور جمہوری ریاست ہے اور اسپین اور فرانس کی مشترکہ حفاظت میں ہے۔ اس کے باشندوں نے پہاڑیوں سے مشکل سے کبھی اپنی حدود سے باہر قدم رکھا ہوگا۔ نئی تہذیب کی روشنی یہاں بالکل نہیں پہنچی۔ یہ ریاست نویں صدی سے آزاد چلی آتی ہے۔ حکومت کے تمام انتظامات ایک صدر اور ایک کونسل کرتی ہے۔ کونسل کے اراکین کی تنخواہ دس شلنگ اور صدر کی پانچ پونڈ ہے۔ یہ ریاست چھ سیاسی حصوں میں منقسم ہے جہاں کے لوگ اراکین کا انتخاب کرتے ہیں کونسل کا اجلاس مہینہ میں پانچ مرتبہ دارالخلافہ میں ایک چھوٹی سی عمارت میں ہوتا ہے۔ غیر شادی شدہ شخص کونسل کا رکن نہیں ہوسکتا۔

کونسل کے اراکین جب بھی مرتبہ جمع ہوتے ہیں تو اس عمارت کی دوسری منزل میں جلسہ کرتے ہیں اور اپنے خچروں اور گھوڑوں وغیرہ کو نیچے کے کمرے میں باندھ دیتے ہیں۔ اسی جلسہ میں وہ اپنا صدر منتخب کرتے ہیں جسکا دوبارہ انتخاب نہیں ہوسکتا ہے اس کے علاوہ فرانس اور اسپین کی طرف سے دو آدمیوں کا انتخاب ہوتا ہے جو فوجی انتظام کرتے ہیں۔

انڈوریا کا راستہ فرانس کی طرف سے ایک درہ میں سے ہوکر جاتا ہے برف باری کی وجہ سے چھ چھ مہینہ کے لئے یہ راستہ بند ہوجاتا ہے اور تمام آمد و رفت اسپین کی طرف سے ہوتی ہے۔

تمباکو کی کاشت یہاں بہت ہوتی ہے۔ اور یہاں کا سب سے بڑا پیشہ "ناجائز تجارت" ہے۔ یہ معزز پیشوں میں شمار ہوتا ہے جب لڑکا بڑا ہوتا ہے تو اسکو اسکی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس کے لئے لڑکے کو نہ صرف چالاک بلکہ مضبوط جسم کا بھی ہونا چاہئے۔

اس پیشہ کے علاوہ لوگ زراعت کرتے ہیں۔ تمام دن کھیتوں میں کام ہوتا رہتا ہے۔ کچھ لوگ بھیڑ بکریاں بھی چراتے ہیں۔ عورتیں کپڑا بنتی ہیں اور لڑکے چمڑے کا کام اور مٹی کے برتن بنانیکا کام کرتے ہیں۔

نظم

عید کا چاند نظر آیا ہے

باغ عالم میں بہار آئی ہے — شادمانی کی گھٹا چھائی ہے
مسکراہٹ ہے لبوں پر آتی — پھرتی ہے بادِ صبا اتراتی
آسماں پر ہیں خوشی کے تارے — رنج و غم دور ہوئے ہیں سارے
ہر کوئی شاد نظر آتا ہے — ہر گھر آباد نظر آتا ہے
ننھے بچے بھی نہیں روتے ہیں — چھوٹے بچے بھی نہیں سوتے ہیں
آج ہر شخص ہی خوش اور شاداں — اپنی قسمت پہ ہر اک ہے نازاں
ہے ہر اک دل پہ مسرت طاری — اور یہ بات زباں پر جاری
"کل ہے عید آج کریں تیاری — رات اسی طرح سے گزری ساری
یہ دن اللہ نے دکھلایا ہے — عید کا چاند نظر آیا ہے"

مولوی شفیع الدین صاحب نیّر

قصے کہانیاں

پوری جو کڑھائی میں سے نکل بھاگی

گاؤں میں ایک کسان رہتا تھا۔ اور اسکی بیوی۔ کسان کا نام تھا منسا اور اسکی بیوی کا گریا۔ ان کے پاس روپیہ پیسہ اچھا خاصہ تھا مگر گھر میں کام کرنے والے آدمی کم تھے۔ اس لئے ہمیشہ دوسروں سے یا تو مزدوری پر کام لینا پڑتا تھا یا میٹھی بات کرکے۔

بیساکھ کا مہینہ تھا۔ منسا کے کھیتوں میں گیہوں کی فصل خوب ہوئی تھی۔ اور کھیت کٹ بھی چلے تھے۔ اب بالیوں پر دائیں چلا کر دانے نکالنا باقی تھا۔ دوسرے سب کسان بھی اپنے اپنے کام میں لگے تھے تم جانو ان دنوں جب فصل کٹتی ہے تو سب ہی کو تھوڑا بہت کام ہوتا ہے۔ اس نے بہتیرا چاہا کہ کوئی مزدور ملے، مگر نہ ملا۔ اُدھر آسمان پر دو ایک دن سے بادل آنے لگے اور ڈر تھا کہ کہیں پانی پڑ گیا تو سب دانے خراب ہوجائیں گے۔

ایک دن بیچ میں کوئی تہوار آگیا۔ سب کسانوں نے اپنے یہاں کام بند رکھا۔ اس لئے گاؤں میں بہت سے آدمیوں کو چھٹی ہوگئی منسا ان کے پاس گیا اور مشکل سے پانچ آدمیوں کو پھسلا پھسلا کر راضی کرلیا کہ بھائی ہماری دائیں چلا دو۔ گھر میں آکر بیوی سے کہا کہ تہوار کا دن ہے یہ لوگ آج کام کو آئے ہیں دوپہر کو انھیں پوریاں کھلانا۔

کوئی گیارہ بجے بیوی نے چولھے پر کڑھائی چڑھائی۔ لیں پی کڑوا تیل کڑھائی میں ڈالا آٹے کی ایک چھوٹی سی ٹکیا تر کرکے تیل میں ڈالی اور جب تیل گرم ہوکر خوب کڑکڑانے لگا تو یہ ٹکیہ نکال لی اس سے کڑوے تیل کی مہک کم ہوجاتی ہے۔ اب بیلن پر بیل بیل کر کڑھائی میں پوریاں ڈالنی شروع کیں۔ کچھ پوریاں پک گئیں تو باورچی خانہ میں کسان کا بیٹا بدھو جانے کہاں سے آیا اور ادھر اُدھر چیزیں ٹٹولنے لگا۔ اور ناک سے برابر سڑ سڑ سڑ سڑ کرتا جاتا تھا۔ ہونٹوں پر ناک بہہ رہی تھی۔ ماں نے ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور پلو سے اس زور سے ناک پوچھی کہ بدھو کن کن کرتا ہوا باورچی خانہ سے چلا گیا

کڑھائی میں جو پوری پڑی تھی وہ اتنی دیر میں جلنے لگی اور اسے بڑا لگا کہ بدھو کی ماں نے اس کا ذرا خیال نہ کیا اور کتنی دیر جلتے ہوئے تیل میں اسے رکھ کر تکلیف دی۔ بدھو کی ماں نے جلدی سے جو اسے پلٹنا چاہا تو یہ اور چڑھ گئی اور جھٹ سے کڑھائی میں سے کود کر بھاگ کھڑی ہوئی کہ تم بدھو کی ناک پونچھو میں تو جاتی ہوں۔



بدھو کی ماں نے بہت چاہا کے اسے پکڑے مگر وہ کہاں ہاتھ آتی ہے جھٹ گھر میں سے نکل کھیت کی طرف بھاگی۔ راستہ میں منسا اور اسکے پانچوں دوست دانوں پر دائیں چلا رہے تھے۔ یہ پوری ان کے پاس سے گذری اور کہا کہ میں بدھو کی ماں سے بچ کر کڑھائی سے نکل کر آئی ہوں تم سے بھی بچ کر نکلونگی۔ لو مجھے کوئی پکڑ دو تو۔ ان آدمیوں نے جب دیکھا کہ اچھی پکی پکائی پوری یوں پاس سے بھاگی جا رہی ہے تو کام چھوڑ کر اسکے پیچھے ہولئے۔ مگر وہ بھلا کہاں ہاتھ آتی ہے یہ سب دوڑتے دوڑتے ہانپ گئے اور لوٹ آئے۔

نظم

عید کا چاند نظر آیا ہے

باغ عالم میں بہار آئی ہے — شادمانی کی گھٹا چھائی ہے
مسکراہٹ ہے لبوں پر آتی — پھرتی ہے بادِ صبا اتراتی
آسماں پر ہیں خوشی کے تارے — رنج و غم دور ہوئے ہیں سارے
ہر کوئی شاد نظر آتا ہے — ہر گھر آباد نظر آتا ہے
ننھے بچے بھی نہیں روتے ہیں — چھوٹے بچے بھی نہیں سوتے ہیں
آج ہر شخص ہی خوش اور شاداں — اپنی قسمت پہ ہر اک ہے نازاں
ہے ہر اک دل پہ مسرت طاری — اور یہ بات زباں پر جاری
"کل ہے عید آج کریں تیاری — رات اسی طرح سے گزری ساری
یہ دن اللہ نے دکھلایا ہے — عید کا چاند نظر آیا ہے"

مولوی شفیع الدین صاحب نیّر

قصے کہانیاں

پوری جو کڑھائی میں سے نکل بھاگی

گاؤں میں ایک کسان رہتا تھا۔ اور اسکی بیوی۔ کسان کا نام تھا منسا اور اسکی بیوی کا گریا۔ ان کے پاس روپیہ پیسہ اچھا خاصہ تھا مگر گھر میں کام کرنے والے آدمی کم تھے۔ اس لئے ہمیشہ دوسروں سے یا تو مزدوری پر کام لینا پڑتا تھا یا میٹھی بات کرکے۔

بیساکھ کا مہینہ تھا۔ منسا کے کھیتوں میں گیہوں کی فصل خوب ہوئی تھی۔ اور کھیت کٹ بھی چکے تھے۔ اب بالیوں پر دائیں چلاکر دانے نکالنا باقی تھا۔ دوسرے سب کسان بھی اپنے اپنے کام میں لگے تھے تم جانو ان دنوں جب فصل کٹتی ہے تو سب ہی کو تھوڑا بہت کام ہوتا ہے۔ اس نے بہتیرا چاہا کہ کوئی مزدور ملے، مگر نہ ملا۔ اُدھر آسمان پر دو ایک دن سے بادل آنے لگے اور ڈر تھا کہ کہیں پانی پڑ گیا تو سب دانے خراب ہوجائیں گے۔

ایک دن بیچ میں کوئی تہوار آگیا۔ سب کسانوں نے اپنے یہاں کام بند رکھا۔ اس لئے گاؤں میں بہت سے آدمیوں کو چھٹی ہوگئی۔ منسا ان کے پاس گیا اور مشکل سے پانچ آدمیوں کو پھسلا پھسلا کر راضی کرلیا کہ بھائی ہماری دائیں چلا دو۔ گھر میں آکر بیوی سے کہا کہ تہوار کا دن ہے یہ لوگ آج کام کو آئے ہیں دوپہر کو انھیں پوریاں کھلانا۔

کوئی گیارہ بجے بیوی نے چولھے پر کڑھائی چڑھائی۔ کچی کڑوا تیل کڑھائی میں ڈالا آٹے کی ایک چھوٹی سی ٹکیا بناکر پہلے تیل میں ڈالی اور جب تیل گرم ہوکر خوب کڑکڑانے لگا تو یہ ٹکیہ نکال لی اس سے کڑوے تیل کی بہک کم ہوجاتی ہے۔ اب بیلن پر بیل بیل کر کڑھائی میں پوریاں ڈالنی شروع کیں۔ کچھ پوریاں پک گئیں تو باورچی خانہ میں کسان کا بیٹا بدھو جانے کہاں سے آیا اور ادھر اُدھر چیزیں ٹٹولنے لگا۔ اور ناک سے برابر سُڑسُڑ سُڑسُڑ کرتا جاتا تھا۔ ہونٹوں پر ناک بہہ رہی تھی۔ ماں نے ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچی اور پلو سے اس زور سے ناک پونچھی کہ بدھو کن کن کرتا ہوا باورچی خانہ سے چلایا

کڑھائی میں جو پوری پڑی تھی وہ اتنی دیر میں جلنے لگی اور اسے بُرا لگا کہ بدھو کی ماں نے اس کا ذرا خیال نہ کیا اور کتنی دیر جلتے ہوئے تیل میں اسے رکھ کر تکلیف دی۔ بدھو کی ماں نے جلدی سے جو اسے پلٹنا چاہا تو یہ اور چڑھ گئی اور جھٹ سے کڑھائی میں سے کود کر بھاگ کھڑی ہوئی کہ تم بدھو کی ناک پونچھو میں تو جاتی ہوں۔



بدھو کی ماں نے بہت چاہا کے اسے پکڑے مگر وہ کہاں ہاتھ آتی ہے جھٹ گھر میں سے نکل کھیت کی طرف بھاگی۔ راستہ میں منسا اور اسکے پانچوں دوست دانوں پر دائیں چلا رہے تھے۔ یہ پوری ان کے پاس سے گذری اور کہا کہ میں بدھو کی ماں سے بچ کر کڑھائی سے نکل کر آئی ہوں تم سے بھی بچ کر نکلونگی۔ لو مجھے کوئی پکڑ دو تو۔ ان آدمیوں نے جب دیکھا کہ اچھی پکی پکائی پوری یوں پاس سے بھاگی جا رہی ہے تو کام چھوڑ کر اسکے پیچھے ہو لئے۔ مگر وہ بھلا کہاں ہاتھ آتی ہے یہ سب دوڑتے دوڑتے ہانپ گئے اور لوٹ آئے۔

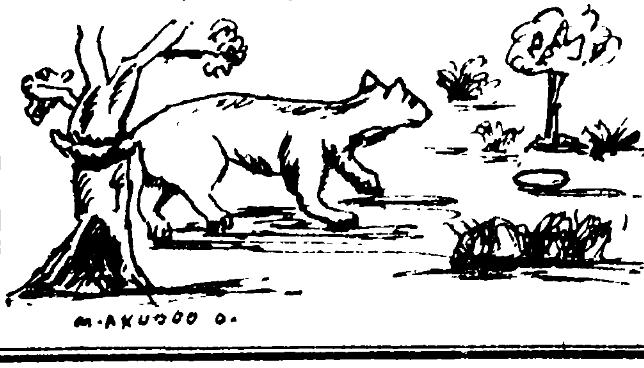


کھیت سے نکل کر پوری کو بجز میں ایک خرگوش ملا۔ اسے دیکھکر پوری بولی" میں توکڑھائی سے نکل کر، بدھو کی ماں سے بچکر، اور چھ جوان آدمیوں کو تھکا کر آئی ہوں میاں چھٹ دُمے خرگوش تم سے بھی نکل بھاگونگی"۔ خرگوش کو یہ سُن کر اور مند ہوئی اور اُس نے بڑی تیزی سے اسکا پیچھا کیا۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ بی پوری ایک



بھٹ میں نہ گھس گئیں ہوتیں تو اس چھٹ دُمے نے پکڑ ہی لیا تھا۔ مگر بھٹ میں یہ لومڑی کے ڈر سے نہ گیا۔

پوری جو بھٹ میں گھسی تو واقعی اس میں لومڑی بیٹھی تھی۔ اسنے جو دیکھا کہ یہ ایک پوری گھسی چلی آتی ہے تو جھٹ اٹھ کھڑی ہوئی کہ اب آگئی ہے تو جائیگی کہاں۔ مگر پوری اُلٹے پاؤں لوٹی اور یہ



کہتی ہوئی بھاگی کہ میں تو کڑھائی میں سے نکلکر، بدھو کی ماں سے بچ کر، چھ جوان آدمیوں کو تھکا کر، اور میاں چھٹ مٹ دمو خرگوش کو اُلو بنا کر آئی ہوں۔ بی مٹ دمی لومڑی میں تمہارے بس کی بھی نہیں۔"

لومڑی نے کہا" کہاں جاتی ہے۔ ٹھہر تو۔ تیری شیخی کا مزہ تجھے بتاتی ہوں" اور پیچھے لپکی۔ مگر پوری تھی بڑی چالاک اس نے جھٹ سے ایک کسان کے مکان کا رُخ کیا اور لومڑی بھلا کتوں کے ڈر کے مارے ادھر کیسے جاتی۔ لاچار رُک گئی۔

کسان کے مکان کے قریب ایک دبلی سی بھوکی کتیا اور اسکے پانچ بچے ادھر اُدھر پھر رہے تھے۔ انھوں نے بھی ارادہ کیا کہ اس پوری کو چٹ کریں۔ پوری نے کہا" میں کڑھائی میں سے نکلکر، بدھو کی اماں سے بچکر، چھ جوان جوان مردوں کو تھکا کر، میاں چھٹ دمے خرگوش کو اُلو بنا کر اور بی مٹ دمی لومڑی کو چونا لگا کر آئی ہوں۔ اجی بی لپ لپ میں تمہارے بس کی بھی نہیں۔"



کتیا بڑی ہوشیار تھی۔ آگے کو منہ بڑھا کر جیسے بہرے لوگ کرتے ہیں کہنے لگی بی پوری کیا کہتی ہو۔ میں ذرا اونچا سنتی ہوں" پوری ذرا قریب کو آئی اور کتیا نے بھی بہروں کی طرح اپنا منہ اسکی طرف اور بڑھایا۔

پوری پھر وہی کہنے لگی" میں کڑھائی میں سے نکل کر، بدھو کی ماں سے بچ کر، چھ چھ جوان جوان مسٹنڈوں کو تھکا کر میاں چھٹ دمے خرگوش اور بی مٹ دمی لومڑی کو اُلو بنا کر آئی ہوں۔ اجی بی لپ لپ ..." اتنا ہی کہنے پائی تھی کہ کتیا نے منہ مارا "خپ"۔ اور آدھی پوری اس کے منہ میں آگئی۔ اب جو آدھی پوری بچی تھی وہ ایسی تیزی سے بھاگی اور آگے جا کر نہ معلوم کس طرح زمین کے اندر گھس گئی کہ کتیا

کوائف جامعہ

اساتذہ جامعہ نے جامعہ کے اخراجات میں کمی کرنیکے لئے سب سے پہلے اپنی تنخواہوں میں قطع و برید کرنیکی طرف عملی قدم اٹھایا تھا۔ اس جذبہ سے متاثر ہوکر جامعہ کے ایک ہونہار فرزند علی احمد خاں بی ایس سی نے جو اسلامیہ نیشنل ہائی اسکول رنگون میں ہردلعزیز اُستاد ہیں، رنگون میں ایک جماعت قائم کی جو جامعہ کی مالی امداد کے علاوہ اسکے مقاصد و اغراض کی نشر و اشاعت میں بھی نمایاں حصہ لے، چنانچہ رسالہ جامعہ و پیامِ تعلیم کے متعدد خریدار اس مخلص کارکن نے رنگون سے مہیا کئے ہیں اور ایک ہزار سے اوپر رقم ڈیڑھ سال سے کم عرصہ میں جامعہ میں بھجوائی ہے۔

ہم ان موصولہ رقومات کی تفصیل تاریخوار درج کرتے ہیں تاکہ "انجمن خدام جامعہ" کے اراکین اپنی کتابوں سے ان کی تصدیق کرسکیں۔

۲۵ راگست ۱۹۲۸ء	۵۲	۴	۰
۲۰ رستمبر ۱۹۲۸ء	۸۰	۰	۰
۷ ر نومبر "	۱۱۰	۰	۰
۱۲ ر دسمبر ۱۹۲۸ء	۸۵	۰	۰
۲۴ ر دسمبر ۱۹۲۸ء	۵۰	۰	۰
۵ ر جنوری ۱۹۲۹ء	۵۰	۰	۰
۲۷ ر جنوری ۱۹۲۹ء	۵۰	۰	۰
۲۸ ر فروری " "	۱۰۰	۰	۰
۲ ر اپریل " "	۸۰	۰	۰
۲۴ ر جون	۱۵۰	۰	۰
۲۰ ر جولائی سنہ	۵۰	۰	۰
۱۲ ر اگست ۱۹۲۹ء	۳۵	۰	۰
۲۴ ر اگست " "	۵۰	۰	۰
۲۱ ر ستمبر " "	۵۰	۰	۰
۲۲ ر نومبر " "	۶۰	۰	۰
۲۱ ر دسمبر " "	۵۰	۰	۰
میزان	۱۱۰۲	۶	۰

ہم علی احمد خاں صاحب اور ان کے رفقائے کار کی اس محنت محبت اور سچی خدمت کی دل سے قدر کرتے ہیں اور خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ان کے ارادوں اور ہمت میں برکت عطا فرمائے۔ اور ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

شوال کی چاندرات کو انجمن اتحاد کے زیر اہتمام ایک تفریحی جلسہ منعقد ہوا، باہر کے بھی کچھ معزز مہمان شریک تھے۔ ڈاکٹر سلیم الزماں صاحب جو اس جلسہ کیلئے موزوں ترین شخص تھے صدر بنائے گئے۔ جناب ذاکر حسین صاحب شیخ الجامعہ نے طلبہ کی درخواست پر دو شعر سنائے جس سے جماعت طلبہ اور دوسرے معززین بہت محظوظ ہوئے، اس کے بعد باری باری چھوٹے اور بڑے طلبہ نے ترنم کے ساتھ اشعار پڑھے، اشعار پڑھنے والوں میں نہ صرف ہندی طلبہ تھے بلکہ ان طلبہ نے بھی اس میں حصہ لیا تھا جو چین اور جاوا کے تھے۔ ایک مالدیپ کے رہنے والے طالب علم نے بانسری اس انداز سے بجائی کہ ہر شخص داد دینے پر مجبور تھا مگر اس جلسہ کے ہیرو حقیقتہً ہمارے صدر صاحب تھے، صاحب موصوف جنکو موسیقی سے فطری ذوق تھا اس کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی اور اب آپکا شمار اس فن کے جاننے والوں میں ہے۔ بہرحال ڈاکٹر سلیم الزماں صاحب نے ہمارے تفریحی جلسہ کو کامیاب بنایا۔ ہم صاحب موصوف کے شکرگذار ہیں۔

بقیہ صفحہ ۱۲

ڈھونڈھتے تھک گئی مگر کہیں پتہ نہ چلا۔ کتیا نے اپنے پانچوں بچوں کو بلایا کہ ذرا ڈھونڈو تو لیکن بی پوری کا کہاں پتہ لگتا ہے۔ اس کتیا نے اور اسکے بچوں نے ساری عمر اس آدھی پوری کو ڈھونڈا مگر وہ نہ ملنا تھا نہ ملی۔ ابھی تک سارے کتے اسی آدھی پوری کی تلاش میں ہر وقت زمین سونگھتے پھرتے ہیں کہ کہیں سے اسکا پتہ چلے تو نکالیں۔ اس نے ہماری دادی اماں کو دھوکہ دیا تھا۔ مگر اس آدھی پوری کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔

بچوں کے کھیل

بید اور باجے سے

آیئے ہم کچھ لڑکے جمع ہو جائیں اور ایک کھیل کھیلیں ایک لڑکے کی آنکھوں پر پٹی باندھ دیجئے اور باقی لڑکے اس کے ارد گرد دائرہ میں کھڑے ہو جائیں۔ اور جس کی آنکھوں پر پٹی باندھی ہے اسکے ہاتھ میں ایک بید دیدیجئے اور ایک لڑکا باجا بجانا شروع کرے جب تک باجہ بجے تمام دائرہ کے لڑکے خوشی خوشی اچھلتے ہیں اور جسوقت باجا بند ہو جائے تمام لڑکے چپ چاپ کھڑے ہو جائیں اس وقت جو لڑکا اندھا بنا ہوا ہے وہ اپنی لکڑی سے کسی ایک لڑکے کی طرف اشارہ کرے جسکی طرف سے وہ اشارہ ہو وہ اس بید کو پکڑلے پھر اندھا لڑکا کسی پرند یا چوپائے کی بولی بولے اسی آواز کو وہ لڑکا دھرائے جو پکڑے ہوئے ہے اب اندھا لڑکا آواز پہچان کر اگر اسکا نام بتا دے تو وہ چور ورنہ پھر کھیل جاری رکھیں۔

لکڑی اور کاغذ

ایک ہال میں کارڈ کے برابر کچھ کاغذ لیکر چاروں طرف بکھیر دیجئے اور تمام لڑکے ہال کی دیواروں کی برابر کھڑے ہو جائیں۔ کارڈ پر کچھ ہندسے لکھ دیجئے۔ اور کارڈ کو موڑ توڑ کر ڈالدیجئے۔ ایک لڑکے کی پٹی سے آنکھیں باندھئے اور اس کے ہاتھ میں ایک بہت نوک دار لکڑی دیجئے اور ایسی نوکدار ہو کہ کاغذ پر چبھ جائے اور کاغذ اس میں لگ جائے۔ پھر اندھے لڑکے سے کہیئے کہ وہ ایک کاغذ کو اپنی لکڑی میں چھبوے اگر ایک دفعہ نہ چھبو سکے تو تین دفعہ اسی طرح کوشش کرے۔ اگر لکڑی میں چھبولے تو اور نہ چھبوئے تو ہر صورت میں اسے اس کی جگہ لاکر کھڑا کر دیجئے۔ پھر دوسرے کے پٹی باندھیئے وہ بھی اسی طرح کرے غرض سب لڑکے اسی طرح کریں جسکے نمبر سب سے زیادہ ہونگے وہ جیتا۔

گدھا اور اُسکی دُم

ایک بہت بڑے مٹیالے کاغذ سے ایک گدھے کی تصویر کاٹیے۔ مگر تصویر بے دُم کی ہو۔ دم علیحدہ سے کاٹ لیجئے۔ اور اس بے دم کی تصویر کو دیوار پر یا چادر پر چپکا دیجئے۔ ایک لڑکے کی آنکھوں پر پٹی باندھیئے اور اسے وہ دم اور ایک پن دیدیجئے اور کہیئے کہ وہ اس دم کو اس کی جگہ پر پن سے لگا دے۔ مگر بلا ٹٹولے۔ سب لڑکے باری باری اسی طرح کریں آپ کو بہت لطف آئیگا جب کوئی دم کو منہ پر لگائیگا کوئی پیٹ پر۔ جو صحیح لگا دے وہ جیتا۔

اندھا راج

چار لڑکے ہوں دو کی آنکھوں پر پٹی باندھ دیجئے اور دو کو بلا پٹی کے رہنے دیجئے اور کہئے کہ وہ دو لڑکے ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ جائیں اور ایک اندھا اور دوسرا لڑکا جسکے پٹی نہ بندھی ہو وہ آپس میں دوست ہوں۔ تاش کے پتے پھیلا کر میز پر ڈالدیجئے جنکی پٹی نہیں بندھی ہے وہ کہیں گے ہمیں ایک قلعہ بنانا ہے آؤ اینٹیں جمع کریں۔ جنکے پٹی نہیں بندھی ہے وہ معمار ہیں اور جنکی آنکھیں بند ہیں وہ مزدور ہیں یہ معمار اپنے اپنے مزدوروں سے اینٹیں جمع کرائیں گے اندھے لڑکے کو وہ صرف منہ سے بتا سکتا ہے کہ اینٹ کا پتہ وہ داہنے کو یا بائیں کو رکھا ہے ہاتھ سے اشارہ نہیں کر سکتا اس طرح جسکے نمبر سب سے زیادہ ہونگے اس کا قلعہ تیار ہوگیا۔

ہر بچہ کے پاس ایک علیحدہ کتب خانہ ہونا چاہیئے

جس میں

"پیام تعلیم" یا کوئی دوسرا اخبار آتا ہو اور ہر مہینہ چند نئی کتابوں کا اضافہ ہوتا ہو

(۱) اس فہرست کی سب کتابوں کی قیمت تو عہ سے جو ایکدم صرف خاص خاص بچے خرید سکیں گے لیکن عہ ما ماہانہ کی کتابیں سب ہی خرید سکتے ہیں۔

(۲) اگر کوئی بچہ عہ سے بھی کم کی کتابیں لینا چاہتا ہو تو ایک کارڈ میں اپنی پسند کی کتابیں لکھکر ہم سے دریافت کرے کہ کتاب کی قیمت کے علاوہ ٹکٹ پر کتنے پیسے اور خرچ ہوں گے۔ ہم اسی دن اسکو جواب دیدیں گے۔

کہانیاں

	قیمت	
(۱) چڑیا چڑے کی کہانی		۲ر
(۲) چوہے بلی نامہ	"	۲ر
(۳) گرمو دھرمو	"	۴ر
(۴) نقلی شہزادہ	"	۴ر
(۵) گدھے کی سرگذشت	"	۴ر
(۶) ترکوں کی کہانیاں	"	۴ر
(۷) نعیم پپی	"	۸ر
(۸) زرداد	"	۶ر
(۹) لنگڑا ماموں	"	۳ر
(۱۰) شہر شہری اور شہریت	"	۵،
(۱۱) لکشمی	"	۶ر
(۱۲) حکایات شیریں جلد اول	"	۱۰ر
(۱۳) " " جلد دوم	"	۱۲ر
(۱۴) " " جلد سوم	"	۱۲ر
(۱۵) " " جلد چہارم	"	۱۴ر
(۱۶) سولہ کہانیاں	"	۱۲ر

اسکاوٹ کی ضروری چیزیں

(۱) فرسٹ ایڈ چارٹ۔ یہ دیوار پر لٹکانے والا نہایت عمدہ نقشہ ہے جسمیں "فرسٹ ایڈ" کے متعلق مفصل معلومات ہیں ۲ار

(۲) ضروری معلومات۔ یہ اسکاوٹنگ پر بڑی اچھی کتاب ہے، ہر اسکاوٹ کے پاس ہونا ضروری ہے ۳، ر

(۳) ٹنڈرفٹ ٹسٹ کارڈ۔ پہلے امتحان کی تمام باتوں کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ چھوٹا سا کارڈ ہے جو ہر وقت جیب میں رکھا جا سکتا ہے۔ ۲ر

عربی سکھانیوالی کتابیں

عربی کی پہلی۔ مصنفہ احمد شاہ صاحب	۳ر
" دوسری " " "	۴ر
" تیسری " " "	۵، ر
عربی بول چال حصہ اول مصنفہ حافظ عبدالرحمن صاحب	۱۲ر
" " حصہ دوم	۱۲ر

نظمیں

	قیمت	
(۱) بچوں کے گیت		۳ر
(۲) سنہری گیت	"	۳ر
(۳) پھوا باغ حصہ اول	"	۱۲ر
(۴) " حصہ دوم	"	۱۲ر
(۵) راکھ بیگم	"	ار
(۶) بیاض رنگین حضور	"	۵ر
(۷) مناجات ذکا	"	ار
(۸) رباعیات حالی	"	۳ر
(۹) حب وطن	"	۳ر
(۱۰) مناجات بیوہ	"	۸ر
(۱۱) چپ کی داد	"	۳ر
(۱۲) درس عمل	"	۳ر
(۱۳) مرزا پھویا	"	ار
(۱۴) بیاض گل	"	۸ر
(۱۵) آغوش مادر	"	۱۰ر
(۱۶) پہیلیاں	"	ار

مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

ہندوستان بھر میں

عمدہ، مضبوط، دیرپا، خوشنما رنگت
نفیس اور نسبتاً ارزاں قیمت
سامان کھیل مہیا کرنے والا
واحد کارخانہ **ملک اینڈ کمپنی**
رجسٹرڈ شہر **سیالکوٹ** کو یاد رکھیں



اگر آپ کو

یا آپکے دوست احباب کو کسی قسم کا
سامان کھیل مثلاً کرکٹ، فٹ بال
والی بال، ہاکی، ٹینس، بیڈ منٹن وغیرہ
کی ضرورت ہو تو ہمیشہ براہ راست
اسکولوں کے خادم خادم ملک اینڈ کمپنی کو لکھیں

ہمارا سامان ہاکی اپنی عمدگی مضبوطی اور نسبتاً ارزاں ہونیکی وجہ سے ثابت ہو چکا ہے۔ جوں جوں شوقین کھیل کلبوں کے سیکرٹری اور اسکولوں کے ہیڈ ماسٹر صاحبان بطور آزمائش منگاتے ہیں اسکی عمدگی مضبوطی اور نفاست کو دیکھ کر شیدا ہوئے جاتے ہیں جہاں پر بھی ہمارا سامان ہاکی ایک مرتبہ بطور آزمایش کے منگایا گیا۔ انھوں نے روزمرہ کی پریکٹس اور مقابلہ کے میچوں میں حسب خواہش عمدہ اور مضبوط پاکر اعلیٰ سے اعلیٰ سرٹیفکیٹ دیئے۔ اور بڑے بڑے آرڈروں سے مستفید فرمانیکا اور کارخانہ کے مستقل گاہک بننے کے علاوہ کمپنی کے مجسم اشتہار بن گئے۔

ہمارا سامان کھیل عرصہ گیارہ سال سے مستقل طور پر ہندوستان بھر کے اسکولوں، کالجوں، رجمنٹوں، ریاستوں اور کلبوں میں کثرت سے خرید اجاتا ہے علاوہ ممالک غیر میں بھی منگوایا جاتا ہے۔ اس اثنا میں جسقدر شہرت اور ناموری اپنی دیانتداری کی وجہ سے کارخانہ کو نصیب ہوئی ہے شاید ہی کسی دوسرے کو ہوئی ہو۔ آپ بھی اپنا آزمائشی آرڈر بھیجکر ہماری صداقت کا امتحان کریں۔ ذیل میں مختصر فہرست سامان کھیل درج ہے جس پر ۲ آنہ فی روپیہ کی خاص رعایت دیجائیگی حسب ضرورت لکھ کر طلب کریں۔

فہرست سامان ہاکی	فہرست سامان کرکٹ	فہرست سامان فٹ بال	فہرست سامان والی بال
دی منارک تین ربڑ سپرنگ ہینڈل ہاکی اوپر کا نیوری چمڑہ لپٹا ہوا نہایت مضبوط اور خوبصورت قیمت عہ دی میجک ڈبل سپرنگ ہینڈل اوپر لپٹا مضبوط چمڑہ سیاہ نہایت مضبوط اور دیرپا قیمت عہ دی مارشل ڈبل سپرنگ ہینڈل ہاکی اوپر پرن پروف رنگ کا ولایتی دھاگا لپٹا ہوا خوبصورت قیمت [illegible] دی مارین سنگل اسپرنگ ٹوائیں پونڈ ہینڈل [illegible] دی میجر آل کین ہینڈل اوپر سیاہ ولایتی دھاگہ [illegible] دی اسپیشل پریکٹس وندا ہاکی چمڑہ لپٹا ہوا [illegible] چھوٹے بچوں کی ہاکیاں مارین عا پریکٹس [illegible]	دی میجک تین ربڑ سپرنگ ہینڈل کرکٹ بیٹ اوپر دی اٹ مضبوط چمڑہ سیاہ نہایت مضبوط قیمت [illegible] دی مارشل ڈبل سپرنگ ٹوائیں پونڈ ہینڈل بیٹ [illegible] دی میجر سنگل اسپرنگ ٹوائیں پونڈ ہینڈل بیٹ [illegible] دی اسپیشل پریکٹس آل کین ہینڈل روزانہ پریکٹس کیلئے [illegible] چھوٹے بچوں کے کرکٹ بیٹ نمبر ۱ سے نمبر ۶ تک [illegible] کرکٹ بال تومنارک سے [illegible] اسپیشل پریکٹس [illegible] لیگ گارڈ چمڑے کے رنگدار سے زین کے [illegible] بیٹنگ گلوز [illegible] وکٹ گلوز بڑھیا [illegible] ہلکے [illegible] وکٹ دی مارشل بڑی [illegible] چھوٹی [illegible] فی سٹ لیبل [illegible]	دی منارک ٹکڑہ کا درجہ اول نہایت مضبوط اور خوبصورت فٹ بال مع ایک ٹکڑا میں مکمل قیمت [illegible] دی میجک تیرہ ٹکڑہ کا مع ایک ٹکڑا میں مکمل [illegible] دی میجر سادہ مگر نہایت مضبوط مع ایک ٹکڑہ [illegible] دی اسپیشل پریکٹس روزانہ پریکٹس کیلئے مضبوط [illegible] چھوٹے بچوں کے لئے میجک مکمل [illegible] بلیڈر سرخ ربڑ تازہ مال نمبرہ [illegible] پچکاری بڑی [illegible] درمیانہ [illegible] چھوٹی [illegible] فٹبال بوٹ ولایتی [illegible] فیوڑہ جرابیں [illegible] پلوشن [illegible] گاعدہ فٹ بال [illegible]	ملک ہوعلی بال گلدستہ زنگ برنگی ٹکڑوں کا [illegible] اور مضبوط مع ایک ہی ٹکڑہ میں مکمل [illegible] دی منارک والی بال گلدستہ قسم دوم مکمل [illegible] فالتو بلیڈر برائے والی بال نمبرہ [illegible] دی ملک والی بال جال براون رنگ بڑھیا [illegible] موٹی ڈوری کے [illegible] دی منارک سفید بڑھیا جال [illegible] والی بال پولز فیروزی رنگ کے سنہری [illegible] ولایتی پالش شدہ مع رسوں اور رنگی کے قواعد والی بال اردو [illegible] انگریزی [illegible]

سامان بذریعہ وی پی پارسلوں کے روانہ ہوگا خرچ ڈاک وپارسل وریکار ریل وغیرہ بذمہ خریدار ہوگا	خطکا پتہ: جنرل منیجر ملک اینڈ کمپنی رجسٹرڈ شہر سیالکوٹ	تار کا پتہ: رجسٹری شدہ

ناشر و طابع: ڈاکٹر عابد حسین پی ایچ ڈی مطبع: جید برقی پریس دہلی۔
کاتب: عبدالملک [illegible]

ٹیلیفون نمبر ۲۲۱۵

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶۱

پیامِ تعلیم

نرخنامہ چندہ
سالانہ عہ/
ششماہی عہ
فی پرچہ ۱ر

نرخنامہ اشتہارات
فی صفحہ ستے
نصف صفحہ صہ
چوتھائی صفحہ سے

ایڈیٹر:- سعید انصاری بی اے (جامعہ)

نمبر ۹ — ۲۱ مارچ سنہ ۱۹۳ء — جلد ۸

فہرست مضامین

خبریں

دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟

ہندوستان کے اندر بلکہ ایک طرح سے ہندوستان کے باہر بھی گزشتہ ہفتہ کی اس سے بڑھ کر اور کوئی خبر نہیں کہ سابرمتی آشرم کا ایک سادھو اپنے ۷۹ نہتے سپاہیوں کا ایک دستہ لیکر اس زبردست حکومت سے جنگ کرنے کیلئے نکلا ہے جسکے اختیار میں ہزاروں لاکھوں سپاہی ہیں جنکے پاس سیکڑوں مشین گنیں، ہزاروں ہوائی جہاز، بیسیوں جنگی بیڑے اور نہ جانے کتنی قسم کے آلات حرب اور دوسرے سامان جنگ ہیں۔ اس نہتے اور جانباز سردار فوج نے ابتدائے جنگ سے پہلے ایک خط کی صورت میں ہز ایکسلنسی وائسرائے کی خدمت میں ایک اعلان جنگ بھی بھیجدیا تھا جس میں اس نے نہایت صاف صاف بتا دیا تھا کہ میں انگریز کا دشمن نہیں ہوں بلکہ انگریزی راج، کا دشمن ہوں جس نے ہمارے اس دیس کو تمدنی، سیاسی، اخلاقی، معاشی ہر حیثیت سے کھوکھلا کر دیا ہے۔ یہاں کی تمام دولت انگلستان کے بڑے بڑے سرمایہ داروں اور کارخانہ کے مالکوں کی جیبوں میں جاتی ہے، یا بے ضرورت پولیس اور فوجوں اور حکومت کے بڑے بڑے عمالوں اور عہدیداروں پر صرف ہو جاتی ہے، جسکے برداشت کرنے کیلئے ہندوستان اپنی اس مصیبت اور افلاس کی حالت میں کسی طرح تیار نہیں۔ مثال کے طور پر آپ ایک اپنی ہی تنخواہ لے لیجیئے آپ ہندوستان کے خزانے سے ہر ماہ ۲۱ ہزار پاتے ہیں جس کا اوسط یومیہ ۷۰۰ پڑتا ہے۔ برعکس اسکے ہندوستان کی اوسط آمدنی فی کس ۲ آنے یومیہ ہے یعنی آپ ایک اوسط آمدنی رکھنے والے ہندوستانی سے ۵ ہزار گنا زیادہ لیتے ہیں۔ اب اس کے مقابل میں ذرا اپنے وطن انگلستان کی حالت بھی دیکھ لیجیئے۔ وہاں کے وزیراعظم کی تنخواہ ۵۴۰۰ روپیہ ماہانہ ہے جس کا اوسط ۱۸۰ روزانہ پڑتا ہے۔ برعکس اس کے وہاں کے ہر شخص کی اوسط آمدنی ۲ روپیہ فی یوم ہے وہ صرف ۹۰ گنا زیادہ پاتا ہے۔ اسی طرح اور بھی مختلف حیثیتوں سے ہندوستان کو لوٹا، اور کھسوٹا جا رہا ہے اور دنیا کے دوسرے مہذب ملکوں کے مقابلہ میں اسکی یہ درگت ہو رہی ہے۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہندوستان کا، اس انگریزی راج کے ماتحت رہنا کسی طرح مناسب اور ممکن نہیں اور اس لئے میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ ۱۲ر مارچ ۳۰ء سے ہندوستان کو انگریزی حکومت کے پنجہ سے چھڑانے کیلئے اس کے تمام ناجائز اور جابرانہ قانونوں کی نافرمانی کیجائیگی، اور اس سلسلہ میں سب سے پہلے نمک کے محصول کا قانون لیا جائیگا جس کے اثر سے ہندوستان کا کوئی غریب سے غریب گھر بھی محفوظ نہیں۔

چنانچہ ۷۹ آدمیوں کی یہ جماعت اپنے سردار کی سرکردگی میں ۱۲ر مارچ ۱۹۳۰ء کی صبح کو ٹھیک ۶½ بجے آشرم سے نکلی۔ احمد آباد اور اس کے گرد و نواح سے ہزار ہا لاکھوں آدمیوں کا ایک کثیر مجمع راتوں رات سابرمتی آشرم کے ارد گرد جمع ہو گیا تھا اور اسی مجمع کے جیکار اور فتح کے نعروں میں یہ جماعت سورت کی جانب روانہ ہوئی جہاں سمندر کے کنارے ایک متعینہ مقام پر پہنچکر نمک بنانے میں مصروف ہوگی۔ یہ جماعت ۱۰ میل یومیہ کے حساب سے اپنا سفر طے کریگی اور سب سے پہلی منزل اسلالی میں ہوگی۔ ہر منزل کے لوگوں کو یہ ہدایت ہے کہ وہ اس سرفروشوں کی جماعت کے ٹھہرنے اور کھانے کا انتظام رکھیں۔ قیام و طعام میں کچھ بہت زیادہ تکلف اور اہتمام کی ضرورت نہیں۔ رہنے کیلئے کھلی ہوا کا ایک برآمدہ ہونا چاہیئے اور بس۔ بستر خود انکا اپنے ساتھ ہوگا۔ کھانے میں معمولی دال، چاول، روٹی اور ترکاری کے علاوہ اور کچھ نہ ہوگا، جو خواہ پکا کر پیش کیا جائے یا کچی جنس ہی کی صورت میں دیدیا جائے۔ اسمیں بھی مرچ اور مصالحہ کی ضرورت نہیں، تیز چائے اور سگریٹ کی بھی سخت ممانعت ہے۔

غرض یہ جماعت اسی طرح منزل بہ منزل اپنا سفر طے کرتی ہوئی یکم اپریل ۳۰ء کو سورت کے مقام پر پہنچیگی، جہاں وہ سب سے پہلے نمک بنانا شروع کریگی۔ اثنائے سفر میں ہو یا منزل مقصود پر پہنچ کر، اندیشہ یہ ہے کہ گورنمنٹ سب سے پہلے سالار فوج کو گرفتار کریگی اور اسکے بعد سپاہیوں کو۔ ہندوستان اور انگلستان دونوں ایوان حکومت میں یہ کھلبلی مچی ہوئی ہے، کہ اس نہتی فوج کا مقابلہ کس طرح کیا جائے اور کب! ابھی تک یہ طے نہیں ہو سکا ہے کہ اس سالار فوج کو پہلی منزل پہ گرفتار کر لیا جائے یا آگے پہنچکر؟ تمام ہندوستان کی نظریں اس طرف لگی ہوئی ہیں کہ اس حق و صداقت کی جنگ کی کیا رفتار ہوتی ہے؟ ہر ہر گوشہ اور ہر ہر طبقہ سے اسکی تائید و حمایت بلکہ اسکی اعانت و شرکت کیلئے پیامات اور خبریں آرہی ہیں۔ دنیا کے دور دست مقامات ابھی اس بے طبل و نقارہ کی جنگ کی طرف سے غافل اور بے خبر ہیں لیکن بعض دور افتادہ ملکوں میں جن کے سننے کے کان اور دیکھنے کی آنکھیں ہیں، وہ اس خاموش اور پر سکوت جنگ کا نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، اور اس بے آواز اور ساکت اسلحہ و آلات کی جھنکار اپنے کانوں سے سُن رہے ہیں۔ آؤ ہم بھی آنکھ اُٹھا کر دیکھیں اور کان لگا کر سنیں۔

والدین اور استادوں کا صفحہ

بچوں کی تربیت

آدمی دنیا میں کیا کچھ نہیں کرتا۔ مشکل سے مشکل کام اسکے ہاتھوں پورے ہوتے ہیں۔ قدرت کے چھپے بھید یہ معلوم کرلیتا ہے۔ [illegible] دل سے انکا راز یہ معلوم کرلیتا ہے [illegible] کام لیتا ہے [illegible] کام یہ لے لیتا ہے۔ پر نہیں سمجھتا تو اپنے کو! اب اسکی بھی کوشش کر رہا ہے۔ لیکن ابھی تک تو کرور وں آدمی ایسے ہیں جو سب کچھ کرسکتے ہیں پر آدمی کو آدمی نہیں بننے دیتے۔ [illegible] بچوں سے زیادہ کسی کو ایسا [illegible] ہوگا۔ [illegible] تربیت نہ کرنا چاہتا ہو۔ مگر جب بچوں کو سمجھتے ہی نہیں اور تربیت کے [illegible] سے واقف ہی نہ ہو تو سب کرتے [illegible] کی بات ہے۔ [illegible] لکھے پڑھے قابل ماں باپ اپنے بچوں کو اپنے ہاتھوں برباد کرنے میں اور [illegible] [illegible] ہیں [illegible]

[illegible]

بچوں کی تربیت میں پہلی بات تو [illegible] [illegible] بہت سے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] چاہتے ہیں [illegible] سے بہت مف[illegible] [illegible] قوت پیدا ہو [illegible] [illegible] اپنے [illegible] کرنے کی قوت رکھتا ہو۔ اپنے کام میں خود مختار ہو لیکن دوسروں کا خیال رکھے۔ آزاد ہو پر روادار۔ ایسی تربیت سے بچہ اس قابل بن سکتا ہے کہ بدلتی دنیا اور بدلتے ہوئے حالات میں اپنے لئے سیدھی راہ نکال سکے ورنہ غلام تو آج ایک کا غلام ہوتا ہے کل دوسرے کا۔

اب سوال یہ ہے کہ استاد اور سرپرست اس قسم کی تربیت کس طرح دے سکتے ہیں؟ بعض لوگ تو کہتے ہیں کہ خوب سختی کر کے اور سزا دیکر تربیت دینی چاہیئے کچھ کہتے ہیں کہ بچوں کو انکے حال پر چھوڑنا چاہیئے وہ ٹھوکریں کھا کر خود سیدھے [illegible] بگڑ جائیں گے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ دونوں خیال غلط ہیں۔ [illegible] والدین اور سرپرست بہت کچھ کر سکتے ہیں لیکن [illegible]

[illegible] سیرت کیسے بنتی ہے [illegible] معلوم ہوگا [illegible] کہ سیرت ہے کیا؟ سیرت ہمارے ہر ساعت اور ہر منٹ کے چلن کی مستقل بنیاد [illegible] [illegible] معلوم کرنے کے لئے کہ سیرت کیسے بنتی ہے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ عادتیں کیسے پڑتی ہیں۔ ذرا آپ سوچیے کہ آپ [illegible]

[illegible]

موقع [illegible] [illegible] [illegible]

اور عادت کیسے پڑتی ہے؟ مشق سے۔ [illegible] مشق ضروری ہے۔ بے مشق کوئی عادت نہیں پڑتی [illegible] [illegible] ایک اخلاقی خوبی پیدا [illegible] نہ ہو اس کی عادت پڑی ہاں اور یہ نہیں ہوسکتا کہ الف کی مشق کیجئے اور ب کی عادت پڑ جائے۔ الف کی مشق ہوگی تو الف کی عادت پڑیگی، ب کی مشق ہوگی تو ب کی عا[illegible]

مثلاً آپ اپنے بچہ میں سچ بولنے کی عادت پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ وہ جھوٹ بولا اور آپنے اسے مارا۔ اس سے اگر اس کے دل میں سچ بولنے کی خواہش پیدا ہو تو آپ جتنی مرتبہ اسے جھوٹ بولنے پر ماریئے اتنی ہی سچ بولنے کی عادت مضبوط ہوگی لیکن غالب گمان یہ ہے کہ آپکی مار پیٹ سے اس میں سچ بولنے کی خواہش کے بجائے مار سے بچنے کی خواہش اور ایسا جھوٹ بولنے کی خواہش جسے آپ پکڑ نہ سکیں پیدا ہو گی جتنی بار یہ خواہش پیدا ہو گی اسی قدر یہ عادت مضبوط ہو گی کہ وہ چھپ کر اور زیادہ چالاکی سے جھوٹ بولے۔ آپ سچ بولنے کی عادت ڈالنا چاہیں گے اور جھپ کر جھوٹ بولنے کی عادت ڈال دینگے۔ جو لوگ سزا دینے کے شائق ہیں انھیں یاد رکھنا چاہیئے کہ سزا کا خوف بچوں کو اکثر اس اصلی خوبی کی مشق میں حائل ہوتا ہے جسکا پیدا کرنا مقصود ہے۔ سزا سے آپ اپنی خواہش کی ظاہری اطاعت کرا سکتے ہیں لیکن دل میں اس چیز کو پسند کرنیکی عادت نہیں ڈال سکتے جسے پسند کرانا چاہتے ہیں۔ سزا دیکر پانچوں وقت نماز پڑھائی جا سکتی ہے، مگر دل میں اللہ کا ڈر یا اسکی محبت نہیں پیدا کرائی جا سکتی۔

عادت کے متعلق دوسری بات یہ یاد رکھنے کی ہے کہ ہر مشق سے عادت نہیں پڑتی بلکہ اس مشق سے جس میں کامیابی کی خوشی بھی حاصل ہو جس چیز کی مشق اور تکرار میں ناکامی اور تکلیف ہوتی ہے اسے آدمی نہیں سیکھتا۔ بچہ میں کوئی عادت پیدا کرنی ہے تو اس کی مشق میں بچہ کو کامیابی کی خوشی بھی ہونی چاہیئے۔ کامیابی کی خوشی اس مقصد کے اعتبار سے ہوتی ہے جو بچے کے ذہن میں ہوتا ہے۔ اگر آپ اس مقصد کو نہ بدلیں تو صرف ظاہری عمل پر سزا یا حکم کا اثر ہوگا اور یہ خیال دھوکہ ہوگا کہ بچہ کے ذہن میں دراصل وہ عادت پڑ رہی ہے جو آپ ڈالنا چاہتے ہیں۔

مشق و تکرار سے عادت پڑنے کے متعلق ایک تیسری بات یہ یاد رکھنی چاہیئے کہ جب آدمی کسی چیز کو بار بار کرتا ہے تو اس چیز کے ساتھ ساتھ اور بہت سے متعلقات ہوتے ہیں انکی عادت بھی اسے پڑتی جاتی ہے۔ یہ عادت کے ساتھ اور بہت چیزوں کے متعلق بچہ کا رویہ متعین ہوتا رہتا ہے۔ اور اس رویہ پر آیندہ زندگی میں بہت چیزوں کا دار و مدار ہو جاتا ہے۔ لڑکے کو مار مار کر مدرسہ بھیجا جا سکتا ہے، لیکن اسکے دل میں اس مار دھاڑ اور جبر سے جو رویہ اسکول اور کتابوں کی طرف پیدا ہوتا ہے وہ اسکی آیندہ زندگی کے لئے مدرسہ جانے سے زیادہ اہم ہے۔ کتنے بچے ہیں جو مدرسہ چھوڑ کر ایک مرتبہ بھی کتاب اُٹھا کر

نہیں دیکھتے اور سمجھتے ہیں کہ اللہ اللہ کر کے یہ مصیبت ختم ہوئی۔

اُستادوں اور سرپرستوں کو کبھی یہ بات نہ بھولنی چاہیئے کہ جب وہ بچوں کو کچھ سکھاتے ہیں تو وہ یہ چیز سیکھیں یا نہ سیکھیں بہت سی دوسری چیزیں، بہت سے رجحانات، بہت سے میلانات، بہت سی نفرتیں، بہت سی رغبتیں ضرور ان میں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ خود والدین کے متعلق، اُستادوں کے متعلق، مدرسے کے متعلق۔ لہٰذا جب آپ بچہ کو کوئی چیز، کوئی عادت سکھانا چاہیں تو ان بے شمار چیزوں کا بھی خیال رکھیئے جو اس کے ساتھ اس میں پیدا ہو رہی ہیں۔ اپنی توجہ تمام تر اس ایک چیز میں کامیابی پر مرکوز نہ کر دیجیئے۔ یہ نہ ہو کہ آپ مار کر نماز تو پڑھالیں لیکن مذہب سے خدا سے بندگان خدا سے بچے کے دل میں بیگانگی کا بیج بو دیں۔

یاد رکھیئے کہ

(۱) تربیت میں سزا پر زیادہ بھروسہ کرنا بڑی غلطی ہے۔ اور اکثر وہ چیزیں اس سے پیدا ہو جاتی ہیں جو مقصود اصلی کی ضد ہیں۔ سزا پر بھروسہ کرنا ایسا ہی ہے کہ تندرستی کے لئے ہر وقت دواہی پر بھروسہ کیا جائے۔ اور صفائی، اچھی غذا، او[illegible]رش کو پس پشت ڈالدیا جائے۔

(۲) سزا دیجئے تو غلطی کا بدلہ لینے کے لئے، یا گناہ و سزا کا حساب برابر کرنے کے لئے نہیں۔ یہ کام خدا کا ہے آپ اس میں دخل نہ دیجئے۔ سزا ماضی پر نہ دیجئے مستقبل کے درست کرنے کے لئے دیجئے اور اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ مستقبل پر اس کا اچھا اثر پڑیگا۔

(۳) غصہ میں کبھی سزا مت دیجئے۔ اس لئے کہ سزا کا جو کچھ مفید اثر ممکن ہے وہ بھی اس سے جاتا رہتا ہے۔ اور ضد کی بنا پڑتی ہے۔

(۴) بچہ کو مدمقابل سمجھکر اس پر فتح حاصل کرنے کی کوشش نہ کیجئے۔ اس لئے کہ بچہ کے لئے یہ فخر کافی ہے کہ وہ آپکا مدمقابل بن سکا۔ اور وہ بار بار اس فخر کو حاصل کرنا چاہیگا۔ سزا دیجئے تو اس طرح کہ بچہ جس چیز پر ضد کر رہا ہے وہ تو اسے حاصل نہ ہو، لیکن آپ کے مقابلہ کا احساس بھی اسکو نہ ہونے پائے۔ تاکہ بچہ میں غصہ نہ پیدا ہو۔ غصہ میں آدمی کوئی اچھی بات نہیں سیکھ سکتا۔

(۵) اپنی باتوں کو ہر وقت منوا منوا کر بچہ کی شخصیت کو بالکل دبا نہ دیجئے۔ بچہ کی اپنی شخصیت ہوتی ہے اسے نشو و نما کا موقعہ دیجئے۔ لیکن ساتھ ہی اس کی عادت بھی ڈالئے کہ وہ دوسروں کی شخصیت کے ساتھ کم سے کم

کوائف جامعہ

۱۲ر مارچ ۱۹۳۰ء ہندوستان کی تاریخ میں وہ یادگار تاریخ تھی جس دن کہ مہاتما گاندھی جی اپنی سول نافرمانی کی تحریک شروع کرنے کے لئے روانہ ہورہے تھے۔ اس تاریخ کو جامعہ میں ایک جلسہ اس غرض سے منعقد ہوا کہ طلبہ کو اس تاریخی دن کی اہمیت بتائی جائے نیز یہ طے کیا جائے کہ جامعہ کو اس تحریک میں حصہ لینا چاہئے یا نہیں۔ اسمیں طلبہ اور اساتذہ میں قومی جذبات اور ایثار و قربانی کے ولولوں کا دریا موجیں مار رہا تھا۔ جلسہ میں چھوٹے بچوں سے لیکر کالج کے بڑے طلبہ تک نے نہایت پرجوش تقریریں کیں اور اساتذہ و شیخ الجامعہ نے بھی اس مسئلہ پر اپنے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا جو بحمداللہ کہ جامعہ کی گزشتہ روایت کے شایان شان اور موجودہ حالات کے لحاظ سے نہایت مناسب اور موزوں تھے۔ سب سے آخیر میں جناب شیخ الجامعہ کی تقریر ہوئی جس کا ایک ایک فقرہ خود انہی کے الفاظ میں سننے کے قابل تھا لیکن افسوس ہے کہ جگہ کی تنگی سے ہم صرف بعض ہی حصوں کا خلاصہ دے سکتے ہیں۔

جناب شیخ الجامعہ کی تقریر

گزشتہ سیاسی تحریکوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اب تک ہندوستان میں جتنی سیاسی تحریکیں اٹھیں وہ زیادہ تر شہری آبادی سے متعلق تھیں۔ سب سے پہلے ۱۹۲۰ء میں ہوکہ مہاتما گاندھی جی نے ایک ایسی تحریک اٹھائی جو ہندوستان کی اصل آبادی یعنی دیہات کے لوگوں سے تعلق رکھتی تھی لیکن یہ اتفاق وقت تھا کہ اسی زمانہ میں مظالم پنجاب اور خلافت کا زور شروع ہوگیا اور اس طرح وہ تحریک اپنے اصل روپ میں جلوہ گر نہ ہوسکی۔ ہندوستان کی تمام قوت انہی مطالبات کے تسلیم کرانے میں صرف ہوئی۔ سوء اتفاق سے یہ تحریک پوری کامیاب نہ ہوسکی اور ملک میں کئی سال تک ایک انتشار اور تفرقہ کا دور دورہ رہا۔ اس عرصہ میں ہندوستان نے سب سے بڑی غلطی جو کی وہ دستور اساسی بنانیکی کوشش تھی۔ اب سے چند سال پیشتر انگلستان کے ایک بڑے شخص لارڈ برکن ہیڈ نے یہ طعنہ دیدیا تھا کہ ہندوستان کے لوگ اپنا ایک متفقہ کانسٹی ٹیوشن بھی نہیں بنا سکتے۔ بس کیا تھا، ہمارے سیاسی کابرین اس طعنے سے بھڑک اٹھے اور "نہرو کمیٹی رپورٹ" کے نام سے ایک دستور اساسی بنا کر پیش کر دیا، لیکن اسکا جو حشر ہوا وہ بالکل قدرتی تھا۔ سیاسی قوت حاصل کرنے سے پیشتر دستور اساسی منظور کرانیکی کوشش ایک عبث کوشش تھی۔ بہر حال اب پورے دس سال کے بعد وہ تحریک پھر اپنے اُسی اصلی رنگ میں نمودار ہوئی ہے۔

جامعہ کی اس تحریک میں شرکت کے متعلق آپ نے فرمایا کہ اسوقت اگر اور مسلمان شریک ہوتے تو پھر کارکنان جامعہ کو اس میں حصہ لینے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ جامعہ تو خود جنگ آزادی کے لئے سپاہی تیار کر رہی ہے۔ کارکنان جامعہ کی یہ چھوٹی سی جماعت اس ایک کام میں لگی ہوئی ہے، اب اسکو کسی اور طرف توجہ کرنیکی ضرورت نہیں تھی۔ یہ خود ایک قومی اور مذہبی کام ہے۔ لیکن اس وقت جس حالت میں ہم ہیں، اسکی بنا پر اندیشہ ہے کہ کہیں ہمارے طرز عمل سے طرح طرح کی غلط فہمیاں نہ پیدا ہوں، اس لئے ہم میں سے کچھ کی شرکت ضروری ہے۔ جامعہ بہ حیثیت ایک خاندان کے ہے جسکے طلبہ اور اساتذہ دونوں رکن ہیں۔ ہم میں سے جو شخص، خواہ بڑے طلبہ کی جماعت سے تعلق رکھتا ہو یا اساتذہ کی، بخوشی اس جنگ میں حصہ لینے کے لئے تیار ہے، وہ اپنی مرضی سے مطلع کرے اور پھر جامعہ یہ فیصلہ کریگی کہ آیا وہ اپنے کنبہ میں سے کس کس کو اور کتنے کو بخش سکتی ہے تا کہ اسکے تعلیمی کام پر اثر نہ پڑے۔

بقیہ مضمون ص۲

رواداری برتے۔ اگر وہ بالکل دوسروں کا خیال نہیں کرتا، تو بھی تربیت غلط ہوگی۔ ہر کام میں بالکل دوسروں ہی کے کہنے کا منتظر رہتا ہے تو بھی تربیت غلط ہوگی۔ اگر بچہ میں ضد پیدا ہو تو سمجھئے کہ آپ نے موقع بے موقع اسکی شخصیت کو دبانیکی کوشش کی ہے اور ہر بچہ اس کوشش کے خلاف مدافعت کر رہا ہے۔ اگر بچہ آپکے سامنے سے ہٹ جانیکے بعد بالکل دوسری طرح لوگوں سے پیش آتا ہے، تو بھی آپ کو سمجھ لینا چاہیئے کہ آپ بچہ کی شخصیت میں بیجا مداخلت کر رہے ہیں۔ کیسی افسوسناک بات ہے کہ اکثر بچے اسی وقت اپنی شخصیت کا اظہار کر سکتے ہیں جب انکے اُستاد اور سرپرست موجود نہ ہوں۔

بس اب بہت سی باتیں ایک دفعہ کہدینا ٹھیک نہیں۔ لہذا رخصت ۔

مذہب و اخلاق

چند روسی کہاوتیں

(۱) انسان کا جوہر اندرونی ہوتا ہے حیوانوں کا بیرونی۔
(۲) جو دودھ کے ساتھ آئے، جان کے ساتھ جاتا ہے۔
(۳) جب روپیہ بولتا ہے تو صداقت خاموش ہو جاتی ہے۔
(۴) ماں کی محبت سمندر کی گہرائیوں سے اُٹھتی ہے۔
(۵) داڑھی صفا کرنا داڑھی کا نور مٹانا ہے۔
(۶) وقت تمہارے سامنے نہیں جھک سکتا تو تم وقت کے سامنے جھک جاؤ۔
(۷) انسان اپنی زبان سے پکڑا جاتا ہے اور بیل اپنے سینگوں سے۔
(۸) اگر سب احمق سفید ٹوپیاں پہنیں تو ہم بھیڑوں کا گلہ دکھائی دیں۔
(۹) خدا پر بھروسہ کرو لیکن اپنے کام سے کام رکھو۔
(۱۰) جو اپنے طبیب کو اپنا وارث بنائے احمق ہے
(۱۱) کپڑے کو دس بار ناپو۔ کپڑے کو کاٹ ایک ہی دفعہ سکتے ہو۔
(۱۲) اگر تم مرغ ہو تو اذان دو۔ مرغی ہو تو انڈے۔
(۱۳) بھٹکتے پھرنے سے لوٹ آنا اچھا ہے۔
(۱۴) صداقت سیدھی ہوتی ہے لیکن جج ٹیڑھے۔
(۱۵) جو زندہ ہوتے ہیں گرتے پتوں کی بھی ایک آواز سن سکتے ہیں۔
(۱۶) باپ جو دعا دے وہ نہ ڈوب سکتی ہے، نہ آگ اسکو جلا سکتی ہے۔
(۱۷) جب گدھے پر ہلکا بوجھ لاد دو تو وہ لیٹنے لگتا ہے۔
(۱۸) خدا کے سامنے ہاتھ پھیلاؤ لیکن عین ساحل تک اپنے چپّو بھی چلاتے جاؤ
(۱۹) تحفہ چاہے سستا ہو محبت کی قیمت بہت ہوتی ہے۔
(۲۰) کتّے بھونکتے ہیں تو ہوائیں اُنکی آواز کو لیجاتی ہیں۔
(۲۱) خدا کے ساتھ سمندر پر چلے جاؤ۔ بن خدا چوکھٹ تک بھی نہ جاؤ۔
(۲۲) مستقبل اسکا ہے جو صبر کے معنی سمجھتا ہے۔
(۲۳) جب تم مر جاؤ گے تو تمہارے لئے شور و غل مچانیوالا دفن کر دیا جائیگا۔
(۲۴) جس کے آنسو دل سے نکلتے ہیں اُس کے لئے اندھے بھی آنسو گراتے ہیں
(۲۵) بے عقلوں کے سوالوں کا کچھ جواب نہیں ہوتا
(۲۶) جب تم مر جاؤ گے تو تمہاری قبر بھی آرام دہ ہو گی۔
(۲۷) قانون سے نہ ڈرو لیکن جج سے ڈرو۔
(۴۸) جب گرج سنائی نہیں دیتی تو کسان دعا کرنا بھول جاتے ہیں۔
(۲۹) گھر نہ خریدو، ہمسایہ خریدو
(۳۰) کھلا منہ بھوکا نہیں رہتا۔
(۳۱) بھیڑ ہو تو بھیڑیا تیار رہتا ہے۔
(۳۲) جو دو کشتیوں پر پاؤں رکھے، ڈوب کے مرتا ہے۔
(۳۳) سورج چمکتا ہو تو چاند کوئی نہیں مانگتا۔
(۳۴) سوئے لومڑ کو مرغیوں کے خواب آتے ہیں۔
(۳۵) اگر بھیڑیے سے ڈرتے ہو تو جنگل میں نہ جاؤ
(۳۶) کوّے ایک دوسرے کی آنکھیں نہیں نکالتے
(۳۷) بھیڑیا گھوڑے کا ہمجولی نہیں ہوتا۔
(۳۸) اندھوں کی مملکت میں کانوں کا راج ہوتا ہے۔
(۳۹) نوکر ریشمی جوڑے پہنیں تو آقا مقروض ہوتا ہے۔
(۴۰) خالی پیٹ کے کان بہرے
(۴۱) قرض اور مصیبت ہمسائے ہیں۔
(۴۲) دیس کا مرغا پردیس کی گائے سے بہتر۔
(۴۳) عورتیں ہنستی ہیں جب ہنس سکیں اور روتی ہیں جب چاہیں۔
(۴۴) سر میں عقل نہ ہو تو پاؤں ٹھوکر کھاتے ہیں۔

ملک محمد اسلم خاں ایم اے (کیمبرج)
حال مقیم لندن

ریاضی

جمع کرنے کے چند آسان قاعدے

منزل ابتدائی کے لئے

بچو، ہم جمع کرنے میں عام طور پر صرف ایک ہی قاعدے کو استعمال کرتے ہیں خواہ کسی قسم کے سوال ہوں (یعنی اکائی دہائی وغیرہ کو جمع کرنا) مگر بعض گر ایسے ہیں جن کے استعمال کرنے سے بعض سوال فوراً حل ہو جاتے ہیں، اور وقت بچ جاتا ہے. آجکل وہی لڑکا حساب میں اچھا سمجھا جاتا ہے جو سوچ سمجھکر کم وقت میں زیادہ سوال تیزی سے حل کرے اور جواب صحیح نکالے، مگر اس بات کا خاص خیال رکھو کہ سوالوں کے حل دیکھ کر خود ہی نتیجہ نکال سکو

مثال۔ ۱۲ کا پہاڑہ ابتداء سے ۱۲ × ۱۰ تک لکھ کر اس کے کل اعداد جمع کرو اور انکا اوسط نکالو

(ا) (۱۲ + ۱۲۰) ÷ ۲
= ۱۳۲ ÷ ۲ = ۶۶ اوسط جواب
اور ۶۶ × ۱۰ = ۶۶۰ مجموعہ جواب

(ب)
۱۲
۲۴
۳۶
۴۸
۶۰
۷۲
۸۴
۹۶
۱۰۸
۱۲۰
———
۶۶۰

اور ۶۶۰ ÷ ۱۰ = ۶۶

کس عمل میں زیادہ وقت خرچ ہوگا؟

یقیناً (ا) کا عمل بہت آسان ہے اور کم وقت لیگا بلکہ ہم بغیر کاپی پنسل کے فوراً زبانی جواب دے سکتے ہیں۔ اچھا تو ہم اس کے لئے کیا قاعدہ بنا سکتے ہیں۔

قاعدہ۔ اگر کسی پہاڑے کی مسلسل رقموں کو جمع کرنا ہو تو پہلے اس کا اوسط نکالو اس طرح سے کہ اس کی پہلی رقم اور آخری رقم کے مجموعے کو ۲ پر تقسیم کر دو، حاصل قیمت اوسط ہوگی پھر اوسط کو پہاڑے کی رقموں کی تعداد میں ضرب دیدو

بالفاظ دیگر

اوسط = (پہلی رقم + دوسری رقم) ÷ ۲

مجموعہ = اوسط × تعداد رقم

اچھا تو اس قاعدے سے اور کتنی قسم کے سوال حل کر سکتے ہیں ذیل کی مثالوں پر غور کرو۔

مثال نمبر ۲

۲۶ + ۲۸ + ۳۰ + ۳۲ + ۳۴ = (۲۶ + ۳۴) ÷ ۲

= ۶۰ ÷ ۲ = ۳۰ اوسط اور ۳۰ × ۵ = ۱۵۰ مجموعہ جواب

مثال نمبر ۳

۴۱ + ۴۳ + ۴۵ + ۴۷ + ۴۹ + ۵۱

= (۴۱ + ۵۱) ÷ ۲

= ۹۲ ÷ ۲ = ۴۶ اوسط

اور ۴۶ × ۶ = ۲۷۶ مجموعہ جواب

مثال نمبر ۴

۷۶ + ۸۴ + ۹۲ + ۱۰۰ + ۱۰۸ + ۱۱۶ + ۱۲۴

= (۷۶ + ۱۲۴) ÷ ۲

= ۲۰۰ ÷ ۲ = ۱۰۰ اوسط

اور ۱۰۰ × ۷ = ۷۰۰ مجموعہ جواب

دیکھو مثال نمبر ۲ میں چند مسلسل جفت عددوں کو جمع کیا ہے اور نمبر ۳ میں چند مسلسل طاق اعداد کو اور نمبر ۴ میں ایسے اعداد کو جو ایک دوسرے سے ایک ہی مقررہ تعداد میں بڑھے ہوئے ہیں تو اب مختصراً بیان کرو کہ اس قاعدہ سے کن کن موقعوں پر فائدہ اٹھاؤ گے؟

کسی پہاڑے کی چند مسلسل رقمیں جمع کرنا ہو یا چند مسلسل طاق یا جفت رقموں کو جمع کرنا ہو یا ایسی رقموں کو جمع کرنا ہو جو ایک دوسرے سے ایک ہی مقررہ مقدار میں بڑھی ہوئی ہوں تو مندرجہ بالا قاعدہ استعمال کر سکتے ہیں۔

تاریخ

شمع رسالت کے پروانے

تاریخ اسلام کی اہمیت اور ضرورت کو واضح کرنا میرے مضمون کے حدود سے باہر ہے تاہم اپنی طالب علمی کے قلیل زمانہ میں میں نے جو کچھ بھی معلومات اس عظیم الشان تاریخ کے متعلق حاصل کی ہیں انہی بنا پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ تاریخ اسلام کا مطالعہ آجکل کے نام نہاد مسلمانوں کو صحیح معنوں میں مسلمان بنا سکتا ہے تاریخ اسلام ایک ایسی تاریخ ہے جو کہ مردہ قوموں کو زندگی بخش سکتی ہے لیکن افسوس کہ جسقدر یہ مضمون مسلمانوں کے لئے مفید اور اہم تھا اسی نسبت سے مسلمانوں نے اس کے حاصل کرنے میں غفلت کی کسی قوم کا اپنے اسلاف کے عظیم الشان کارناموں کو بھلا کر دوسروں کے اسلاف کے کارناموں کو اپنے لئے شمع ہدایت بنانا اس قوم کی انتہائی پستی کا کھلا ہوا ثبوت ہے مسلمانوں کی تاریخ اسلام سے غفلت کو دیکھ کر ہندوستان کے مشہور و معروف شاعر علامہ اقبال نے یوں رونا رویا ہے :-

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

ذیل کے عنوان کے تحت میں تاریخ اسلام کا ایک واقعہ تحریر کرتا ہوں جس سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ صحابہ کرام سرور کائنات سے کس قدر محبت اور عقیدت رکھتے تھے۔ اور اشاعتِ اسلام کے لئے ان بزرگ ہستیوں نے کس طرح اپنے مال اور اپنی عزیز ترین جانیں قربان کیں یہ واقعہ سنہ ۳ھ میں پیش آیا جب کہ مسلمان کفار مکہ سے دو جنگیں کر چکے تھے۔ جنگ احد سے فارغ ہو کر رسول اللہ صلعم نے تبلیغ اسلام کی غرض سے صحابہ کو ارد گرد کے عربی قبیلوں میں بھیجنا شروع کیا چنانچہ اسی سلسلہ میں قبیلہ خذمیہ کی دو شاخوں عضل اور قارہ نے چند آدمیوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ کہلا بھیجا کہ ہمارے قبیلوں کے کچھ لوگ مسلمان ہو گئے ہیں اگر آپ چند صحابہ کو تبلیغ اسلام کے لئے بھیجدیں جو اسلام اور قرآن کی تعلیم دیں تو بہت مناسب ہو۔ آنحضرت نے مرثد غنوی کو مع پانچ آدمیوں کے اُن کے ساتھ روانہ کر دیا۔ ان لوگوں نے مقام رجیع میں پہنچکر غداری کی اور قبیلہ ہذیل کے دو سو آدمیوں کو اُن صحابہ کے قتل کے لئے بلا لائے۔

جب ان شریر نفس اور دغاباز لوگوں نے صحابہ کی جماعت کو قتل کرنے کے لئے تلواریں نکالیں تو صحابہ اپنی تعداد کی کمی کو دیکھ کر بہت گھبرائے لیکن "تنگ آمد بجنگ آمد" کے مطابق انھوں نے بھی اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنی مدافعت کے لئے مردانہ وار لڑنے کی ٹھان لی۔ یہ لوگ صحابہ کو انکے جانی دشمن کفار مکہ کے ہاتھ فروخت کر کے کچھ مال وصول کرنا چاہتے تھے لیکن صحابہ نے اب انکی باتوں پر یقین نہ کیا۔ دونوں جماعتوں کے درمیان لڑائی ہوئی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ صحابہ شہید ہوئے اور تین کو انھوں نے زندہ گرفتار کر لیا ان میں سے ایک کو راستہ میں مار ڈالا اور دو کو جنکے نام حبیبؓ اور زیدؓ تھے مکہ میں بیچ کر قریش کے ہاتھ فروخت کر دیا حضرت زید کو صفوان بن اُمیہ نے خرید لیا تھا جب مکہ سے باہر بیجا کر ان کو قتل کرنے کے لئے تلوار سونتی تو ابوسفیان نے حضرت زید کو نہایت ہی سخت آزمائش میں ڈالنا چاہا چنانچہ اس نے کہا۔ زید! کیا تمہیں یہ منظور ہے کہ تمہاری جان بخشی اس شرط پر کر دی جائے کہ تمہاری بجائے محمد صلعم کو قتل کیا جائے"۔

زید عاشق رسول کے مجسمہ زید نے جن الفاظ میں جواب دیا ان میں سے ایک ایک یاد رکھنے اور غور کرنے کے قابل ہے۔ یہ الفاظ رسول صلعم کے سچے جاں نثار نے اس وقت زبان سے نکالے جبکہ انکی زندگی کے چند لمحے باقی تھے۔ یہ وہ نازک ترین وقت تھا جب کہ ہر ڈوبنے والا تنکے کا بھی سہارا قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے لیکن استقلال کے اُس مجسمہ کے پاؤں اُس نازک وقت میں بھی نہیں ڈگمگائے۔ چنانچہ اس نے جواب دیا "اللہ کے سچے رسول کی محترم زندگی کے مقابلہ میں میری جان کوئی وقعت نہیں رکھتی ہے میں یہ بھی گوارا نہیں کر سکتا کہ رسول اللہ کے پاؤں میں کانٹا چبھنے کی تکلیف کی بجائے میری جان بچ جائے"۔ یہ سنکر ابوسفیان نے کہا کسی شخص کو ایسا نہیں دیکھا کہ اسکے ساتھی اس کو اسقدر عزیز رکھتے ہوں جسقدر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب انکو عزیز رکھتے ہیں۔

حضرت خبیبؓ نے احد کی لڑائی میں حارث کو قتل کیا تھا حارث کے بیٹوں نے ان کو موں لیا جب قتل کرنے لگے تو انہوں نے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت مانگی۔ فارغ ہوئے تو فرمایا میں دیر تک نماز پڑھتا اور دعا مانگتا لیکن تم کہو گے کہ موت سے ڈرتا ہے۔ اسی وقت سے یہ دستور ہو گیا کہ کوئی مسلمان جب قتل ہونے لگتا ہے تو دو رکعت نماز پڑھ لیتا ہے۔ سرور دو عالم کے انہیں سچے جاں نثاروں کے متعلق کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

میرے بھائیو! وہی اسلام جسکی اشاعت میں رسول صلعم نے طرح طرح کی مصیبتیں جھیلیں وہی دین مبین جسکی اشاعت میں صحابہ نے اس طرح اپنی جانیں قربان کیں وہی اسلام آج سفر وای دکی گھٹاؤں میں گھرا ہوا ہے اسی اسلام پر مخالفین اسلام طرح طرح کے اعتراضات کر رہے ہیں کیا ہم جنکو سرور دو عالم کے امتی اور پیرو ہونیکا دعویٰ ہے اسی طریقہ سے خواب غفلت میں سوتے رہیں گے یاد رکھیے اگر ہم نے اپنی گہری نیند سے کروٹ نہ لی تو وہ خدائے عادل ہمیں تباہ و برباد کرکے دوسری قوم کو پیدا کریگا جس میں دین اسلام کی حفاظت کا جذبہ اور قدرت ہو گی لیکن قیامت کے روز ہم مواخذہ سے نہیں بچ سکتے۔ لہذا ہمکو چاہیئے کہ جہاں ہم طلب دنیا کے لئے تگ و کوشش کرتے ہیں جہاں ہم دنیاوی تعلیم کے حاصل کرنے کے لئے اسقدر جد و جہد کرتے ہیں وہاں ہم دینی تعلیم کو بھی حاصل کریں اور قرآن و حدیث کے بعد سب سے زیادہ توجہ تاریخ اسلام کے مطالعہ کی طرف کریں۔ اور ایسی درسگاہوں اور مدرسوں میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے جائیں جہاں دنیاوی تعلیم کے ساتھ صحیح معنوں میں دینی تعلیم بھی دی جاتی ہو اور جہاں تاریخ اسلام کا مضمون خصوصیت سے پڑھایا جاتا ہو۔

اسمٰعیل محمد مدھا
متعلم۔ اسلامیہ نیشنل ہائی اسکول رنگون
ملحقہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

صفحہ ۰ کا بقیہ مضمون

۵۔ ابتدا سے چند مسلسل طاق عددوں کی جمع معلوم کرنا۔

مثال: ۱ + ۳ + ۵ + ۷ + ۹ + ۱۱ + ۱۳ + ۱۵ + ۱۷

= (۹)² = ۸۱ جواب

دیکھنا اس کی جمع کس قدر آسان ہے، یہ ۹ کہاں سے آگیا؟ دئے ہوئے عددوں کی تعداد ۹ ہے، ضرور ہے کہ ۹ اسی وجہ سے لکھا گیا ہے اس تو اب اس کے لئے کیا قاعدہ بنا؟

قاعدہ نمبر ۵۔ ابتدا سے چند مسلسل طاق عددوں کی جمع معلوم کرنا ہو تو لئے نمبروں کی کل تعداد کا مربع نکال لو بس یہی جواب ہوگا۔

(۶) ... ۱۳ + ۱۴

= (۱۴)² = ۱۹۶ جواب

دیکھو کس قدر آسانی سے جواب نکل آیا۔ ہاں تو جہاں کہیں اس قسم کا سوال دیا جائے بس آخری ہندسہ کا مربع معلوم کر لو مثلاً

(۱۹)² + ۱۹ + ۲۰

= (۲۰)² = ۴۰۰ جواب

استعمال:

مندرجہ بالا قاعدہ کا استعمال اسوقت کرنا چاہیے جبکہ ہم جمع کے سوالات دوسرے طریقوں سے حل کرنا اچھی طرح سیکھ گئے ہوں، تاکہ ہمیں یقین ہو جائے کہ یہ قاعدے صحیح ہیں اور ہمارے لئے مفید ہیں۔ البتہ دوران مشق میں جانچ پڑتال کے لئے انکا استعمال کر سکتے ہیں۔

مشق کے لئے سوالات: ہر ایک مثال کے نمونے پر دو دو تین تین سوال بناؤ اور ان کو حل کرو اگر جواب غلط ہو تو دو باتوں میں سے کوئی ایک بات ہوگی۔ یا تو تم نے سوال غلط بنایا ہوگا یا حل کرنے کے طریقہ کو اچھی طرح نہیں سمجھے ہونگے، اگر ایسا ہے تو پھر ایکبار انکو غور سے پڑھو اور حل کرو۔

محمد عبدالغفار صاحب مدہولوی۔
(سابق معلم جامعہ دہلی و مقیم حال موگا)

نظم

گفتارِ گُل

گیا چمن میں جو اک روز میں پئے تفریح　　گلاب ہنس کے یہ کہنے لگا کہ او غافل
لگا کے کان گھڑی بھر یہ ماجرا سُن لے　　کہ حسن پر ہے زمانہ کے تو بہت مایل
خبر ہے کچھ تجھے میری کہ شب کو میں کیا تھا　　حجاب کتنے تھے پتوں کے درمیاں حائل
نہ شکل تھی مری ظاہر نہ روپ تھا کوئی　　شمارِ گل میں تھا میرا نہ غنچہ میں شامل
قرار تھا نہ صبا کو میرے بغیر اک دم　　نسیمِ صبح سنبھالے تھی دستِ شوق سے دل
دعائیں مانگتے تھے عندلیب آمد کی　　مزا تھا سب کو مرے انتظار کا حاصل
پڑا ہوا تھا جواب تک حجاب پتوں کا　　چھپا ہوا تھا جو شاخوں کی آڑ میں محمل
نکل کے شاخ سے آیا نظر زمانے کو　　خدا کا شکر کہ پوری ہوئی یہ اک منزل
ہوائے شوق گلستاں میں کھینچ لائی مجھے　　کریگا سنگِ خزاں چور میرا کاسۂ گل
مٹے ہوئے تھے نمایش پہ جو مری سرِ شام　　ملینگے صبح وہی پاؤں سے بتانِ چگل
کرینگے یاد نہ مجھکو وہ خواب میں بھی کبھی　　لگا ئینگے وہ کسی اور پھول سے اب دل

غرض یہ حال ہے غافل سرائے فانی کا
نہ شیب کا ہے بھروسہ نہ کچھ جوانی کا

سید الشعرا منشی سید حسن صاحب سیّد ناظم بزم ادب بھوپال یادگار حضرت ظہیر دہلوی

خطرے کے وقت سب سے بڑا ہتھیار

بچو!

اگر تم سے سوال کیا جائے کہ خطرے کے وقت کونسی چیز سب سے زیادہ مفید ثابت ہوتی ہے؟ تو تم میں سے اکثر ایسے ہونگے جو اس کا جواب یہ دینگے کہ خطرے کے وقت سب سے زیادہ کارآمد چیز ہتھیار ہے، خواہ وہ تلوار ہو یا لاٹھی یا بندوق۔ لیکن اگر تم اس سوال پر غور کرو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ ہمارے پاس ہتھیار سے بھی بڑھکر ایک ایسی چیز ہے جو خطرے کے وقت تمام مشکلات پر قابو پالیتی ہے اور ہمیں اس قابل بنا دیتی ہے کہ ہم بآسانی دشمن کو مغلوب کر سکیں۔ عرف عام میں اس چیز کو اوسان یا حواس سے منسوب کیا جاتا ہے۔

فرض کرو تم ہاتھ میں بندوق لئے ہوئے کسی ایسے خوفناک جنگل میں سے گذر رہے ہو، جو شیروں کا مسکن ہے۔ اچانک قریب کی جھاڑی سے ایک شیر نکل کر تم پر حملہ آور ہوتا ہے۔ اب اگر تمہارا دل کمزور ہے تو شیر کے دیکھتے ہی اعضا میں رعشہ پڑجائیگا۔ سینہ زور زور سے دھڑکنے لگیگا۔ ہاتھ بے قابو ہوجائیں گے۔ رفتار میں لغزش پیدا ہوجائیگی۔ رُخ پر زردی چھاجائیگی۔ تم بھاگنے کی کوشش کروگے لیکن تمہارے ہاتھ کانپنے لگینگے اور آخر بندوق تمہارے ہاتھ سے گر جائیگی۔ اور شیر کو تم پر قابو پانے کا موقعہ مل جائیگا۔

اب اس کے برعکس اگر تم قوی دل واقع ہوئے ہو، خطرے کے وقت پریشان نہیں ہوجاتے بلکہ اپنے حواس کو قابو میں رکھ کر دشمن کا بہادری سے مقابلہ کرتے ہو، تو اس حالت میں تم شیر کو اچانک دیکھ کر بزدلوں کی طرح گھبرا نہیں جاؤگے بلکہ اطمینان سے موقعہ پاکر شیر پر فیر کردوگے۔ اور اپنے دشمن کو مغلوب کرلوگے۔ پہلی مثال اُس شخص کی ہے جو خطرے کے وقت بدحواس ہوجاتا ہے اور دوسری مثال اس قوی دل شخص کی ہے جو خطرے کے وقت اپنے اوسان کو خطا نہیں ہونے دیتا۔ اب ہم بطور مثال اتم کو دو کہانیاں سُناتے ہیں۔

چندسال پیشتر کا واقعہ ہے کہ کسی کالج کا پروفیسر رات کے وقت اپنے کمرے میں تنہا سویا ہوا تھا۔ آدھی رات کے وقت اچانک جو آنکھ کھُلی تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک مسلح ڈاکو ہاتھ میں پستول لئے ہوئے کمرے میں گھس آیا ہے اور دھمکی دے رہا ہے کہ اگر ذرا بھی حرکت کی تو قتل کردونگا۔ پروفیسر پہلے کچھ گھبرایا لیکن پھر سنبھل کر ڈاکو سے کہنے لگا "واہ صاحب واہ! یہ کہاں کی مردانگی ہے کہ تین تین ڈاکو اور ایک نہتے آدمی پر حملہ کر رہے ہیں" ڈاکو ان الفاظ کو سُن کر چونکا اور پیچھے مُڑکر دیکھنے لگا کہ میرے یہ دو ساتھی کہاں سے پیدا ہوگئے۔ اب جو پروفیسر کو موقعہ ملا جھٹ سے اُسکا پستول چھین لیا اور اُس کو رسی سے باندھ کر کمرے میں ڈال دیا اور صبح پولیس کے حوالے کردیا۔

بچو تم سمجھے! اس وقت پروفیسر نے کس بات پر عمل کیا۔ وہ جانتا تھا کہ موجودہ خطرے کے وقت بچاؤ کی واحد صورت یہی ہے کہ اپنے حواس کو قابو میں رکھکر دشمن کو بدحواس کردیا جائے، اور تم نے دیکھا کہ آخر اُسنے اپنے دشمن پر فتح پائی۔

ایک دفعہ اکبر اور بیربل میں بحث ہوئی کہ خطرے کے وقت کونسی چیز زیادہ مفید ثابت ہوتی ہے۔ اکبر نے کہا ہتھیار، لیکن بیربل نے اسکی مخالفت کی اور کہا کہ سب سے مفید چیز اوسان ہیں۔ دربار برخاست ہونیکے بعد بیربل گھر کی طرف جارہا تھا کہ سامنے سے ایک مست ہاتھی بھاگتا ہوا آیا اور اس پر حملہ کرنا چاہا۔ بیربل نے ادھر اُدھر دیکھا آخر اُسے قریب ہی ایک کتا سویا ہوا نظر آیا۔ اُسے ٹانگ سے پکڑ کر ہاتھی کی سونڈ پر دے مارا۔ کتے کی چیخ و پکار سے ہاتھی ڈر کر بھاگ گیا۔ اور بیربل نے اطمینان کا سانس لیا۔ اتفاقاً اکبر بھی اس واقعہ کو کھڑکی میں سے بیٹھا ہوا بغور دیکھ رہا تھا۔ بیربل نے اُس کی طرف دیکھ کر کہا۔ جہاں پناہ! اگر اس وقت میرے اوسان بجا نہ رہتے تو آپ ہی فرمائیے میری جان کیسے بچ سکتی تھی۔ اکبر نے جواب دیا بیربل تم ٹھیک کہتے ہو خطرے کے وقت سب سے بڑا ہتھیار آدمی کے اوسان ہیں۔

سلیمی (حیدرآباد دکن)

نظر کا دھوکا

بچو! اکثر تم نے دیکھا ہوگا کہ دور سے ہمیں ایک جھاڑی دکھائی دیتی ہے ہم سمجھتے ہیں کہ وہ جھاڑی نہیں بلکہ کوئی آدمی بیٹھا ہوا ہے۔ لیکن جب ہم قریب جاتے ہیں تو ہمیں اپنی غلطی معلوم ہوجاتی ہے بعض اوقات دروازہ کی آہٹ سُن کر خیال ہوتا ہے کہ کوئی ہمیں بُلا رہا ہے یا اندھیرے میں اکثر ایسا ہوجاتا ہے کہ درخت کی شاخ کو ہم آدمی کا ہاتھ سمجھتے ہیں ایسے فریب وہ واقعات اکثر ہمارے تجربہ میں آتے رہتے ہیں اور ہم یہی سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارے حواس (آنکھ، کان، وغیرہ) کا دھوکہ ہے لیکن واقعۃً ایسا نہیں ہوتا بلکہ ہمارا ذہن ہمیں ایسے موقع پر دھوکہ دیتا ہے جو چیزیں ہمارے سامنے آتی ہیں ذہن اُنکی تعبیر غلط طریقے پر کرتا ہے مثلاً چھاپے کی اکثر غلطیاں جنکو ہم نظر انداز کرجاتے ہیں۔ ان صورتوں میں آنکھ تو وہی دیکھتی ہے لیکن ہمارا شعور اُس کی تعبیر غلط کرجاتا ہے۔

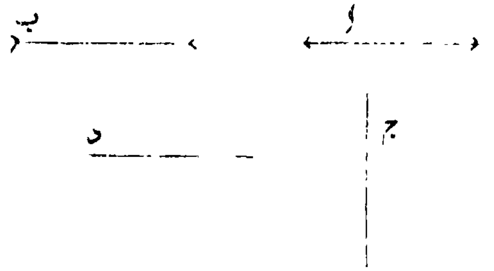
اب ہم آپکو بتلاتے ہیں کہ ہمارے ذہن کو ایسا دھوکا کیوں ہوتا ہے۔

۱۔ ہم جس جواب کے عادی ہوجاتے ہیں وہی ہم سے سرزد ہوتا ہے اگرچہ اصلی حالت کسی قدر بدلی ہوئی کیوں نہ ہو مثلاً "گرانی" کا لفظ بار بار نوشت وخواند میں آتا ہو تو اب اگر "مانی" بھی لکھا ہوگا تو ہم اُسکو "نانی" ہی

۲۔ **حالت توقع** بعض اوقات حالت توقع بھی التباس (فریب) کا باعث ہوتی ہے ہم کسی دوست کی آمد کے متوقع ہوتے ہیں اور شدت انتظار میں ہر آواز قدموں کی آہٹ معلوم ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ ڈرپوک آدمی رات کو پتّے کھڑکنے اور درخت کی شاخ ہلنے کو بھی چور کی آہٹ سمجھتا ہے۔

۳۔ **تکرار**۔ اگر کوئی واقعہ ابھی ابھی گزرا ہو تو اُس کے بعد کے اکثر واقعات کو ہم پہلے واقعہ کے مثل خیال کرتے ہیں اگر ہم نے ابھی ابھی "پانی" کا لفظ پڑھا ہے تو اُس کے بعد اگر "ثانی" کا لفظ بھی آئیگا تو اُس کو ہم "پانی" ہی پڑھینگے۔ دودھ کا جلا چھاچھ پھونک پھونک کر پیتا ہے اس کی مثالیں ہیں۔

اب ذیل کے خطوں کو دیکھو۔



ان میں خط ا خط ب سے اور د خط ج سے بڑا معلوم ہوتا ہے حالانکہ بالترتیب یہ خط بالکل برابر ہیں۔ پہلی صورت میں التباس کی وجہ یہ ہے کہ خط کے محدود ہونیسے ہماری نظر بھی محدود ہوجاتی ہے۔ اور دوسری صورت میں جب ہماری آنکھ د کے مقابلہ میں خط ج کم دیکھتی ہے گو اُس کے عضلات تھک جاتے ہیں۔ لیکن خط د میں آنکھ کو اوپر نیچے نہیں بلکہ اطراف کی جانب دیکھنا پڑتا ہے جس سے افقی خط عمودی خط کی نسبت بڑا معلوم ہوتا ہے۔ التباس کے اور بھی سبب ہیں جنکا ذکر یہاں مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

سلیمی۔ حیدرآباد

لطیفہ

لڑکا:۔ اماں! اماں!! دودھ کے برتن میں چوہیا پڑگئی ہے۔

ماں:۔ تو تم نے کیا کیا۔

لڑکا:۔ میں نے اُس میں بلی پکڑ کر ڈال دی۔

مختلف ملکوں کے مشہور کھیل

کھیل زندگی کے لئے اتنی ہی اہم چیز ہے جیسے کام، کھانا اور سونا ضروری چیزیں ہیں۔ دنیا میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی کھیل نہ کھیلا جاتا ہو۔ کھیلوں کا دارومدار کسی ملک کی آب و ہوا اور اسکی ارد گرد کی چیزوں پر ہوتا ہے۔ مثلاً کینیڈا کے ایک حصہ میں تمام زمین درختوں اور جھاڑیوں سے اٹی پڑی ہے اسلئے وہاں باہر جاکر کھیلنے کا بہت کم موقع ہے لہذا وہاں کے لڑکے اپنے مکانوں ہی میں کھیلتے ہیں۔ ان کے سب سے دلچسپ کھیل کا نام "جیک، تم کہاں ہو؟" ہے۔ جو اس طرح کھیلا جاتا ہے:۔

دو لڑکوں کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی جاتی ہے اور وہ گھٹنوں کے بل کمرہ کے بیچ میں ایک دوسرے سے ہٹ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ دونوں کے بائیں ہاتھوں میں چمڑے کی ایک ایک پٹی ہوتی ہے اور دائیں ہاتھ میں اخباروں کا ایک ایک بنڈل جو مضبوطی سے بندھا ہوتا ہے۔ قرعہ اندازی کے ذریعہ سے جس کا نام نکلتا ہے وہ کہتا ہے "جیک تم کہاں ہو" اور دوسرے کو جواب دینا پڑتا ہے "میں یہاں ہوں" اسکے بعد پہلا چمڑے کی اس پٹی سے اپنے حریف کو مارنے کی کوشش کرتا ہے اگر اس میں کامیاب ہوگیا تو دوبارہ اسکو مارنے کا موقع ملتا ہے۔ لیکن اگر ناکامی ہوئی تو اسکا حریف کھیل شروع کرتا ہے یہ یاد رہے کہ چمڑے کی پٹی سے بہت زوروں سے مارا جاتا ہے۔

یہ تو ہوا مغرب کے ایک دور دراز حصہ کا ایک کھیل۔ آیئے اب ہم مشرق کے ایک دور دراز حصہ میں چلیں۔ کوریا کا نام تو آپ نے سنا ہوگا۔ یہاں کا سب سے مشہور کھیل "رسہ کشی" ہے اس میں ہر گاؤں اور قصبے کے درمیان ٹورنامنٹ ہوتے ہیں اور جو گاؤں سب سے جیت جاتا ہے اسکی بڑی قدر و منزلت ہوتی ہے۔ رسہ کی لمبائی اور اسکے کھینچنے والوں کی تعداد مقرر نہیں ہوتی بلکہ رسہ بہت ہی لمبا اور موٹا ہوتا ہے اور گاؤں کے ہر مرد، عورت اور بچہ اس مقابلہ میں حصہ لیتا ہے۔

کوریا میں ایک اور دلچسپ کھیل کھیلا جاتا ہے۔ بہت سے کھلاڑی دو جماعتوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں اور ایک لڑکا شٹل کاک کو اوپر ہوا میں پھینکتا ہے۔ اب ہر لڑکے کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ شٹل کاک زمین پر نہ گرنے پائے۔ اپنے ہاتھوں، پاؤں اور کاندھوں کو اسے اوپر ہی اوپر رکھنے کی کوشش کرتے ہیں ہاتھوں کے استعمال کی اجازت نہیں ہوتی جس پھرتی اور عمدگی سے یہ کھیل کھیلا جاتا ہے وہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے

چین، جاپان اور کوریا میں پتنگ بازی بھی بڑے زوروں کی ہوتی ہے۔ پتنگ کاغذ اور ریشم کے بنتے ہیں بعض لوگ اپنی پتنگوں کے ساتھ ایک قسم کا ہلکا باجہ بھی باندھ دیتے ہیں اور جب پتنگ اوپر ہوا میں پہنچتا ہے تو ہوا کے زور سے یہ باجہ بجتا ہے اور عجیب تفریح ہوتی ہے۔ پتنگوں کی شکلیں بھی عجیب عجیب ہوتی ہیں کسی کی بچھو جیسی، کسی کی سانپ جیسی اور کسی کی گھوڑے جیسی۔ رات کو بھی پتنگ اڑائی جاتی ہے اور اس طرح کہ ایک چھوٹی ہلکی سی لالٹین پتنگ کی دم میں باندھ دی جاتی ہے۔ پیچ کرنے اور پتنگ کاٹنے میں بھی یہ لوگ بڑے استاد ہوتے ہیں۔

مشرقی ممالک میں لٹو گھمانے کا کھیل بھی بہت کھیلا جاتا ہے کوریا اور جاپان میں یہ کھیل برف پر ہی کھیلتے ہیں بعض لڑکے تو اس میں اتنے ماہر ہوتے ہیں کہ ٹاٹ پر بھی لٹو نہایت عمدہ گھما سکتے ہیں۔

(باقی آئندہ)

سید نصیر احمد دہلی

اخلاقی قصے

فقیر بادشاہ

عرب کے ایک بادشاہ کی عمر کا پیمانہ لبریز ہو رہا تھا۔ اس کے کوئی وارث نہ تھا۔ اس نے وصیت کی، کہ علی الصباح جو شخص سب سے پہلے شہر میں داخل ہو، اسی کے سر پر تاج شاہی رکھ دیا جائے۔ اور سلطنت کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں سونپ دی جائے۔ اتفاق سے پہلا شخص جو شہر میں داخل ہوا وہ ایک فقیر تھا، جس نے عمر بھر ٹکڑے مانگ مانگ کر کھائے تھے۔ اور پھٹے پرانے کپڑے جوڑ کر پہنے تھے۔ امیروں اور سرداروں نے بادشاہ کی وصیت کی تعمیل کی اور قلعے اور خزانوں کی کنجیاں اس کے سپرد کر دیں۔ اس نے کچھ عرصہ تک تو نہایت امن و اطمینان سے حکومت کی لیکن اس کے بعد بعض سردار باغی ہو گئے۔ اور چاروں طرف سے بادشاہوں نے جنگ کا ارادہ کر کے اس سے لڑنے کے لئے لشکر کشی شروع کر دی۔ آخر کار اس کی اپنی فوج بھی اس کے خلاف ہو گئی اور سلطنت اس کے قبضہ سے نکل گئی۔ ان واقعات سے فقیر بہت فکرمند ہوا اور اس کا دل ٹوٹ گیا۔ اس کا ایک قدیم دوست جو افلاس و تنگدستی کے زمانہ میں اس کا رفیق اور دوست تھا سفر سے واپس آیا۔ اس کو اتنے بلند مرتبہ پر دیکھ کر دوست نے کہا "خدا کا شکر ہے، کہ تمہاری اپنی تقدیر بھی کام آئی۔ آخر کار تمہارے پاؤں سے کانٹا نکل گیا۔ تم بادشاہ بن گئے۔ سچ کہا ہے کہ مصیبت کے بعد مسرت کا دروازہ کھلتا ہے کبھی غنچہ کھلتا ہے اور کبھی مرجھا جاتا ہے۔ کبھی پیڑ سے پتے لگتے ہیں اور کبھی وہ خالی ہو جاتا ہے۔"

بادشاہ (فقیر) نے کہا "میرے پیارے دوست! میرے ساتھ ہمدردی کرو مبارکبادی کا یہ کیا موقعہ ہے؟ جب تم نے مجھے پہلے دیکھا تھا، اس وقت مجھے ایک روٹی کی فکر تھی لیکن آج ایک دنیا کی فکر ہے۔"

اگر ہم جاہ و جلال سے بے بہرہ ہوں تو ہمیں رنج ہوتا ہے۔ اور اگر مال و دولت موجود ہو، تو ہم اس کی محبت سے اپنے پاؤں جکڑ لیتے ہیں۔ اس دنیا سے بڑھ کر مصیبت کی جگہ اور کوئی نہیں ہے۔ اگر تم حشمت کے طلبگار ہو، تو اس کی خوبی پر نگاہ نہ کرو کیونکہ بزرگوں کا قول ہے کہ "غریب کی قناعت دولت مند کی سخاوت سے بہتر ہے"۔

ایک بادشاہ کی بیماری

کسی بادشاہ کو ایک مہلک مرض نے آگھیرا۔ اکثر یونانی اطباء کی یہ رائے تھی، کہ اس مرض کی کوئی دوا نہیں ہے، سوا ایسے شخص کے جس میں فلاں فلاں اوصاف پائے جاتے ہوں۔ چنانچہ ایسے آدمی کے لائے جانے کا حکم دیا گیا۔ بڑی جستجو کے بعد ایک کسان کا لڑکا ملا، جو ان تمام صفات سے متصف تھا اس کے والدین کو طلب کیا گیا۔ اور انکو بے انتہا مال و دولت دیکر راضی کیا گیا۔ قاضی نے بھی فتویٰ دیدیا کہ بادشاہ کی جان بچانے کیلئے رعایا کے ایک آدمی کا خون بہانا روا ہے جلاد نے جب ارادہ کیا کہ اس غریب لڑکے کو قتل کرے تو لڑکے نے آسمان کی طرف دیکھ کر مسکرایا، بادشاہ نے پوچھا، اس موقعہ ہنسی کا کیا مطلب؟ لڑکے نے جواب دیا کہ بچے والدین پر ناز کرتے ہیں، قاضی سے شکایت کرتے ہیں بادشاہ سے انصاف چاہتے ہیں لیکن میرے والدین نے چند روز کے فانی زر و مال کیخاطر مجھے موت کے حوالہ کر دیا ہے۔ قاضی میرے قتل کا فیصلہ کر چکا ہے اور بادشاہ اس میں بہبودی دیکھتا ہے۔ پس خدا کے سوا مجھے اب کوئی اور پناہ نظر نہیں آتی کسکے روبرو میں آپکے خلاف شکایت لیجاؤں! آپ ہی سے میں آپ ہی خلاف انصاف کا خواہاں ہوں"۔

یہ سن کر بادشاہ کا جی بھر آیا آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے وہ بولا "کسی بیگناہ خدا کے بندے کا خون بہانے کی نسبت یہ ہزار درجہ بہتر ہے کہ میں جانبر نہ ہو سکوں" پھر بادشاہ نے اس لڑکے کو آزاد کر دیا اور کہا جاتا ہے کہ اسکے بعد وہ بادشاہ بہت ہی جلد تندرست ہو گیا۔

محمد اسلم ارشد از پشاور

ہر بچہ کے پاس ایک علیٰحدہ کتب خانہ ہونا چاہئے

جس میں

"پیام تعلیم" یا کوئی دوسرا اخبار آتا ہو اور ہر مہینے چند نئی کتابوں کا اضافہ ہوتا ہو

(۱) اس فہرست کی سب کتابوں کی قیمت تو عہ ہے جو ایکدم صرف خاص خاص بچے خرید سکیں گے لیکن ۲ر یا ۳ر ماہانہ کی کتابیں سب ہی خرید سکتے ہیں۔

(۲) اگر کوئی بچہ ۲ر سے بھی کم کی کتابیں لینا چاہتا ہے تو ایک کارڈ میں اپنی پسند کی کتابیں لکھ کر ہم سے دریافت کرے کہ کتاب کی قیمت کے علاوہ ٹکٹ پر کتنے پیسے اور خرچ ہوں گے ہم اسی دن اسکو جواب دیدیں گے۔

کہانیاں

		قیمت
(۱)	چڑیا چڑے کی کہانی	۲ر
(۲)	چوہے بلی نامہ	۲ر
(۳)	کرمو دھرمو	۴ر
(۴)	نقلی شہزادہ	۴ر
(۵)	گدھے کی سرگذشت	۴ر
(۶)	لڑکوں کی کہانیاں	۴ر
(۷)	نعیم بچپن	۳ر
(۸)	زرداد	۶ر
(۹)	لنگڑا ماموں	۳ر
(۱۰)	شہر شہری شہریت	۵ر
(۱۱)	لکشمی	۶ر
(۱۲)	حکایات شیریں جلد اول	۶ر
(۱۳)	〃 〃 جلد دوم	۶ر
(۱۴)	〃 〃 جلد سوم	۶ر
(۱۵)	〃 〃 جلد چہارم	۶ر
(۱۶)	سولہ کہانیاں	۱۲ر

اسکاوٹ کی ۳ ضروری چیزیں

(۱) فرسٹ ایڈ چارٹ۔ یہ دیوار پر لٹکانیوالا نہایت عمدہ نقشہ ہے جس میں فرسٹ ایڈ کے متعلق مفصل معلومات ہے ۱۲ر

(۲) ضروری معلومات۔ یہ اسکاوٹنگ پر بڑی اچھی کتاب ہے ہر اسکاوٹ کے پاس رہنا ضروری ہے ۴ر

(۳) ٹنڈرفٹ ٹسٹ کارڈ۔ پہلے امتحان کی تمام باتوں کو ایک جگہ جمع کردیا ہے۔ چھوٹا سا کارڈ ہے جو ہر وقت جیب میں رکھا جا سکتا ہے۔ ۲ر

عربی سکھانیوالی کتابیں

	قیمت
عربی کی پہلی۔ مصنفہ احمد شاہ صاحب	۳ر
〃 دوسری 〃 〃 〃	۴ر
〃 تیسری 〃 〃 〃	۵ر
عربی بول چال حصہ اول مصنفہ حافظ عبدالرحمن صاحب	۱۲ر
〃 〃 〃 حصہ دوم	۱۲ر

نظمیں

		قیمت
(۱)	بچوں کے گیت	۳ر
(۲)	سنہری گیت	۳ر
(۳)	پھول باغ حصہ اول	۱۰ر
(۴)	〃 〃 حصہ دوم	۷ر
(۵)	رائد بیگم	۱ر
(۶)	بیاض رنگیں حضور	۵ر
(۷)	مناجات ذکا	۱ر
(۸)	رباعیات حالی	۳ر
(۹)	حب وطن	۳ر
(۱۰)	مناجات بیوہ	۴ر
(۱۱)	چپ کی داد	۲ر
(۱۲)	درس عمل	۴ر
(۱۳)	مرزا چھوبا	۱ر
(۱۴)	بیاض گل	۸ر
(۱۵)	آغوش مادر	۱۰ر
(۱۶)	پہیلیاں	۱ر

مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

ہندوستان بھر میں

عمدہ مضبوط، دیرپا، خوبصورت نفیس اور سستا ارزاں قیمت سامان کھیل مہیا کرنیوالا کارخانہ

ملک اینڈ کمپنی رجسٹرڈ

شہر سیالکوٹ کو یاد رکھیں



اگر آپ کو

یا آپکے دوست احباب کو کسی قسم کا سامان کھیل مثلاً کرکٹ، فٹ بال والی بال ہاکی ٹینس، بیڈمنٹن وغیرہ کی ضرورت ہو تو ہمیشہ براہ راست اسکولوں کی خاص پرانیہ خادم کارخانہ ملک اینڈ کمپنی رجسٹرڈ سیالکوٹ کو لکھیں

ہمارا سامان ہاکی

اپنی خوبی، عمدگی مضبوطی اور نسبتاً ارزاں ہونیکی وجہ سے ثابت ہوچکا ہے۔ جوں جوں شوقین کھیل کلبوں کے سکرٹری اور اسکولوں کے ہیڈ ماسٹر صاحبان بطور آزمائش منگاتے ہیں اسکی عمدگی مضبوطی اور نفاست کو دیکھ کر شیدا ہوئے جاتے ہیں چنانچہ یہی ہمارا سامان ہاکی ایک مرتبہ بطور آزمائش کے منگایا گیا انہوں نے ۔ روزمرہ کی پریکٹس اور مقابلہ کے میچوں میں حسب خواہش عمدہ و مضبوط پاکر علی سرٹیفکیٹ دے اور بڑی بڑی آرڈروں سے مستفید فرمانے اور کارخانہ کی مستقل خریدار بننے کے علاوہ کمپنی کے مجسم اشتہار بنگئے

ہمارا سامان کھیل

عرصہ گیارہ سال سے مستقل طور پر ہندوستان بھر کے اسکولوں، کالجوں، جمنیوں، ریاستوں اور کلبوں میں بکثرت خریدا جا نیکے علاوہ ممالک غیر میں بھی منگوایا جاتا ہے اس ضمن میں جسقدر شہرت اور ناموری میں اپنی دیانتداری کی وجہ سے کارخانہ کو نصیب ہوئی ہے شاید ہی کسی اور دوسرے کو ہوئی ہو آپ بھی اپنا آزمائشی آرڈر بھیجکر ہماری صداقت کا امتحان کریں۔ ذیل میں مختصر فہرست سامان کھیل درج ہے جس پر ۲ر فی روپیہ کی خاص رعایت دی جائیگی حسب طلب ضرور لکھ کر طلب کریں۔

فہرست سامان ہاکی

دی مارکس ریڈ سپرنگ ہینڈل ہاکی اوپر کا حصہ [illegible] مضبوط اور خوبصورت قیمت [illegible]
دی [illegible] ہینڈل اوپر کا انا مضبوط چمڑہ سیاہ [illegible] قیمت [illegible]
دی [illegible] سپرنگ ہینڈل ہاکی سن پروف [illegible] دھاگا لپٹا ہوا خوبصورت قیمت [illegible]
دی [illegible] سپرنگ توامیں بونڈ ہینڈل [illegible]
دی [illegible] ہینڈل [illegible] سیاہ ولایتی دھاگہ [illegible]
دی [illegible] ہاکی [illegible] لپٹا ہوا [illegible]
چھوٹے [illegible] پریکٹس [illegible]
دی بال منارک [illegible] میچ [illegible]
اسپیشل پریکٹس ..... [illegible]

فہرست سامان کرکٹ

دی میجک تین ربڑ سپرنگ ہینڈل کرکٹ بیٹ اوپر انا مضبوط چمڑہ سیاہ نہایت مضبوط قیمت [illegible]
دی مارشل ڈبل سپرنگ لیدر بونڈ ہینڈل بیٹ [illegible]
دی میجر سنگل سپرنگ [illegible] بیٹ [illegible]
دی اسپیشل پریکٹس [illegible] ہینڈل روزانہ پریکٹس کیلئے [illegible]
چھوٹے بچوں کے کرکٹ بیٹ [illegible]
کرکٹ بال دی منارک [illegible] اسپیشل پریکٹس [illegible]
لیگ گارڈ چمڑے کے رنگدار [illegible] فی جوڑ
بیٹنگ گلوز [illegible] وکٹ گلوز بڑھیا [illegible]
[illegible] فی جوڑ ۔ وکٹ دی مارشل بڑی [illegible] چھوٹی [illegible] فی سٹ معہ بیز [illegible] سکورنگ بک [illegible]
چھوٹے بال ایک روپیہ

فہرست سامان فٹ بال

دی منارک اٹھارہ ٹکڑہ کا درجہ اول نہایت مضبوط اور خوبصورت فٹ بال نمبر ایک ٹکڑہ میں مکمل قیمت [illegible]
دی میجک تیرہ ٹکڑہ کا نمبر ایک ٹکڑہ میں مکمل [illegible]
دی اسپیشل پریکٹس روزانہ پریکٹس کیلئے مضبوط فٹ بال ..... [illegible]
دی میجر سادہ مگر نہایت مضبوط ایک ٹکڑہ میں [illegible]
چھوٹے بچوں کے لئے میجک فٹ بال [illegible]
[illegible] بلیڈر سرخ تازہ مال [illegible]
پچکاری بڑی قیمت [illegible] درمیانہ قیمت [illegible] چھوٹی [illegible]
فٹ بال بوٹ ولایتی فی جوڑہ قیمت [illegible]
سلوشن [illegible] قواعد فٹ بال [illegible]

فہرست سامان والی بال

منارک والی بال گلدستہ رنگ برنگی ٹکڑے نکا نہایت خوبصورت اور مضبوط نمبر ایک ٹکڑا میں [illegible]
دی منارک والی بال گلدستہ قسم دوم مکمل [illegible]
چھوٹے بچوں کیلئے والی بال نمبر مکمل [illegible]
فالتو بلیڈر برائے والی بال جال بیروں رنگ بڑھیا قسم معہ سوتی ڈوری کے قیمت آٹھ روپیہ ہلکے [illegible]
دی منارک سفید بڑھیا جال قیمت [illegible] ہلکے [illegible]
والی بال پولز فیروزی رنگ کے سنہری شاموں والے ولایتی پالش شدہ معہ رسوں اور منگلی [illegible]

سامان بذریعہ وی پی پارسلوں کے ارسال ہوگا خرچ ڈاک پارسل اور کرایہ وغیرہ ہر حالت میں بذمہ خریدار

پتہ جنرل منیجر ملک اینڈ کمپنی رجسٹرڈ شہر سیالکوٹ

تار کا پتہ ۔ رجسٹری شدہ
"Malik" Sialkot

طابع و ناشر ۔ ڈاکٹر عابد حسین صاحب پی ایچ ڈی (برلن) مطبع جید برقی پریس بلیماران دہلی ۔ کاتب ۔ عبدالملک متعلم جامعہ ملیہ دہلی

ٹیلیفون نمبر ۳۲۱۹

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶۱

پیام تعلیم

نرخنامہ چندہ

سالانہ ۲ع

ششماہی عہ؍

فی پرچہ ا؍

نرخنامہ اشتہارات

فی صفحہ ۸ع

نصف صفحہ ۵ع

چوتھائی صفحہ ۳ع

ایڈیٹر۔ سعید انصاری بی اے (جامعہ)

نمبر ۱۱	۷ر اپریل ۱۹۳۰ء	جلد ۸

فہرست مضامین

خبریں

دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟

مہاتما گاندھی جی کا وہ تاریخی سفر جو تقریباً ۲۴ دن کی مسافت طے کرنے کے بعد اب اپنی آخری منزل کو پہنچ رہا ہے. موجودہ زمانہ کی تاریخ میں سب سے بڑا واقعہ ہے۔ ہندو کہتے ہیں کہ اب سے ہزاروں سال پہلے رام چندر جی اپنی عصمت مآب سیتا کی حمایت میں اپنے جنگل کے کچھ غیر جنس ساتھیوں کو لیکر لنکا کے طاقتور راجہ راون کے خلاف جنگ کرنے کے لئے نکلے تھے۔ مسلمانوں کے ہاں بھی انہی حالات میں حضرت امام حسین علیہ السلام ۷۲ حق پرستوں کی رفاقت میں یزید کے جیسے جرار لشکر سے لڑنے کے لئے میدان کربلا میں نکلے تھے ٹھیک اسی طرح آج سابرمتی آشرم کا یہ سادھو ۷۹ رضاکاروں کا غیر مسلح دستہ لیکر اس حکومت سے مقابلہ کرنیکے لئے پاپیادہ مسافت طے کر رہا ہے جو راون سے کہیں زیادہ ہندوستان کی عزت و آبرو کی غارتگر ہے اور یزید سے کئی گنا فاقہ کشوں کی ہلاکت کا باعث ہے۔ ۱۲ مارچ کو جس دن یہ قافلہ روانہ ہونیکو تھا تمام اطراف و اکناف سے ہزارہا آدمی جوق جوق آکر رات ہی سے آشرم کے چاروں طرف جمع ہو گئے تھے تاکہ علی الصباح اس سر بکف قافلہ اور سالار قافلہ کی آخری دید کا نظارہ کر سکیں۔



صبح کے ساڑھے چھ بجتے ہیں اور ۷۹ رضاکاروں کی یہ ننھی جماعت مختلف ٹولیوں میں تقسیم ہو جاتی ہے اور سالار قافلہ کی سرکردگی میں فتح و مسرت کے نعروں کے ساتھ روانہ ہوتی ہے۔ پہلے دن صرف ۵ میل سفر طے ہوتا ہے اور اسلالی سب سے پہلی منزل قرار پاتی ہے اس کے بعد یہ قافلہ دوسرے دن آگے بڑھتا ہے لیکن اسکی شہرت کی لین ڈوری اس سے بھی آگے آگے چلتی ہے اور آگے آنیوالی بستیوں کے لوگ گروہ در گروہ اور ٹولی ٹولی آکر راستہ کے ارد گرد جمع ہو جاتے ہیں اور ان زائرین حق کے پیروں تلے اپنی آنکھیں بچھاتے ہیں ہر ہر منزل پر گاؤں والوں کی طرف سے ضیافت ہوتی ہے، کہیں دیویوں کی نذر پیش کی جاتی ہے کہیں عورتیں اپنی اپنی چہار دیواریوں کو چھوڑ کر اس حق کی فوج میں نام لکھانے کے لئے آتی ہیں لیکن ان تمام نذر و ہدایے میں اور عقیدت و محبت کی اس ساری خریداری میں اس بڑھیا کی نذر سب سے بیش قیمت اور گرانبہا ہے جو میلوں کی مسافت طے کر کے نذر و عقیدت کا ہدیہ اپنے دامن میں لیکر آئی تھی۔

لیکن ان سب سے اہم اس جاترے کا سیاسی اثر ہے جو تمام صوبہ گجرات میں پھیلتا جا رہا ہے اور اس کے توسط سے تمام ہندوستان میں پھیل جائیگا جن جن علقوں اور گاؤں سے یہ قافلہ گزرتا ہے وہاں کے پٹیل، مکھیا، مقدم اور جتنے دیہات کے سرکاری ملازمین ہوتے ہیں، وہ سب اپنی اپنی ملازمتوں سے استعفیٰ دیتے جا رہے ہیں

جوں جوں یہ قافلہ منزل مقصود سے قریب ہوتا جا رہا ہے، توں توں حکومت کے اوسان خطا ہوتے جاتے ہیں۔ ایک ہی قسم کے جرم پر کہیں سزائیں دی جا رہی ہیں کہیں مجرموں سے چشم پوشی کر لی جاتی ہے بعض جرائم کیلئے جن پر سال سال کی سزا اور ہزاروں روپے جرمانہ ہوتے ہیں، صرف ۱۰ دن کی قید محض کافی سمجھی جاتی ہے۔ بنگال میں کلکتہ کارپوریشن کے میئر مسٹر سین گپتا برہما میں تقریر کرنے کے جرم میں پکڑے جاتے ہیں اور صرف دس دن قید محض کی سزا پاتے ہیں۔ ابھی لوگوں کے دلوں سے سزا کی یاد تو بھی نہیں ہونے پاتی کہ وہ چھوٹ کر آ جاتے ہیں. شاردا ایکٹ کے مسترد کرانے پر مسلمانوں کا مطالبہ ابھی باقی تھا کہ انگلستان کے بڑے بڑے تاجروں کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے ٹیرف بل" پاس کیا جاتا ہے اور حکومت کے ایک بڑے منظور نظر پنڈت مالوی جی مع ۲۰ ممبروں کی جماعت کے اسمبلی سے نکل آتے ہیں. گورنمنٹ کے ایک پرانے معتمد رکن مسٹر کریرار، ہوم ممبر اسمبلی، صدر اسمبلی سے روٹھ کر انگلستان چلے جاتے ہیں۔ اس کے بعد دوسرے جانشیں بھی ایک ذرا سی آویزش پر اپنے عہدہ سے علیحدگی کی دھمکی دیتے ہیں. یہ سب اسی سادھو کے اس جاترے کا نتیجہ ہے کہ ایوان ہند سے لیکر ایوان انگلستان تک میں ایک درہمی پیدا ہے۔ دیکھئے ۶ اپریل کے بعد کیا ہوتا ہے۔

موجودہ سیاست اور طلبہ

اپریل سنہ ہندوستان کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائیگا۔ اس لئے نہیں کہ اس مہینہ میں جو سیاسی تحریک مہاتما گاندھی اور اُنکے ساتھیوں نے احمدآباد سے شروع کی ہے، اس کے جلد کامیاب ہونے کی کوئی توقع ہے بلکہ اس لئے کہ کامیابی و ناکامی کو خدا پر چھوڑ کر ایک کرم یوگی نے سیاست ہند میں پھر ایک بار اس راہ پر گامزنی شروع کی ہے جسے وہ اپنے ملک اور اپنے ملک کے واسطہ سے انگلستان اور ساری دنیا کے لئے نجات و فلاح کی راہ جانتا ہے۔ آج سے دس سال قبل بھی اس نے اور اس کے ساتھ مسلمانوں کے سقت رہنما علی برادران نے اس راہ پر قدم اُٹھایا تھا لیکن اس وقت ہندوستان کے سامنے معاملہ اس وضاحت سے نہیں آسکا تھا جیسا اس مرتبہ ممکن ہے۔ ملک میں مختلف گروہوں کو مختلف شکایات تھیں، مسلمانوں سے ترکی کے معاملہ میں بے مہری کی گئی تھی، جنگ کے زمانہ میں ملک سے جو وعدے ہوئے تھے اُنکی تعبیر جلیانوالہ باغ میں ملی تھی۔ ملک کی سیاسی جماعتیں جن میں تعلیمیافتہ ہندوستانیوں کا تنوں سے حقوق سیاسی کے مطالبے یعنی کونسلوں میں زیادہ نیابت، ملازمتوں میں زیادہ جگہوں کے کوشاں تھیں ان سب کو گاندھی کے ایک سادھو نے ساتھ لے لیا تھا اور عدم تشدد کی شرط لگا کر سب کے دکھوں کی دارو تلاش کرنے نکلا تھا۔ اس تلاش میں بھی اس نے عدم تشدد کو شرط اول قرار دیکر اور پھر غریب کسانوں کی خاطر کھدر کو اپنے سیاسی لائحہ عمل کا لازمی جزو بنا کر سیاست ہند کو بالکل نئی راہ پر ڈالنا چاہا تھا اور بڑی حد تک اس میں کامیاب بھی ہوا تھا۔ لیکن تحریک میں عام افسردگی اور سیاسی فضا میں اس پژمردگی کے بعد جو عدم تشدد کے اصول پر دیانتداری سے قائم نہ رہنے کے باعث ہوئی اور پھر تنگ دل ساتھیوں کی غلطیوں سے اور کوتاہ بین دوستوں کی زود رنجیوں سے اس حد کو پہنچی کہ ملک کا ہر سچا بہی خواہ اس پر خون کے آنسو روتا تھا اس سادھو نے پھر سیاست کے میدان میں قدم رکھا تو اس مرتبہ ان دو چیزوں کو جو حقیقتاً سیاست ہند میں اس کا مخصوص اضافہ ہے، بالکل واضح کر دیا۔ ان میں سے ایک چیز مقصد سے متعلق ہے دوسری طریقہ کار سے۔ اب ہندوستان کی جدوجہد آزادی میں یہ ممکن نہ ہوگا کہ چند تعلیمیافتہ لوگ اپنے کروڑوں ہم قوموں کے مفاد کو نظر انداز کر کے بس اپنی جیبیں بھرنے کو سیاست ملکی کی واحد غرض سمجھیں ہندوستان میں سوراج کے معنی ان ... کسانوں اور مزدوروں کی حق یابی ہونگے جو اب تک بے زبان تھے اور جنکا نام لے لیکر ہمارے تعلیم یافتہ ہندوستانی ایک سفید دفتریت کے بجائے سیاہ یا گندمی دفتریت قائم کرنا چاہتے تھے۔

طریق کار میں اس وقت جبکہ تشدد کی قوتیں زور پکڑ رہی تھیں اور بہت ممکن تھا کہ ان قوتوں کی ناعاقبت اندیشیاں اور عجلت پسندیاں ملک کو ایک غیر متعین عرصہ تک کے لئے بے نتیجہ کشت و خون اور دلوں کو بے سود نفرت و حقارت کا آماجگاہ بنا دیتیں، اس مبصر شناس سادھو نے پھر عدم تشدد اور پُرامن سعی کے لئے وہ راہ نکالی جو صرف اسی وقت ملک کو محرور المزاج نشد پسند رہنے کے تجربے سے محفوظ کر یگی بلکہ آیندہ کے لئے بھی مسائل کے تصفیہ کا ایک موثر طریقہ بتلا کر ملک کو شدید خانہ جنگیوں سے بچا سکے گی۔

ہر ملک کے نوجوان آزادی کی جنگ میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ کیا تعجب ہے کہ ہندوستانی نوجوان بھی اس جدید تحریک میں شرکت کے لئے بیتاب ہوں پچھلے دنوں اس قسم کی متعدد خبریں شائع ہو چکی ہیں کہ سرکاری کالجوں کے طالب علموں نے کہیں قومی جھنڈا لگا کر کہیں تقریروں اور نعروں سے اس تحریک کے ساتھ اپنی ہمدردی کے ثبوت کی کوشش کی اور نادان معلموں نے ان نوجوانوں کے دلوں کو امتحانوں، سندوں، ملازمتوں کا واسطہ دیکر روکا۔ کاش یہ معلم سمجھتے کہ ان کے سپرد ان نوجوانوں کی روحوں کی پرورش کا کام ہے نہ انکے قتل کا! تعلیم و سیاست کے تعلق پر بے ربط اور اکثر بے معنی خیالات کا اظہار اس سنگین جرم کی نوعیت میں ذرا تغیر نہیں پیدا کر سکتا جو نفسیات شباب سے ناواقف معلم سے ایسے موقعوں پر سرزد ہوتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر عملی سیاست میں شرکت سے مصالح شخصی کی بنا پر نوجوانوں کو روکا بھی جائے تو ہر سچے معلم کا فرض تو ضرور ہے کہ وہ موجودہ تحریک کے مذکورہ بالا دو عناصر

خصوصی کو ہر ہندوستانی طالب علم کے ذہنی متاع کا جزو بنانے میں مدد دے۔ جدید تعلیم نے ہندوستان کو تقریباً دو مختلف قوموں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ایک قوم میں ہندوستان کے کروروں محنت کش ہیں اور دوسری قوم میں تھوڑے سے سفید پوش جو انکے نام سے اپنی روزی اپنی عزت اور اپنی نمود کا سامان کرنا چاہتے ہیں ہر فرض شناس ہندوستانی معلم کو چاہیئے کہ وہ ان نوجوانوں کو جنکی ذہنی و اخلاقی تربیت اس کے سپرد ہے اس خطرناک خواہش کو دور رکھے کہ وہ اپنے غریب ہموطنوں کے مفاد کو پس پشت ڈال کر اپنی اغراض کو پورا کرنا چاہے۔ اسلئے کہ اسکا لازمی نتیجہ جلد یا بدیر وہ ہوتا ہے جو روس میں اس ملک کے تعلیم یافتہ طبقہ کا ہوا۔ خدا ہندوستان کو اس دن سے بچائے جب صدیوں کے اس جماعتی ذہن کو مہینوں میں چکانے کے لئے اس تعلیمیافتہ طبقے کے ساتھ ہماری ذہنی زندگی کے قیمتی عناصر بھی تباہ و برباد کئے جائیں۔

دوسری چیز جسکا راسخ عقیدہ معلمین کو اپنے طلبہ کے دلوں میں بٹھانا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان کے مخصوص حالات میں تمام مسائل سیاسی و جماعتی کا حل پرامن طریقوں سے ہونا چاہیئے۔ علاوہ ان بے شمار فواید کے جو اس وقت اور آیندہ ہمارے ملک کو اس سے حاصل ہونگے۔ اس کا کامیاب تجربہ ساری دنیا کے لئے ایک بڑی برکت ثابت ہوگا۔ اس طریقہ کار کے لئے میدان عمل فراہم نہ کرنا اور اس تجربہ کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنا بلاقصد ان تشدد پسند جماعتوں کے اثر کو بڑھانا ہے جن کا اثر افسوس ہے کہ ہمارے ملک کے نوجوانوں میں تیزی سے بڑھ رہا ہے

راہ عمل

"ینگ انڈیا" مورخہ ۲۰؍مارچ سنہ ۳۰ء میں مہاتما گاندھی نے طلبہ کے متعلق ایک مقالہ افتتاحیہ لکھا ہے جس میں گجرات وِدیاپیٹھ کی اس جنگ آزادی میں شرکت کا ذکر کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ:۔

مجھے یقین ہے کہ ہر قومی تعلیم گاہ گجرات وِدیاپیٹھ کی تقلید کریگی جس نے سنہ ۱۹۲۰ء کے عدم تعاون کی آواز پر سب سے پہلے لبیک کہا تھا۔ اور مجھے امید ہے کہ سرکاری اور نیم سرکاری درسگاہیں بھی اس مثال کی تقلید کرینگی۔ اس دور کے ہر انقلاب میں طلبہ ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں اس تحریک میں صرف اس وجہ سے کہ یہ ایک پرامن تحریک ہے، طالبعلموں کو پیچھے ہرگز نہ رہنا چاہیئے۔

گجرات وِدیاپیٹھ کا نصب العین ہے "علم جو نجات دلانیوالا ہو" اس اصول پر کہ جزو کل میں شامل ہے، قومی آزادی یا مادی آزادی، روحانی آزادی میں داخل ہے۔ جو علم تعلیم گاہوں میں حاصل کیا جاتا ہے، وہ کم سے کم اس قابل تو ہو جو اس قسم کی آزادی کا راستہ بتا سکے۔

معمولی سے معمولی آدمی بھی یہ ضرور محسوس کریگا کہ ان ستیہ گرہی جاتریوں کی روزمرہ کی زندگی خود ایک مکمل تعلیم ہے۔ یہ آوارہ گرد باغیوں کی کوئی جماعت نہیں ہے جو ادھر اُدھر ہنگامہ مچاتی پھر رہی ہو اور جو کچھ جی میں آئے کر گزرتی ہو یہ ایک ایسے لوگوں کی جماعت ہے جنھیں اپنے اوپر پورا قابو ہے اور جنھوں نے منظم مظالم کے خلاف عدم تشدد دانہ بغاوت کا بیڑا اٹھا رکھا ہے، جو خود مصیبتیں جھیلکر آزادی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اپنے اس جاترا کے دوران میں عدم تشدد اور صداقت کے ذریعہ آزادی کا پیغام پھیلانا چاہتے ہیں۔ والدین کو مطلق کوئی فکر نہ ہونی چاہیئے کہ انھوں نے اپنے کسی بیٹے، یا بیٹی کو بہترین تعلیم کے لئے وقف کر دیا ہے جو ان حالات میں ممکن ہوسکتی ہے۔

سنہ ۱۹۲۰ء کی صدا اور اس وقت کی صدا میں بہت فرق ہے۔ سنہ ۲۰ء کی صدا سرکاری تعلیمگاہوں کو خالی کرنے اور قومی درسگاہیں قائم کرنے کے لئے اٹھائی گئی تھی۔ وہ ایک تیاری کی صدا تھی۔ آج آخری جنگ لڑنے یعنی عام سول نافرمانی کرنے کی صدا دی جا رہی ہے۔ ممکن ہے اسکی نوبت آئے ممکن ہے، نہ آئے اس کی نوبت نہ آئیگی اگر ان لوگوں نے جنھوں نے آزادی کی صدائیں بہت بلند اٹھائی ہیں، لیکن ان کے اندر عمل نہیں ہے۔ اگر نمک اپنا مزہ کھو دے تو پھر نمک کہاں سے آئیگا؟ طلبہ سے یہ امید کیجاتی ہے کہ وہ ایک ایسی نازک حالت میں صرف بے معنی نعروں سے کام نہیں گے بلکہ اپنی خاموش، باوقار اور سرفروشانہ عملی کوششوں سے، جو انکے شایان شان ہونگی ممکن ہے کہ طلبا کو ایثار و قربانی اور اس سے زیادہ عدم تشدد پر اعتقاد نہ جتنا ہو۔ اس صورت میں وہ قدرتاً باہر نہ آئیں اور نہ انکے آنیکی ضرورت ہے وہ انقلاب پسندوں کی طرح بیٹھے انتظار کریں اور دیکھیں کہ فعل میں عدم تشدد کا کیا اثر ہوتا ہے۔ یہ انکا ایک بہت بہادرانہ کام ہوگا کہ وہ یا تو اپنے کو اس عدم تشدد وانہ بغاوت میں بالکل ڈالدیں یا پھر غیر جانبدار رہیں اور اگر وہ چاہیں تو غور سے مطالعہ کریں کہ آئندہ واقعات کی رفتار کیا ہوتی ہے۔ وہ اس تحریک کو خراب کر دیں گے اور نقصان پہنچائیں گے اگر وہ اپنی مرضی کے مطابق کام کریں گے اور بانیان تحریک کی تدبیروں پر کاربند نہونگے یا انکے خلاف کرینگے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر سول نافرمانی اپنے پورے پیمانہ پر اب نہ شروع ہوسکی تو پھر آیندہ نسل میں بھی نہ ہوسکیگی۔ طلبہ کے سامنے راستہ بالکل کھلا ہوا ہے۔ وہ جو راہ چاہیں اختیار کر سکتے ہیں۔ گزشتہ دس سال کی بیداری کا نہیں کہ ان پر کچھ اثر نہ ہو۔ وہ چاہیں تو آخری طور پر کود سکتے ہیں۔

آکسفورڈ اور کیمبرج

آکسفورڈ اور کیمبرج ؟ تم ٹھیک نیچے کی طرف ہو یا گہرے نیلے رنگ کی طرف؟ بوٹ ریس میں کون جیتیگا؟ ایسے سوالات اور ایسے فقرے بہار کے موسم میں ہزاروں آدمیوں کے منہ سے سنے جاتے ہیں۔ درحقیقت اہل انگلستان ان دونوں درسگاہوں کو ایک دوسرے کا حریف سمجھتے ہیں۔

آکسفورڈ اور کیمبرج انگلستان کے ملک میں دو مشہور قصبے ہیں اور اس وقت سے مشہور ہیں جب کہ ابھی ان دونوں قصبوں میں یونیورسٹیاں تعمیر نہ ہوئی تھیں۔ آکسفورڈ ایک مشہور کونٹی (ضلع) کا صدر مقام ہے اور یہاں بہت سے گرجے ہیں۔ ۱۰۶۶ء میں ولیم فاتح نے رابرٹ ڈی آلی کو جو ایک مشہور سپاہی تھا حکم دیا کہ وہ ایک بڑا قلعہ وہاں تعمیر کرے۔ اب بھی اس قلعہ کے کچھ آثار باقی ہیں۔ اگر آپ جنوب کی طرف سے آکسفورڈ میں داخل ہوں تو آپ کو ایک اونچے سے ٹیلہ پر ایک چوکور مینار سا نظر آئیگا۔ یہ قلعہ بہت مستحکم تھا اور تاریخ میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ کبھی فتح بھی کیا گیا تھا۔ اس قلعہ سے ایک مشہور واقعہ بھی وابستہ ہے ۱۱۴۲ء کے خزاں کے موسم میں ملکہ نے اپنے بھانجے اسٹیفن سے جان بچاکر اس قلعہ میں پناہ لی۔ سردی کا موسم تھا چند دن بعد خوراک ختم ہونیکو آئی۔ سردی اس قدر زیادہ تھی کہ پانی جم گیا تھا اور ہر جگہ برف ہی برف تھی۔ ایک تاریک رات کو یہ ملکہ سفید لباس میں ملبوس اپنے تین ساتھیوں کی مدد سے کھڑکی کے راستہ سے نکل بھاگی اور دریائے ٹیمز کو عبور کرکے بارہ میل کے فاصلہ پر ایک اور قلعہ میں پناہ لی۔ آکسفورڈ کا بڑا گرجا شروع میں ایک خانقاہ کی حیثیت رکھتا تھا اور شاہی خاندان کی ایک عورت کی ملکیت میں تھا جس کے متعلق بہت سی روایات مشہور ہیں۔

کیمبرج گو گرجوں کا شہر نہیں لیکن انگلستان کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے اور رومیوں کے وقت سے مشہور چلا آتا ہے۔ یہاں بھی آکسفورڈ کی طرح ایک قلعہ تھا جس کے آثار بالکل معدوم ہو چکے ہیں۔ اسکی نشانی رکھنے کے لئے ایک مصنوعی ٹیلہ بنا دیا گیا ہے جسے کیسل ہل کہتے ہیں۔

مرٹن جس کی بنیاد ۱۲۶۴ء میں رکھی گئی تھی آکسفورڈ کے کالجوں میں بہت ہی قدیم کالج ہے اور سینٹ پیٹرز جسے پیٹر ہاؤس بھی کہتے ہیں کیمبرج میں سب سے پرانا کالج ہے جو ۱۲۸۴ء میں تعمیر ہوا تھا۔

ڈی مرٹن کے آنے سے پہلے جو کالج کا اصلی بانی تھا تمام طلبا علیحدہ علیحدہ رہا کرتے تھے۔ ڈی مرٹن نے محسوس کیا کہ اگر ان نوجوانوں کو ساتھ ساتھ ایک ہی چھت کے نیچے اور چند قوانین کے ماتحت رکھا جائے تو ان میں نظام عمل اور ادب پیدا کرنا آسان ہے۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر اس نے ایک اسکیم تیار کی اور ان لوگوں سے ملا جن کو اس مقصد سے ہمدردی ہو سکتی تھی۔ جلد ہی یہ اسکیم کامیاب ہوئی اور نہ صرف طلبا ساتھ ساتھ رہنے لگے بلکہ ان لوگوں نے اور کالجوں کی بنیاد بھی ڈالدی۔ اور اس طرح کئی کالج بن گئے۔

پیٹرز ہاؤس کا بانی ہوگو ڈی بالشام تھا اور یہ بھی ڈی مرٹن کی مثال تھی لیکن اس نے ایک کافی رقم کالج کیلئے وقف کردی تھی۔

یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ ان بڑے بڑے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے جنہوں نے دونوں درسگاہوں میں سے کسی ایک میں بھی تعلیم حاصل نہیں کی، بہت سے لیکن کیمبرج اور آکسفورڈ نے بھی بڑے بڑے علما، فضلا، پادری، لیڈر، وکلا، سیاح اور شاعر پیدا کئے۔

چند سال ہوئے آکسفورڈ اور کیمبرج میں عورتوں کے لئے اسکول کھل گئے ہیں لیکن فارغ التحصیل ہونیکے بعد ڈگریاں صرف آکسفورڈ سے دیجاتی ہیں۔

تاریخ انگلستان کے بہت سے واقعات کا تعلق آکسفورڈ اور کیمبرج سے ہے۔ آکسفورڈ کے گرجے میں وہ جگہ اب تک محفوظ ہے جہاں آرچ بشپ کرینمر نے اپنے مقدمہ کا فیصلہ سنا تھا۔ اور وہ جگہ بھی موجود ہے جہاں چارلس اول نے اسوقت خدا کا شکر ادا کیا تھا جب اسکو گراہم کے سپاہیوں پر فتوحات حاصل ہوئی تھیں۔ دو سو سال سے سلسلہ زمین تعمیر میں مختلف چانسلر طلبہ کو ڈگریاں دیتے چلے آئے ہیں۔

اخلاق

روسی کہاوتیں

(۴۹) چور باز چور کا بھائی۔
(۵۰) بھیڑیے کو جتنا چاہو کھلاؤ، اسکی نظر جنگل ہی کی طرف رہتی ہے۔
(۵۱) جسکی قسمت میں پھانسی ہو، وہ ڈوب کے نہیں مرتا۔
(۵۲) روپیہ ہو تو گاڑی کے پہیئے چلنے لگتے ہیں
(۵۳) بھیڑیے پکڑتے ہیں لیکن پکڑے جاتے بھی ہیں۔
(۵۴) بھٹکتے ہونے سے لوٹ آنا اچھا۔
(۵۵) مرغی کو زیبا نہیں کہ مرغے کی اذان دے
(۵۶) بُرے سودے کا اندھا گاہک
(۵۷) چور وہ جو پکڑا جائے۔
(۵۸) جو اخروٹ نہ توڑے گودا نہیں کھاتا۔
(۵۹) سور کی ناک لیموں نہیں سونگھتی۔
(۶۰) لنگور ریشمی جوڑے میں بھی لنگور ہی رہتا ہے۔
(۶۱) ایک سپاہی سے پلٹن نہیں بنتی۔
(۶۲) باپ لاٹھی گیا۔ بیٹوں کی پانی پہ نظر۔
(۶۳) آخر سے بہتر پہلی لڑائی۔
(۶۴) بال بال کر کے ساری داڑھی نچ جاتی ہے
(۶۵) سور کو جتنا چاہو نہلاؤ کیچڑ میں جا بیٹھے گا۔
(۶۶) سوداگر کو ایک آنکھ کافی، گاہک کو سو کم۔
(۶۷) دوست دشمن بنے تو سب سے بڑا دشمن ہے۔
(۶۸) مست بیدار ہو جاتا ہے۔ احمق ہمیشہ سوتے ہیں۔
(۶۹) ستار کا بند تان بولتی ہے
(۷۰) تنکوں کو آگ سے دور رکھو
(۷۱) خزانہ دوست ہو نہ ہو، دوست خزانہ ہوتا ہے۔
(۷۲) پوچھنا عیب نہیں۔ جواب نہ پانا بدقسمتی نہیں۔
(۷۳) آشتی پسند بھیڑیے کو بچھڑے چوستے ہیں
(۷۴) انسانوں سے آشتی رکھو اور اپنے عیبوں سے دشمنی۔
(۷۵) بھیڑیے سے دوستی بیشک رکھو مگر اپنے کلہاڑے کو بھی تیز رکھو۔
(۷۶) شرمیلا سائل بھوکا رہتا ہے۔
(۷۷) جب سیب نہ ملے تو گاجر کو بھی غنیمت جانو۔
(۷۸) بھرا پیٹ عقل کی نہیں سنتا۔
(۷۹) سو دوست کم، ایک دشمن کافی۔
(۸۰) ہر جانور کی اپنی اپنی کھال۔
(۸۱) گھر میں عقل نہ ہو تو باہر سے نہیں آسکتی۔
(۸۲) سیانا ساتھی آدھا رستہ طے۔
(۸۳) احمق کی دوستی رکھو تو ہوشیار بھی رہو۔
(۸۴) سیب حسین کو دو، اور گلاب کا پھول عقلمند کو۔
(۸۵) بیل کے سامنے ہو تو اس کا دھیان رکھو، گدھے کے پیچھے ہو تو اس کا دھیان رکھو۔ اور راہب کا خیال رکھو جہاں بھی ہو۔
(۸۶) ہمارا آپس میں رشتہ ہے۔ ہم سب نے ایک ہی دھوپ میں کپڑے سکھائے ہیں۔
(۸۷) دولتمند کو تحفہ دینا سمندر میں پانی پھینکنا ہے
(۸۸) گندھک کا ایک چمچہ شہد کا بھرا برتن بگاڑ دیتا ہے۔
(۸۹) نیا دوست ایسا ہے جیسے بہار میں منجمد ندی۔
(۹۰) بڑے چور چھوٹے چور کو سولی پر چڑھاتے ہیں
(۹۱) ہر شخص کو وہ درخت پیارا ہے جو اس کو سایہ دے
(۹۲) بچہ روئے نہیں تو ماں اسکی حاجت کو نہیں جانتی۔

ملک محمد اسلم صاحب۔ ایم اے (کیمبرج)

سائنس

روشنی

فضا میں ایک چیز ایسی ہے جو فرض کی گئی ہے۔ اسکو ہم ایتھر کہتے ہیں اور یہ ایتھر دنیا کی تمام چیزوں میں پھیلی ہوئی ہے خواہ وہ خلا کیوں نہ ہو اور اسکی وجہ سے ہمکو سورج کی روشنی حاصل ہوتی ہے سورج ایتھر میں ایک قسم کی لہر پیدا کرتا ہے ان لہروں کی دو قسمیں ہیں ایک لمبی لہریں اور دوسری چھوٹی لہریں لمبی لہریں مادی چیزوں سے یا ہمارے جسم سے ٹکراتی ہیں جسکا اثر حرارت ہوتا ہے

چھوٹی لہریں

ہماری آنکھ Retina پر جب ٹکراتی ہیں۔ تو ہم کو تمام چیزیں روشن دکھائی دیتی ہیں، اور اسکو ہم روشنی کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں

اہل سائنس روشنی کے متعلق اور ایک نظریہ پیش کرتے ہیں لیکن یہ نظریہ اتنا وقعت نہیں رکھتا جتنا کہ نظریہ مذکورہ بالا کو تقویت حاصل ہے اس نظریہ میں سائنسدانوں نے روشنی کو مادی چیز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور بعض اہل سائنس کا خیال ہے کہ سورج چاروں طرف نہایت ہی باریک باریک ذرے پھینکتا ہے اور یہ ذرے ہمارے جسم اور آنکھوں سے ٹکراتے ہیں جو ذرے جسم سے ٹکراتے ہیں وہ حرارت پیدا کرتے ہیں اور جو ذرے آنکھ سے ٹکراتے ہیں وہ روشنی پیدا کرتے ہیں۔

اب ہم روشنی کی رفتار کے متعلق کچھ بیان کرینگے اگر ہم روشنی کی رفتار کو خیال کی رفتار سے تعبیر کریں تو زیادہ مناسب ہوگا جس طرح کہ ہم اپنے خیال کی رفتار کا اندازہ نہیں کر سکتے ہیں۔ اسی طرح ہم روشنی کی رفتار کا اندازہ بھی مشکل سے کر سکتے ہیں مگر بعض اہل سائنس نے اسکی رفتار کا بھی اندازہ کیا ہے اور فی سکنڈ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل تبلایا ہے۔

جب روشنی کسی چیز پر کسی جگہ سے ڈالی جاتی ہے تو اس کا رُخ بالکل سیدھا رہتا ہے جسکو ہم ایک معمولی تجربہ سے بھی ظاہر کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر تین پٹھے لو اور انکو ایک سیدھ میں اور متوازی کھڑا کردو اور ان پٹھوں میں ایک ہی سیدھ ہی میں سوراخ کر دو اور اسکی دوسری طرف ایک موم بتی روشن کر دو پھر دیکھو۔ موم بتی کے شعلہ کی روشنی تمہیں ایک ہی سیدھ میں نظر آئیگی۔

جب روشنی ایک ہی سیدھ میں چلتی ہے تو اس سے ہم کچھ نہ کچھ نتیجہ ضرور اخذ کریں گے اگر ہم ان پٹھوں کے دوسری طرف دیکھیں تو ہمکو موم بتی کی تصویر اُلٹی دکھائی دیگی اس تجربہ کے لئے ایک اور چیز ہوتی ہے جسکو ہم پن ہول کیمرہ کہتے ہیں۔ یہ ایک معمولی سا آلہ ہوتا ہے جسکو ہم خود تیار کر سکتے ہیں یہ دراصل ایک پٹھے کی نلی ہوتی ہے جو اندر سے سیاہ کر دی جاتی ہے اسکے ایک سرے پر ایک سیاہ کاغذ لگا دیتے ہیں اور اس میں پن سے سوراخ کر دیتے ہیں اور دوسرے سرے پر روغنی کاغذ لگا دیتے ہیں، اور جب ہم اسکو موم بتی کے سامنے کرتے ہیں تو موم بتی کے شعلہ کی تصویر اُلٹی بنتی ہے۔ اور تصویر کو چھوٹا بڑا کرنا موم بتی اور پن ہول کیمرہ کے فاصلہ پر منحصر ہے۔

اب اگر ہم پن ہول کیمرہ پر بہت سے سوراخ کر دیں تو ہم دیکھیں گے کہ جتنے سوراخ کئے گئے ہیں اتنی تصویریں بھی بنیں گی اور ہر ایک تصویر پہلی تصویر سے بڑھتی جائیگی لیکن ان تصویروں کی تعداد بہت زیادہ ہوجائیگی اور ہم کو یہ تصویریں نہ دکھائی دینگی صرف ایک معمولی روشنی نظر آئیگی۔

جب روشنی خط مستقیم پر گرتی ہے تو سایہ پیدا ہوتا ہے۔ ان سایوں کی ساخت روشنی کے منبع پر منحصر ہے اگر روشنی کا منبع اس چیز سے چھوٹا ہے جو سایہ پیدا کرنیکا باعث ہے تو ہم دیکھیں گے کہ سایہ بالکل سیاہ اور صاف کنارے والا ہوگا اسکو ہم (Umbra) کہتے ہیں مگر روشنی کا منبع اور وہ چیز جو سایہ کا باعث ہوتی ہے اگر برابر ہے تو سایہ دو قسم کا ہوگا ایک درمیانی حصہ جو کامل سیاہ ہوگا اور اس سیاہ حصہ کے دونوں طرف نیم سیاہ حصہ جسکو (Penumbra) کہتے ہیں تیسری صورت بھی ہوسکتی ہے یعنی روشنی کا منبع اس چیز سے جس سے سایہ پڑتا ہے بڑا ہو تو ہم دیکھیں گے کہ سایہ سب کا سب (Penumbra) ہوتا ہے اور بعض وقت (Penumbra) کے درمیان چھوٹا سا (Umbra) بھی ہوتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ چیز جس پر سایہ پڑ رہا ہو اگر سایہ پیدا کرنیوالی چیز سے بہت دور ہو تو تمام (Penumbra) ہوگا لیکن قریب ہونیکی صورت میں (Penumbra) کے درمیان Umbra ہوگا۔ چاند گرہن اور سورج گرہن بھی روشنی کے خط مستقیم میں چلنے کا نتیجہ ہیں۔

تاریخ

دنیا کی تاریخ کیسے لکھی گئی

میں نے اپنے پچھلے خط میں تمہیں بتایا تھا کہ ہم کو دنیا کی ابتدائی تاریخ کا مطالعہ "قدرت کی کتاب" سے کرنا چاہیے۔ اس کتاب میں وہ تمام چیزیں ہیں جو تم اپنے گرد و پیش دیکھتی ہو یعنی چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں اونچے اونچے پہاڑ، دریا اور ان کی وادیاں، سمندر اور کوہ آتش فشاں۔ یہ کتاب ہمارے سامنے ہمیشہ کھلی رہتی ہے لیکن ہم میں سے کتنے ایسے ہیں جو اسکی طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھتے ہیں یا اسے پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں اگر ہم اسے پڑھنا یا سمجھنا سیکھ لیتے، تو ہم کو اس سے بہت سے دلچسپ قصے معلوم ہوتے۔ اسکے پتھر کے صفحوں میں ہم جو قصے پڑھتے وہ جنوں اور پریوں کے قصوں سے کہیں زیادہ دلچسپ ہوتے۔

اسی "قدرت کی کتاب" سے ہمیں بہت سے حالات اس پرانے زمانہ کے معلوم ہونگے جبکہ ہماری اس زمین پر نہ کسی انسان کا پتہ تھا، نہ حیوان کا۔ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے ہمیں ابتدائی جانور نظر آتے جائینگے اور اسی طرح دوسرے بہت سے جانور بھی۔ اس کے بعد مرد اور عورتیں نظر آئیں گی لیکن اس زمانہ کے مرد اور عورت آج کل کے مرد اور عورتوں سے بالکل مختلف ہونگے وہ بالکل جنگلی اور وحشی ہونگے اور ان میں اور جانوروں میں بہت کم فرق نظر آئیگا۔ رفتہ رفتہ وہ تجربہ حاصل کرتے جائیں گے اور ان میں سوچنے کا مادہ پیدا ہونے لگیگا۔ یہی سوچنے کی قوت انھیں جانوروں سے بالکل مختلف بنا دیگی۔ یہ حقیقت میں ایک ایسی طاقت ہوگی جو انھیں بڑے سے بڑے اور خوفناک سے خوفناک جانوروں سے بھی زیادہ طاقتور بنا دیگی۔ آج تم دیکھتی ہو کہ ایک چھوٹا سا آدمی بڑے سے بڑے ہاتھی کی گردن پر بیٹھا ہوتا ہے اور وہ اس سے جو چاہتا ہے، کرا لیتا ہے۔ ہاتھی ایک بڑا اور طاقتور جانور ہوتا ہے، اس چھوٹے مہاوت سے کہیں زیادہ طاقتور ہوتا ہے جو اس کی گردن پر بیٹھا ہوتا ہے۔ لیکن مہاوت میں سوچنے کی طاقت ہے اور اسی طاقت کی بدولت وہ اسکا مالک بنا ہوا ہے اور ہاتھی اس کا نوکر۔ جوں جوں یہ سوچنے کی طاقت انسان میں بڑھتی گئی، وہ اور زیادہ ہوشیار اور عقلمند ہوتا گیا۔ اس نے بہت سی چیزیں دریافت کیں۔ مثلاً آگ کیونکر بنائی جا سکتی ہے، زمین کیسے جوتی اور بوئی جا سکتی ہے، پہننے کیلئے کپڑے اور رہنے کے لئے مکان کیونکر تیار کئے جائیں۔ بہت سے مرد اور عورتیں ساتھ ساتھ رہنے لگے اور اس طرح شہر آباد ہوئے شہر آباد ہونیسے پہلے لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ ادھر سے ادھر پھرا کرتے تھے اور غالباً خیموں میں رہتے تھے۔ ایسی حالت میں انھیں زمین سے فصلیں تیار کرنی نہیں آتی تھیں وہ مطلق نہیں جانتے تھے کہ چاول کیا چیز ہے اور نہ وہ گیہوں سے واقف تھے جس سے روٹی بنا سکیں۔ کوئی سبزی وغیرہ بھی نہ تھی اور بہت سی چیزیں جو آج ہم کھاتے ہیں، اس وقت لوگ انکے نام سے بھی آشنا نہ تھے۔ غالباً کچھ جنگلی اخروٹ اور پھل رہے ہونگے جنہیں لوگ کھاتے تھے لیکن زیادہ تر انکی گذر اوقات جانوروں کے گوشت پر تھی جنہیں وہ شکار کیا کرتے تھے۔

جوں جوں شہر بڑے ہوتے گئے، لوگ بہت سے اچھے اچھے فنون سے واقف ہوتے گئے۔ انھوں نے لکھنا بھی سیکھ لیا لیکن ایک عرصہ تک کوئی کاغذ وغیرہ نہیں تھا اور لوگ بھوج پتر درخت کی چھال پر یا کھجور کے پتوں پر لکھا کرتے تھے۔ آج بھی تم بعض کتب خانوں میں اس زمانہ کی پوری پوری کتابیں کھجور کے پتوں پر لکھی ہوئی دیکھ سکتی ہو اس کے بہت عرصہ بعد کاغذ ایجاد ہوا اور پھر لکھنا بہت آسان ہو گیا لیکن ابھی تک مطبع نہیں تھے اور اس لئے آجکل کی طرح کتابیں ہزاروں کی تعداد میں نہیں چھپ سکتی تھیں۔ ایک کتاب صرف ایکبار لکھی جا سکتی تھی اور پھر نہایت محنت و جانفشانی کے ساتھ اسکی مختلف نقلیں ہوتی تھیں۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ بہت سی کتابیں نہیں ہو سکتی تھیں۔ تم کسی کتب فروش یا کسی کتابوں کی دکان میں جا کر کتابیں نہیں خرید سکتے تھے بلکہ تمہیں کسی شخص کو اسکے نقل کرنے کیلئے تلاش کرنا ہوتا اور اس میں بہت کافی عرصہ لگتا لیکن اس زمانہ میں لوگ بہت خوشخط لکھتے تھے اور آج ہمارے کتب خانوں میں اس زمانہ کی بعض بہت خوشخط اور عمدہ لکھی ہوئی کتابیں ہیں۔ ہندوستان میں اس زمانہ کی لکھی ہوئی سنسکرت فارسی اور اردو کی بہت سی کتابیں موجود ہیں۔ اکثر جو لوگ کتابیں لکھتے تھے، وہ حاشیہ پر پھول پتیاں بھی نہایت عمدہ بنا دیتے تھے۔

شہروں کی ترقی کے ساتھ ممالک اور قومیں بھی پیدا ہو گئیں۔ جو قومیں کہ

ایک دوسرے سے قریب رہتی تھیں، وہ قدرتاً ایک دوسرے سے زیادہ واقف ہوتی گئیں۔ وہ یہ سمجھنے لگیں کہ ہم ان قوموں سے بہتر ہیں جو دوسرے ملکوں میں رہتی ہیں اور اس حماقت میں پڑکر وہ ایک دوسرے سے لڑنے لگیں۔ انھوں نے یہ نہیں سمجھا اور بہت سے لوگ آج بھی نہیں سمجھتے کہ جنگ و جدل کرنا یا قتل و خون کرنا بڑی حماقت ہے۔ اس سے کسی کو بھی فائدہ نہیں پہنچتا۔

ان شہروں اور ملکوں کے ابتدائی حالات معلوم کرنے کیلئے ہمیں بعض اوقات پُرانی کتابیں ملجاتی ہیں، لیکن یہ کتابیں کچھ بہت زیادہ نہیں ہیں۔ دوسری چیزوں سے بھی ہمیں اس بارے میں مدد ملتی ہے۔ پُرانے زمانہ کے بادشاہ اور سلاطین اپنی سلطنت کے حالات تختیوں اور لاٹوں پر لکھوا دیا کرتے تھے۔ کتابیں بہت عرصہ تک نہیں ٹھہر سکتی ہیں ان کے کاغذ یا تو سڑ جاتے ہیں یا ان کو کیڑے چاٹ جاتے ہیں، لیکن پتھر بہت عرصہ تک قائم رہتے ہیں۔ غالباً تمہیں اشوک کی وہ لاٹ یاد ہوگی جو تم نے الٰہ آباد کے قلعہ میں دیکھی ہے۔ اس لاٹ پر اشوک کا ایک اعلان کندہ ہے۔ اشوک سیکڑوں برس ہوئے، ہندوستان کا ایک بہت بڑا راجہ گزرا ہے۔ اگر تم لکھنؤ کے عجائب خانے میں جاؤ تو تمہیں بہت سی پتھر کی تختیاں ملیں گی جن پر کوئی نہ کوئی عبارت کندہ ہوتی ہے۔

اگر ہم دنیا کے مختلف ملکوں کی پُرانی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہم کو معلوم ہوگا کہ چین اور مصر میں لوگوں نے کیا کیا بڑے کام کئے جبکہ یورپ کے ممالک وحشی قوموں سے آباد تھے۔ ہمیں ہندوستان کے اس روشن زمانہ کا حال بھی معلوم ہوگا جبکہ رامائن اور مہابھارت جیسی بڑی کتابیں لکھی گئیں اور جب کہ ہندوستان ایک بہت دولت مند اور طاقتور ملک تھا آج ہمارا ملک بہت غریب ہے اور ایک غیر قوم کے لوگ ہم پر حکومت کرتے ہیں۔ ہم اپنے ملک میں بھی آزاد نہیں ہیں اور ہم جو چاہیں وہ نہیں کر سکتے۔ لیکن ایسی حالت ہمیشہ نہیں تھی اور نہ آیندہ ہمیشہ رہیگی، بلکہ اگر ہم کوشش کریں تو ہم پھر اپنے ملک کو آزاد کرا سکتے ہیں اور اس ملک کو ویسا ہی قابل رہائش بنا سکتے ہیں جیسے آج یورپ کے بعض ممالک ہیں۔

میں اپنے آیندہ خط میں زمین کا دلچسپ قصہ بالکل شروع سے سناؤنگا۔

کوائف جامعہ

سلامیہ پشین ہائی اسکول رنگون ملحقہ جامعہ ملیہ کے ایک طالب علم ممتاز احمد کی شادی ۱۷ر جنوری کو ہوئی۔ جامعہ والے اپنی خوشی میں جامعہ کی مدد کا ہمیشہ خیال رکھتے ہیں۔ چنانچہ ممتاز احمد کے بھائی محمد حسین صاحب نے اس موقع پر جامعہ کے تعلیمی مرکز نمبر۱ کی تعمیر میں امداد کے لئے مبلغ ۱۵ مرحمت فرمائے۔ ہم جناب کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

دنیا کا یہ ایک عجیب انقلاب ہے کہ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے سابق پرو وائس چانسلر جناب ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب جو آج کل اسمبلی کے سلسلہ میں دہلی میں مقیم ہیں، جامعہ تشریف لائے اور طلبائے کالج کی انجمن اتحاد کے زیر اہتمام "مسلمانوں کے علم ہیئت" پر ایک پُرمغز لکچر دیا۔ ابتدائی تقریر میں آپ نے مسلم یونیورسٹی کے نصب العین اور اسکی تعلیمی کوششوں کو مسلمانوں کے لئے غیر مفید بتاتے ہوئے جامعہ کے مقاصد اور اسکے کاموں کی بہت تعریف فرمائی اور اس سے زیادہ شیخ الجامعہ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب کی بیدار مغزی اور اہلیت کی داد دی جو آپ کے قدیم شاگردوں میں اور تحریک ترک موالات کے زمانہ میں حریف جماعت کے لوگوں میں تھے۔

۲۸ر مارچ کو طلبہ کی خاص دعوت پر جناب مولنا شوکت علی صاحب نے انجمن اتحاد کے زیر اہتمام ایک تقریر فرمائی جس میں آپ نے ستیاگرہ کی موجودہ تحریک میں مسلمانوں کے شریک نہ ہونے کے اسباب بتائے اور فرمایا کہ مسلمانوں کو سب سے پہلے اپنے گھر کو درست کرنا چاہیئے۔

ہماری جامعہ کے ایک لایق اُستاد جناب برکت علی صاحب کے برادر مکرم جناب ڈاکٹر قاسم علی صاحب مغفور کا بعارضہ نمونیہ گزشتہ ماہ (مارچ ۱۹۳۰ء) علیگڈھ میں انتقال ہوگیا، جہاں آپ مسلم یونیورسٹی میں سائنس کے پروفیسر تھے ۱۷ر مارچ کو اساتذہ اور طلبہ کا ایک تعزیتی جلسہ ہوا جس میں مرحوم کے پسماندگان کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا گیا۔ ہم بھی جناب موصوف کے ساتھ اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔

قصے کہانیاں

ایک بیوقوف لڑکا

شہر بابل میں جواب عراق عرب کے نام سے مشہور ہے ایک شخص رہتا تھا۔ اُس کے چار لڑکے تھے۔ جو سب سے بڑا تھا اُسکا نام قمر اور اُس سے چھوٹے کا نام گلم تھا تیسرے اور چوتھے کا نام شمس اور گُلم تھا۔ گُلم جسکا نام تھا یہ سب سے چھوٹا مگر نہایت عقلمند ذہین اور تیز تھا۔ اسکی عادت تھی کہ اپنے بھائیوں کی بُری باتیں دیکھکر ہر وقت اُٹھتے بیٹھتے اُنہیں ٹوکتا روکتا۔ یہ بات اُسکی اور کسی کو اتنی ناگوار نہ تھی جتنی گُلم کو تھی۔ وہ اکثر خفا ہوتا اپنی غلطی تسلیم نہ کرتا لیکن سچی بات کا اثر اس کی سخن پروری دور نہ کرسکتی تھی اور بھائی جو انصاف پسندی کا مادہ رکھتے تھے گُلم کی بات کی تائید کرتے جس سے گم اور بھی پیچ وتاب کھاتا اور دل ہی دل میں بجائے اس کے سچ اور جھوٹ میں تمیز کرنے کی کوشش کرتا دوسرے بھائیوں کی طرف سے اور بدگمانیاں پیدا کرکے بڑے بڑے خیالات پیدا کرلیتا بھائی چونکہ صاف قلب تھے وہ اُس وقت کے سوا جب کوئی ایسی بات پیش آتی اُن باتوں کو بھول جایا کرتے تھے۔ بھائیوں کے دل میں گم کی طرف سے کوئی ملال نہ تھا لیکن گم کے خیالات احمقانہ تھے وہ سب بھائیوں کی نسبت یہ رائے قائم کرچکا تھا کہ یہ میرے دشمن ہیں۔ باپ بھی اکثر ایسی باتیں جو بھائیوں بھائیوں میں ہوتی تھیں سنتا رہتا تھا باپ کے دل میں بھی کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ گم اپنے اور بھائیوں کے ساتھ کدورت رکھتا ہے اور کدورت کی بنیاد یہ بات ہے جو بیان کی گئی اتفاقاً ایک روز کہ برسات کا موسم تھا اور گم ابھی بستر سے نہ اُٹھا تھا اور بھائی حوائج ضروری سے فارغ ہوکر چار کا شغل کررہے تھے اور گم چونکہ پاس ہی سو رہا تھا اس خیال سے کہ مبادا اسکی نیند میں خلل نہ واقع ہو آہستہ آہستہ پڑھنے لکھنے کی باتیں بھی کرتے جاتے تھے کہ دفعتہً گم کی آنکھ کھل گئی اور بستر ہی سے اس نے بھائیوں کو باتیں کرتے سُنا گو کوئی بات پوری اُس کے کان میں نہ پڑی تھی نہ یہ کہہ سکتا تھا کہ درحقیقت کیا باتیں ہو رہی تھیں مگر بایں ہمہ اس نے بلا سوچے سمجھے فوراً یہ رائے قائم کرلی کہ یہ سب میری بُرائی کررہے تھے۔ اس غلط رائے قائم کرلینے کا اُن بھائیوں کو مطلق خیال نہ ہوا اسلئے کہ دل کی بات تھی۔ کاکسی کو کیا علم ہوسکتا تھا یہ بیچارے اپنی چار نوشی میں مصروف رہے اور اس سے فارغ ہوکر اپنی اپنی جگہ جا بیٹھے۔ اسکے بعد گم اُٹھا اور منہ ہاتھ دھوکر منہ پھلائے ہوئے پڑھنے آبیٹھا سب بھائیوں نے ادب اور محبت سے پوچھا کہ بھائی صاحب چار پی لیجئے ایک دوڑ کر پیالی بھر لایا اور سامنے رکھدی مگر گم بدگمانیوں میں گم تھا یہ سلیقہ شعاری جو کی گئی اور اس طرح ادب و محبت کا برتاؤ جو کیا گیا اُسکی قدر گم جیسے احمق اور بداندیش کو کیا ہوسکتی تھی اُس کے منہ پھلانے میں کوئی فرق نہ آیا متواتر تقاضوں کے بعد چار اُس نے پی لی برسوں گم کی یہی حالت رہی اور یہ ناپاک خیالات بیجا توہمات یہاں تک ترقی کرگئے کہ بعض اوقات بھائیوں کو بھی اس ناگوار برتاؤ سے تکلیف پہنچنے لگی اور اکثر بدمزگی کی صورتیں رونما ہوئیں والدین کے کان بھی اس سے آشنا ہوئے اور اس سے پہلے جو کچھ سُنا تھا وہ سب کچھ انہیں یاد آگیا اور یہ قیاس کرلیا گیا کہ درحقیقت گم ہی مفسد اور بے وقوف شریر ہے کہ بیجا ہٹ اور بلا وجہ اپنی زود رنجی وخود رائی سے لڑمرتا ہے اور اُسی دُھن میں شب و روز رہتا ہے اور جو کام کرتا ہے بے سوچے سمجھے اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ بھائی باوجود اس کے کہ محبت کا برتاؤ کرتے ہیں لیکن یہ اُسکو عداوت خیال کرتا ہے۔ کل مدرسہ جانے سے پہلے گُلم نے ایک اچھی بات کہی تھی کہ بھائی آپ دن چڑھے اُٹھتے ہیں چار خراب ہوجاتی ہے جو مزا چار کا ہمیں آتا ہے وہ آپ کو نہیں آتا اگر آپ بھی سویرے اُٹھنے کی عادت ڈالیں تو کیا اچھا ہو سب بھائی مزے سے ساتھ ہی ساتھ چار پیا کریں بس اس پر آپ آگ بگولہ ہوگئے اور لڑنے لگے کہ سب میرے پیچھے پڑگئے ہیں اور میری جان کے دشمن ہوگئے ہیں قمر نے کہا کہ بھائی صاحب آپکا کیا خیال ہے آپ ہم

ایک ہیں جو بات کم نے کہی برا ماننے کے قابل نہیں نہ دشمنی پر محمول ہو سکتی اُسکا دلی جذبہ محبت اور شوق اُلفت یہ نہیں چاہتا کہ آپ تنہا بغیر اور بھائیوں کے چاہئیں آ سے یہ بڑا معلوم ہوتا ہے اُسکا جی خوش نہیں ہوتا وہ آپ کی خالی پیالی دیکھ دیکھ کر رنجیدہ ہوتا ہے اور بار بار پلنگ کی طرف دیکھتا ہے لیکن بستراحت میں مخل نہیں ہوتا باتیں بھی کرتا ہے تو آہستہ آپ کو اس جذبہ کی قدر کرنی چاہیئے نہ کہ اظہار ملال۔ بیفائدہ اپنا دل جلاتے ہو اور بھائیوں کو بھی ستاتے ہو میں بڑا تھا اگر کوئی بات خلاف ادب ہوتی تو خود گوشمالی کر دیتا، والد صاحب موجود تھے وہ تنبیہ کر دیتے یہ غرور ہے کہ وہ چھوٹا ہے لیکن بزرگی بہ عقل است نہ بسال۔ ہمیشہ آپ دن چڑھے اُٹھتے ہیں کوئی کہاں تک چپ رہے آپ کو خود ایسا موقع نہ دینا چاہیئے کہ چھوٹے آپکی حرف گیری کریں آپ نے خواہی نخواہی بھائیوں کی طرف سے دشمنی کا خیال قائم کر لیا ہے اور یہ آپ کی محض جلدبازی اور ناعاقبت اندیشی ہے کہ آپ صلاحیت کیساتھ کسی بات کو نہیں سوچتے نہ سمجھنے کی کوشش کرتے اور پہلے سے پہلے ہی اپنی خودی و خشونت طبع سے ایک بُرا خیال قائم کر لیا کرتے ہیں ایسے کا یہ نتیجہ ہے کہ آپ کو گھر بھر میں کوئی دوست نظر نہیں آتا اسکول میں بھی آپکا یہی حال ہے وہاں بھی کوئی آپکا دوست نہیں۔ اگر آپ اچھی بات سننے سے نفرت کریں گے اور ناصح مشفق کو دشمن سمجھیں گے یا نصیحت کے سخن پر کان نہ دھریں گے تو جو کام آپ کریں گے وہ کبھی درست نہ ہوگا کوئی ماں کے پیٹ سے سیکھ نہیں پیدا ہوتا عقل اس طرح آتی ہے دوسروں کی اچھی باتیں سننا اور اُن پر عمل کرنا اور بُری باتوں سے بچنا اور بُری باتوں کے نتائج سے عبرت حاصل کرنا انسان کو انسان بنا دیتا ہے اس کے علاوہ ہر شخص کی طرف نیک گمان رکھنا ہر شخص کے ساتھ ہمدردی کرنا چاہیئے بڑے بھائیوں کا ادب چھوٹے بھائیوں پر شفقت کرنا شیریں زبانی سے پیش آنا زیادہ محبت کا باعث ہے شرافت اور انسانیت اسی کا نام ہے یہی وہ جوہر ہے جس سے غیر اپنے ہو جاتے ہیں اگر آپ اس پر عمل کریں تو آپ دیکھیں گے کہ کس لطف سے گذرتی ہے اور کتنے آپ خوش رہتے ہیں قمر کی یہ بات گم کے دل میں اُتر گئی اور قمر نے کچھ اس طرح کی کہ کارگر ہو گئی اسدن کا دن ہے کہ گم جیسے تندخو اور بدگمان لڑکے نے پھر بھائیوں کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کیا نہ اس عادت کے چھوڑ دینے کے بعد اُسکو ملال و رنج و غصہ اُٹھانا پڑا نہ بھائیوں میں پھر کبھی ان بن ہوئی باپ چونکہ شاعر تھا اُس نے اس قضیہ کے طے ہونیکی مسرت میں ایک نظم لکھی جو خصوصیت کے ساتھ اس کہانی سے تعلق رکھتی ہے اگر لڑکے اسکو یاد کریں گے تو یقیناً فائدہ اُٹھائیں گے اور اس بُری عادت سے محفوظ رہیں گے۔

بدگمانی

بے سبب دل میں کبھی رنج نہ اپنے لاؤ بات جو رنج کی ہو پاس نہ اُس کے جاؤ

بدگمان ہو نہ کسی سے، یہ بُری عادت ہے بدگمانی سے زمانہ کو بڑی نفرت ہے

دوست ہو جاتے ہیں دشمن اسی عادت کے طفیل دل میں احباب کے آجاتا ہے ایسے ہی میل

یہ مرض وہ ہے کہ مشکل ہے مداوا اس کا کر نہیں سکتے کوئی چارہ مسیحا اس کا

یہ وہ آتش ہے کہ جس سینہ میں روشن ہوجائے بھڑک اُٹھے تو گھڑی بھر میں وہ گلخن ہوجائے

عشق بے لطف ہے بے کیف محبت اس سے اُٹھتی رہتی ہے شب و روز قیامت اس سے

دل کے ارمانوں کو مٹی میں ملا دیتا ہے متوقع کو یہ مایوس بنا دیتا ہے

امن و راحت کا عدو ہوش و خرد کا دشمن غضب و غیظ سے خوش عیش و خوشی کی بدظن

اس سے اللہ بچائے یہ بلا زحمت ہے

اس سے ہر کام میں دنیا کے پڑا کھنڈت ہے

از سید النساء سیدہ بنت حمید نائب تحصیلدار بھوپال

مناظر فطرت

فطرت اپنی گوناگوں دلچسپیوں سے انسان کو تو حیرت کرتی ہے فطرت کے راز اور کرشمہ سازی انسانی تخیل سے بالا ہیں۔ فطرت آئے دن ہماری دلچسپیوں کے سامان پیدا کرتی ہے۔ لیکن انسان اسکی قدر نہیں کرتا اور اپنی بلند پروازیوں کے آگے ہیچ سمجھتا ہے۔

صبح کا وقت کتنا لطف انداز ہوتا ہے۔ پرندے اپنے گھونسلوں سے پر جھٹک کر باہر نکلتے ہیں اور جانور اپنے غاروں سے دم ہلا ہلا کر جنگل کی راہ لیتے ہیں۔ سورج اپنے آشیانے سے سر باہر نکالتا ہے۔ اور اپنے رُخِ روشن کی نرم نرم شعاعیں ان لہلہاتے سبزوں پر ڈال کر شبنم کے قطروں کو منور کرتا ہے۔ گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سبزے نے موتیوں کا ہار پہنا ہے۔ جنگل میں بڑے بڑے سایہ فگن اشجار کھڑے ہیں اور اپنی ٹہنیوں اور پتوں کو ہلا ہلا کر پرندوں کو اپنے آغوش میں بلاتے ہیں۔ دریا دبے پاؤں اُن سبزہ اور مرغزار وادیوں سے ہو کر گذرتا ہے۔ جسکے کنارے جانور بیٹھے شفاف پانی سے اٹکھیلیاں کرتے ہیں۔ اور جب خوشی کی لہر اُن میں دوڑ جاتی ہے تو پرندے بیساختہ دیوانہ وار فضا میں پرواز کرتے ہیں اور فضا کے بسیط میں راگ چھیڑ کر وجد طاری کرتے ہیں۔

پھر آئیے اور اس کا دوسرا رُخ ملاحظہ فرمائیے۔ سورج دن کا تھکا ماندہ جب اپنے آشیانے کو ستانے جاتا ہے تو اپنے سُرخ اور ملائم کرنوں سے آسمان کو سرخ مخملی لباس پہناتا ہے۔ پرندے جنہوں نے قوت لایموت کی تگ و دو میں سارا دن صرف کیا تھکے ماندے اپنے آشیانوں کو لوٹتے ہیں بعض گھونسلوں میں تو خوشی چھا جاتی ہے اور بعض اپنے ہم جنس کی گمشدگی پر آنسو بہاتے ہیں۔ وہ

بچارے یا توصیاد کے جال میں پھنس کر قید میں اپنی تمام عمر کاٹتے ہیں اور اُنکے ننھے بچے آشیانوں میں بھوک کے مارے داد ویلا کرتے ہیں۔ درندے جنہوں نے کئی معصوم اور بیگناہ جانوروں کو مار مار کر اپنے شکم کو سیر کیا ہی اور اُن کے خون سے اپنے دانتوں کو رنگا ہے غار میں مست پڑے ہیں۔ تاریکی درختوں اور سبزوں کو اپنے آغوش میں چھپا لیتی ہے اور سب کو غمی اور خوشی کی لوری دے کر تھپکاتی ہے۔ ندی بھی تاروں کی روشنی میں آہستہ گذرتی ہے اور اپنا راگ مختلف گذرگاہوں میں مختلف گاتی ہے۔

ترجمان حقیقت ڈاکٹر سر محمد اقبال کے حسب ذیل چند اشعار سے مناظر فطرت کی سچی ترجمانی ہوتی ہے۔

لذت سرود کی ہو چڑیوں کے چہچہوں میں
چشمے کی شورشوں میں باجا سا بج رہا ہو
پتوں کا ہو نظارہ میری کتاب خوانی
دفتر ہو معرفت کا جو بگل کھلا رہا ہو
صف باندھے دونوں جانب بوٹے ہرے ہرے ہوں
ندی کا صاف پانی تصویر لے رہا ہو
ہو دل فریب ایسا کہسار کا نظارہ
پانی بھی موج بن کر اُٹھ اُٹھ کے دیکھتا ہو
آغوش میں زمیں کے سویا ہوا ہو سبزہ
پھر پھر کے جھاڑیوں میں پانی چمک رہا ہو
پانی کو چھو رہی ہو جھک جھک کے گل کی ٹہنی
جیسے حسین کوئی آئینہ دیکھتا ہو

اقبال

سید نور المہتدی متعلم کلیہ جامعہ عثمانیہ
حیدرآباد (دکن)

میم صاحبہ اور بیوی صاحبہ کی گفتگو

میم صاحبہ بیوی صاحبہ سے۔ کیوں بیوی صاحبہ یہ کیا بات ہے کہ تم اپنے گھر میں دن ورات مثل قیدی کے قیدخانہ میں بند رہتی ہو۔ اور سوائے اپنے آپس کے آدمی سے اور کسی باہر کے آدمی سے بات چیت بھی نہیں کر سکتی ہو۔ اور نہ کسی باہر والے کے سامنے ہو سکتی ہو (واہ رے پردے) اور کپڑوں کو رنگ کر پہننے کو خوبصورتی اور چمک دکھانے کے لئے گوٹہ کو استعمال کرتی ہو۔ اور پانی کو بھی ایک عجیب غذا کی طرح کھاتی ہو۔ ہم کو دیکھو کہ ان میں سے ایک بات بھی تم نہ پاؤ گی ہمیں ہر شخص سے ہر طرح کی بات چیت کرنے کے لئے کوئی بندش نہیں ہم ہر آدمی سے بات چیت کر سکتے ہیں۔ اور جہاں چاہیں وہاں آزاد ہو کر جا سکتے ہیں۔ کوئی ہمکو روک نہیں سکتا۔ ہم راہ چلتوں سے ہاتھ ملاتے ہیں۔ تم ہماری طرح ناچنا اور گانا بھی نہیں جانتی ہو۔ ہم ہر وقت مثل بلبل کے چہکتے رہتے ہیں یعنی ہر وقت خوش رہتے ہیں۔ تم ہر وقت رنجیدہ۔ ہاں اگر تم پردہ چھوڑ دو تو یہ سب مشکلیں تمہارے پاس سے ہٹ جائیں اور ہماری طرح تم بھی اس چمن میں آزاد ہو کر پھرنے لگو۔ افسوس۔ واقعی یہ سب خرابیاں تمہارے اوپر پردے کے سبب سے ہیں۔

بیوی صاحبہ میم صاحبہ سے۔ اجی میم صاحبہ تم تو بہت چڑ چڑائیں، اور ہم کو ایک کی دس سنائیں۔ اب میری باری آئی ہے غور سے سنو۔ کہ تم بادشاہِ وقت ہو جو چاہو سو کرو۔ تمہاری ہماری کوئی ریس نہیں ہے اور نہ ہو؟ اگر تمہارا دل چاہے تو اپنے خاوند کے سامنے ہی دوسرے سے ہاتھ ملاؤ۔ تمہیں کوئی شرم نہیں۔ اور یہ تمہارا آزاد ہو کر ہر ایک سے ملنا بھی عجیب بات ہے تمہارے ہاں محرم اور غیر محرم کی کوئی قید نہیں تم جس سے چاہو، اور جس وقت چاہو مل سکتی ہو جسوقت تم منہ پر پوڈر لگاتی ہو اس وقت مثل بھانڈ یا تھیٹر کے ایکٹر یا مثل سادھوؤں کے جو کہ تمام جسم پر راکھ مل کر نکلتے ہیں معلوم ہوتی ہو۔ ہمارا چہرہ قدرتی اُجلا اور گورا بنا ہوا ہے۔ ہم کو خدائے پاک کی قدرت سے پوڈر کی ضرورت نہیں۔

نور بخش۔ دہرہ دون

جادو کے سوالات

اپنے ساتھی سے کہئے کہ وہ کوئی ہندسہ اپنے دل میں سوچ لے مگر وہ ہندسہ ۳ عددوں سے زیادہ نہ ہو یعنی ۹۹۹ سے تک لے سکتے ہیں اگر اس سے ایک بھی زیادہ لیں گے تو ۴ عدد ہو جائیں گے۔ خیر تو جو ہندسہ آپ نے سوچا ہے وہ ایک کاغذ پر لکھ لیجئے اور جیسے جیسے میں کہوں ویسے کرتے جائیے اول اس ہندسہ کو ۲ سے ضرب دیجئے اور پھر اس میں ۵ جمع کر دیجئے پھر اسے ۵ سے ضرب دیجئے اور اس میں ۳ جمع کر دیجئے اب اسے ۱۰ سے ضرب دیجئے اور ۲ جمع کر دیجئے اب جو کچھ جواب آیا ہے اسے ایک کاغذ پر لکھ کر مجھے دیدیجئے میں بتا دیتا ہوں کہ آپ نے کونسا ہندسہ لیا تھا اسکا حل بہت آسان ہے حل اسکا نیچے لکھتا ہوں

جو جواب ہے اس میں سے ایک سو پچاس ۱۵۰ نفی کر دیجئے نفی کرنے سے آخر میں یعنی اکائی، دہائی، سیکڑہ میں جتنے تین ہوں وہ کاٹ دیجئے اور جو بچے اس میں سے ایک گھٹا دیجئے پہلا ہندسہ آجائیگا۔

مثلاً ایک عدد ہم نے ۳۲۳ لیا اسے ۲ سے ضرب دیا تو ۶۴۶ ہوئے اس میں ۵ جمع کئے ۶۵۱ ہوئے اب پھر اسے ۵ سے ضرب دیا ۳۲۵۵ ہوئے اس میں ۳ جمع کئے ۳۲۵۸ ہوئے اسے ۱۰ سے ضرب دیا ۳۲۵۸۰ ہوئے اس میں پھر ۲ جمع کئے ۳۲۵۸۲ ہوئے اب اس میں سے ۱۵۰ نفی کر دیجئے ۳۲۴۳۲ بچے آخر کے جتنے ۳ ہیں وہ کاٹ دیجئے ۳۲۴ رہے اس میں سے ۱ گھٹا دیجئے۔ ۳۲۳ جواب آیا۔ کہئے یہی ہندسہ لیا تھا

۳۲۳ × ۲ + ۵ × ۵ + ۳ × ۱۰ + ۲ - ۱۵۰ تمام کاٹنے کے بعد - ۱ جواب آگیا۔

دیکھئے ایک پونڈ کا سوال دیتا ہوں آپ اپنے کاغذ پر کچھ پونڈ شلنگ پنس لکھ لیجئے مگر دیکھئے کوئی عدد ۱۱ سے زیادہ نہ ہو۔ اچھا تو آپ نے کاغذ پر لکھا؟ اب اس رقم کو اُلٹ دیجئے اور بڑی رقم میں سے چھوٹی رقم گھٹا دیجئے۔ اب اس جواب کی رقم کو پھر اُلٹ دیجئے۔ اور ان دونوں کو آپس میں جمع کر دیجئے۔ جواب آگیا بتاؤں کیا جواب ہے؟

پونڈ ۱۸ - شلنگ ۱۸ - پنس ۱۱ ہے

مثلاً آپ نے پونڈ ۲ - شلنگ ۸ - پنس ۶ لیے اس رقم کو اُلٹ دیجئے۔ پونڈ ۶ - شلنگ ۸ - پنس ۲ ہوئے بڑی رقم میں سے چھوٹی رقم گھٹا دیجئے

پونڈ	شلنگ	پنس
۶	۸	۲
۲	۸	۶
۳	۱۹	۸

پونڈ ۳ - شلنگ ۱۹ - پنس ۸ بچے انہیں پھر اُلٹ دیجئے۔ پونڈ ۸ - شلنگ ۱۹ - پنس ۳ ہوئے ان دونوں کو جمع کر دیجئے۔

پونڈ	شلنگ	پنس
۸	۱۹	۳
۳	۱۹	۸
۱۲	۱۸	۱۱

دیکھئے وہی جواب پونڈ ۱۸ - شلنگ ۱۸ - پنس ۱۱ آگیا کوئی ہندسہ لے یہی جواب آئے گا۔

محمد طیب صاحب بچھرایونی متعلم جامعہ

ہر بچہ کے پاس ایک علیحدہ کتب خانہ ہونا چاہیئے

جس میں

"پیامِ تعلیم" یا کوئی دوسرا اخبار آتا ہو اور ہر مہینہ چند نئی کتابوں کا اضافہ ہوتا ہو

(۱) اس فہرست کی سب کتابوں کی قیمت تو عہ ہے جو ایک عدد صرف خاص خاص بچے خرید سکیں گے لیکن عہ، عا ماہانہ کی کتابیں سب ہی خرید سکتے ہیں۔

(۲) اگر کوئی پیسہ عہ سے بھی کم کی کتابیں لینا چاہتا ہو تو ایک کارڈ میں اپنی پسندیدہ کتابیں لکھ کر ہم سے دریافت کرے کہ کتاب کی قیمت کے علاوہ ٹکٹ پر کتنے پیسے اور خرچ ہونگے۔ ہم اسی دن اسکو جواب دیدیں گے۔

کہانیاں

	قیمت	
۱۔ چڑیا چڑے کی کہانی		۱ر
۲۔ چوہے بلی نامہ	"	۲ر
۳۔ کرمو دھرمو	"	"
۴۔ نقلی شہزادہ		۴ر
۵۔ گدھے کی سرگذشت	"	۱ر
۶۔ ترکوں کی کہانیاں	"	۲ر
۷۔ نعیم پچپن	"	۴ر
۸۔ زرداد	"	۶ر
۹۔ لنگڑا ماموں	"	۳ر
۱۰۔ شہر شہری اور شہریت	"	۵ر
۱۱۔ کشتی	"	۶ر
۱۲۔ حکایاتِ شیریں حصہ اول	"	۲ر
۱۳۔ " " دوم	"	۲ر
۱۴۔ " " سوم	"	۶ر
۱۵۔ " " چہارم	"	۶ر
۱۶۔ سولہ کہانیاں	"	۱۲ر

اسکاوٹ کی تین ضروری چیزیں

۱۔ فرسٹ ایڈ چارٹ: یہ دیوار پر لٹکانے والا نہایت عمدہ نقشہ ہے جس میں فرسٹ ایڈ کے متعلق مفصل معلومات ہے ۱۲ر

۲۔ ضروری معلومات: یہ اسکاوٹنگ پر بڑی اچھی کتاب ہے جو ہر اسکاوٹ کے پاس رہنا ضروری ہے ۲ر

۳۔ ٹنڈر فٹ کارڈ: پہلے امتحان کی تمام باتوں کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے چھوٹا سا کارڈ ہے جو ہر وقت جیب میں رکھا جا سکتا ہے۔ قیمت ۲ر

عربی سکھانیوالی کتابیں

عربی کی پہلی مصنفہ احمد شاہ صاحب	۳ر
" دوسری " "	۴ر
" تیسری " "	۵ر
عربی بول چال حصہ اول مصنفہ حافظ عبدالرحمٰن صاحب	۱۲ر
" " حصہ دوم	۱۲ر

نظمیں

	قیمت	
۱۔ بچوں کے گیت		۳ر
۲۔ سنہری گیت	"	۳ر
۳۔ پھول باغ حصہ اول	"	۱۲ر
۴۔ " " حصہ دوم	"	۶ر
۵۔ راکھ بیگم	"	۱ر
۶۔ بیاضِ نرگس حضور	"	۵ر
۷۔ مناجات ذکا	"	۱ر
۸۔ رباعیاتِ حالی	"	۳ر
۹۔ حب وطن	"	۳ر
۱۰۔ مناجات بیوہ	"	۴ر
۱۱۔ جیب کی داد	"	۳ر
۱۲۔ درسِ عمل	"	۴ر
۱۳۔ مرزا پھویا	"	۱ر
۱۴۔ بیاضِ گل	"	۸ر
۱۵۔ آغوشِ مادر	"	۱۰ر
۱۶۔ پہیلیاں	"	۱ر

مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

طابع و ناشر : ۔ ڈاکٹر عابد حسین پی ایچ ڈی ۔ مطبع : جامعہ ملیہ اسلامیہ ، قرول باغ صدر بازار دہلی ۔ کاتب : ۔ عبد الملک متعلم جامعہ

ٹیلیفون نمبر ۲۲۱۹

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶۱

نرخنامہ چندہ

سالانہ ۲/ع

ششماہی ۱/ع

فی پرچہ ۱/

نرخنامہ اشتہار

فی صفحہ ۸/

نصف صفحہ ۵/

چوتھائی صفحہ ۳/

پیام تعلیم

اڈیٹر: سعید انصاری، بی اے (جامعہ)

نمبر ۱۲ — ۲۱ اپریل سنہ ۱۹۳۰ عیسوی — جلد ۸

فہرست مضامین

دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟

ہندوستان کے اندر

۱۲/مارچ ۱۹۳۰ء مہاتما گاندھی جی کا سابرمتی آشرم سے نکلنا کیا ہوا اُس وقت سے سوائے ان کی تحریک کے اور کوئی واقعات ایسے پیش ہی نہیں آتے جو لوگوں کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ سکیں۔

۵/اپریل کو مہاتما جی مع اپنے ۸۰ ساتھیوں کے منزل مقصود یعنی ڈانڈی پہنچ گئے اور اس روز آرام کرکے اگلے دن نمک کے قانون کو توڑا۔ تمام لوگوں کی نظریں لگی ہوئی تھیں کہ مہاتما جی دوسرے روز کس طرح قانون شکنی کرتے ہیں اور حکومت انکو کیا کرتی ہے؟ صبح کے ٹھیک ساڑھے چھ بجے مہاتما جی مع اپنے ۸۰ ساتھیوں کے سمندر کے کنارے آئے۔ سب سے پہلے آپ نے سمندر کے اندر غسل کیا اور اس کے بعد پانی سے باہر نکلے اور اپنے انہی گیلے کپڑوں کے ساتھ اس جانب روانہ ہوئے جہاں نمک بنایا جاتا تھا۔ آپ نے قانون شکنی کی ابتدا کرنے سے پیشتر سب سے پہلے احکم الحاکمین کی بارگاہ میں اظہار عجز و نیاز کیا جسکے قانونوں کی پابندی آپکا سب سے بڑا دھرم ہے اور جسکی حکومت آپ اس دیس میں قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے نمک کے ذخیرہ میں قدم رکھا اور دونوں ہاتھوں سے نمک اُٹھا کر باہر لائے۔ آپ کے نمک بناتے ہی جتنے ساتھی تھے، سب نے یکبارگی نمک بنانا شروع کیا اور لوگوں کی اُمیدوں کے خلاف کسی نے آکر پوچھا تک بھی نہیں کہ تم یہ کیا کرتے ہو! حکومت بمبئی کی طرف سے اتنے عرصہ سے جو تیاریاں ہو رہی تھیں، وہ سب کی سب طاق پر دھری کی دھری رہ گئیں اور اس نہتے کمزور انسان نے دنیا کی سب سے طاقتور اور جنگی سازوسامان سے بھرپور سلطنت کے قانون کو اسکی آنکھوں کے سامنے پاؤں تلے روندکر رکھدیا۔

اس خبر کا ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلنا تھا کہ ہر جگہ نمک بنانے کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ حکومت مہاتما گاندھی اور ان کے ساتھیوں کو تو چھوڑ سکتی تھی لیکن تمام ہندوستان میں کیسے اس آگ کو بڑھنے اور پھیلنے دینا گوارا کرسکتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خود گجرات اور اس کے گردونواح کے دوسرے علاقوں میں گرفتاریاں اور پولیس کی طرف سے سختیاں کیجانے لگیں اور کچھ زیادہ وقت نہیں گزرا کہ سیٹھ جمنالال بجاج، منی لال کٹھاری کے۔ ایف نریمان، رامداس گاندھی، جیسے لوگ پکڑ لئے گئے جو گجرات اور بمبئی کے صوبوں میں بہترین کام کرنے والے تھے۔ اسی کے ساتھ کلکتہ میں مسٹر سین گپتا جو ابھی چند دن ہوئے، دس روز کی قید کاٹ کر چھوٹے تھے، پھر گرفتار کرلئے گئے۔ دہلی میں دیوداس جی گاندھی، مولانا عارف ہسوی، لالہ شنکرلال، اور بہت سے دوسرے لوگ پکڑ لئے گئے اسی طرح بنارس، لکھنؤ آگرہ، رائے بریلی، کراچی اور تمام دوسری جگہوں پر جہاں جہاں مقامی کام کرنے والے سرگرم کار تھے، ان سب کو پولیس نے گرفتار کرنا شروع کردیا۔ حکومت کے اس طرز عمل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے تمام چھوٹے چھوٹے کام کرنیوالوں کو پکڑ لینا چاہتی ہے، پھر اس کے بعد گاندھی جی کی گرفتاری رہجائیگی جو بہت آسانی سے ہوسکیگی۔ اس طرح اس کے خیال میں مہاتما جی کی گرفتاری پر نہ کچھ چیخ پکار ہوگی۔ اور ان کے جیل جانے سے تحریک کا بھی خاتمہ ہوجائیگا۔ لیکن حکومت کو معلوم نہیں کہ اس کا مقابل فہم و تدبر میں سے اس سے کچھ کم نہیں رہا۔ گاندھی جی نے جب یہ رنگ دیکھا تو انھوں نے لیڈری کے قصہ ہی کو اُڑا دیا اور یہ کہدیا ہے کہ اب سے ہر کام کرنیوالا لیڈر ہے۔ اسے کسی رہبر و رہنما کا انتظار نہ ہونا چاہیئے۔ راستہ بالکل صاف ہے۔ نمک بناتے جاؤ اور جیل جاتے جاؤ۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ گھر گھر نمک بننے لگا۔ ہر ہر گاؤں اور ہر ہر قصبہ میں جہاں جہاں اس کا امکان ہے، نمک بن رہا ہے۔ رضاکار والے ٹیلوں پر نمک بناتے جارہے ہیں جیل کے اندر نمک سازی کے جرم پر مقدمہ کی کارروائی ہو رہی ہے اور جیل کے باہر "خونی دروازہ" میں نمک بن رہا ہے پولیس دیکھتی ہے اور نظر بچا جاتی ہے، حکام کو خبر ملتی ہے اور کانوں میں تیل ڈالے ہوئے ہیں۔ غرض نمک کا قانون تو ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔

والدین اور اُستادوں کا صفحہ

اُردو کا قاعدہ اور اُسکی مشکلات

"پیام تعلیم" نے اردو کی ابتدائی تعلیم کے متعلق جو بحث اُٹھائی ہے. بحمد بند کہ اس پر کافی توجہ ہو رہی ہے. منشی عبدالقیوم صاحب انحفاؔ کے مضمون " اردو کا نیا قاعدہ" شائع ہونیکے بعد جناب اکبر علی صاحب کا یہ ایک اور مضمون آج ہدیہ ناظرین کیا جا رہا ہے جو ابتدائی تعلیم سے ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک انقلابی قاعدہ" کے مصنف بھی ہیں. اُمید ہے کہ اس بحث سے دلچسپی رکھنے والے دیگر حضرات بھی اپنے خیالات سے ناظرین کو مستفید ہونیکا موقع دیں گے۔ (اڈیٹر)

اردو قاعدہ کی طرف افسوس کہ بہت کم توجہ کی گئی ہے حالانکہ تعلیمی نقطۂ نگاہ سے یہ خاص توجہ کا محتاج ہے اور عقدہ کشایان تعلیم کے نزدیک یہ کوئی مشکل کام نہیں. بالخصوص دور حاضرہ میں جبکہ اُردو، ہندی کا مسئلہ بڑی شد و مد کے ساتھ لیڈران اور زعمائے ہند کا خاص مبحث ہے. جو اصحاب اس بات کے خواہشمند ہیں کہ تمام ہندوستان کی عام زبان ایک ہی تسلیم کیجائے ان پر لازم ہے کہ اس طرف خصوصیت کے ساتھ متوجہ ہوں. جو لوگ اردو زبان کے حامی ہوں انہیں چاہیئے کہ اردو زبان کو ہر پہلو سے ہندی زبان کے برابر ہی نہیں بلکہ بہمہ وجوہ افضل. اعلیٰ اور مفید تر ثابت کرکے قائل کر دیں کہ یہی زبان ہندوستان کی بہترین و مقبول ترین زبان ہو سکتی ہے. اسکے صوری و معنوی عیوب کی پڑتال کریں اور جو نقائص معلوم ہوں اور اصلاح پذیر سمجھے جائیں انکی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں اور زندہ قوم کی زبان کو اگر زندہ رکھنا چاہتے ہوں تو اسکو بھی ضروریات زمانہ کے مطابق زندگی و تازگی بخشتے رہیں اور اسے کل ہندوستان کی واحد قومی زبان بنانے میں حتی الامکان کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں کیونکہ کسی قوم کی موت و زیست کا انحصار اس قوم کی زبان کی موت و زیست پر زیادہ تر ہوتا ہے. چنانچہ زبان کی خدمت کسی ملک و قوم کی بہترین خدمت ہو سکتی ہے. علاوہ ازیں فی زمانہ تعلیم کا چرچا عام ہو رہا ہے ہر طرف تعلیم، تعلیم کی چیخ پکار بلند ہے. ہر قوم کا نصب العین تعلیم ہے یہانتک کہ گورنمنٹ کو بھی مجبور کیا جا رہا ہے کہ اشاعت تعلیم کے لئے پرائمری تعلیم کا لازمی ہونا ضروری قرار دے. چنانچہ جبریہ پرائمری تعلیم بتدریج ملک میں پھیل رہی ہے. اندریں حالات بہی خواہان ملک و قوم کا اولین فرض یہ ہے کہ اس طرف متوجہ ہوں اور اردو زبان میں ہر ایک علم کے دریا بہا دیں. اسے ہر طرح سے مکمل اور آراستہ کریں اور اسکی تعلیم کے راستہ سے مشکلات کے کانٹے دور کرکے اسے مقبول عام بنا ڈالیں. ہر ایک زبان کی ترقی کا انحصار زیادہ تر اسکی اپنی ہی صوری و معنوی خوبیوں پر ہوا کرتا ہے. اردو زبان کی سادگی، شیرینی، سلاست و روانی مسلم و ضرب المثل ہے. ابتدائی مراحل البتہ مشکل ہیں. چنانچہ میرے اس مضمون کا موضوع جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے اردو قاعدہ کی مشکلات پر روشنی ڈالنا ہے تاکہ جو ننھے بچے فی زمانہ تعلیم کے لئے مجبور کئے جا رہے ہیں ان مشکلات کی وجہ سے تعلیم سے محروم رہ کر خسر الدنیا والآخرہ کے مصداق نہ بنیں بلکہ جلد از جلد تحصیل علم کرکے اپنی عاقبت کی فکر کریں، اچھے شہری بنیں، ملک و قوم کی خدمت میں مشغول ہوں اور اقوام عالم کے دوش بدوش کھڑے ہو کر کام کرنیکے لائق بن جائیں کیونکہ تعلیم کی اصلی غرض و غایت یہی ہے. لہذا میں اس مضمون میں اپنے خیالات کو اسی مسئلہ تک محدود رکھونگا. کیونکہ اصل الاصول یہی ہے اگر جڑ درست ہو گئی تو شاخیں خود بخود نشو و نما پاتی رہینگی۔

جہانتک میرا ذاتی تجربہ ہے، مدارس میں اردو کا قاعدہ پڑھانا بڑی دقت کا سامنا ہے جسکی وجہ غالباً یہ ہے کہ اول تو ہندوستان کی دیگر مروجہ زبانوں کے مقابلہ میں اردو حروف تہجی کی اشکال مجردہ اور ترکیب لفظی میں ہر ایک حرف کی مختلف تبدیلیاں ایک ایسا گورکھ دھندا ہیں جس سے بچہ کو تعلیمی راستہ میں پہلے ہی قدم پر دو چار ہونا پڑتا ہے. حروف کی شکلیں جو پڑھائی جاتی ہیں وہ کچھ ہیں اور جہاں ان سے کوئی لفظ بنا، وہ کچھ سے کچھ ہو گئیں. دوسری زبانوں میں یہ بات نہیں. اُن میں جو حروف پڑھائے جاتے ہیں انہی

کو جوڑ کر لفظ بناتے ہیں اور یہ بات نوشت وخواند دونوں میں موجبِ سہولت ثابت ہوتی ہے۔ اسکی نسبت یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ بات اردو کی ان خصوصیات میں ہے جو ناقابل اصلاح ہیں، بہرکیف یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ یہ ایک رکاوٹ ہے جہاں بچہ پہلے ہی قدم پر لڑکھڑا جاتا ہے اگر اسے بھی کسی طریقہ کے ماتحت سمجھا جائے تو ایسی بڑی رکاوٹ نہیں جیسا کہ بادی النظر میں معلوم ہوتی ہے۔

دوسری رکاوٹ جو بچہ کی تعلیم میں سنگ راہ بنتی ہے وہ حروف تہجی کے اسمار واصوات کی باہمی پیچیدگیاں ہیں۔ آپ ہندوستان کی قریباً کسی زبان کو لے لیجئے اس کے حروف تہجی کے قریب قریب وہی نام ہونگے جو اُن کی آوازیں ہیں یعنی اسمار واصوات متفاوت نہیں لیکن برعکس اس کے اردو زبان میں حرف کا نام زمین ہے تو آواز آسمان سے۔ ا (الف) ج (جیم) د (دال) ڈ (ڈال) ذ (ذال) س (سین) ش (شین) ص (صاد) ض (ضاد) ط (طوئے) ظ (ظوئے) ع (عین) غ (غین) ک (کاف) ق (قاف) گ (گاف) ل (لام) م (میم) ن (نون) و (واؤ) وغیرہ حروف کی متعلقہ اصوات واسمار پر ذرا غور کریں تو دونوں میں بعد المشرقین معلوم ہوگا۔ ہم بچہ کو حرف کا نام کچھ بتاتے ہیں اور اسکی آواز کچھ چاہتے ہیں۔ معاملہ اگر یہیں ختم ہو جاتا تو بھی چنداں افسوس کی بات نہ تھی کیونکہ یہ ایک حرف کا معاملہ تھا لیکن مصیبت درمصیبت تو یہ ہے کہ جوں جوں بچہ آگے قدم رکھتا ہے ہماری سے بھاری پتھر اس کے سامنے رکھ کر اس بیچارے معصوم کی نازک کمرہمت کو ناحق توڑا جاتا ہے مثلاً ہم لفظ (کج) ک (کاف) اور ج (جیم) ملاکر پڑھاتے ہیں اور ملا سمجھائے بچوں سے تقاضا کرتے ہیں کہ ترکیب لفظی میں محض ک क اور ج ज آواز نکالو۔ حالانکہ کافؔ اور جیمؔ میں علاوہ حروف علت کی آوازوں کے ک (क) ف (फ) ج (ज) اور م (म) چار مستقل آوازیں شامل ہیں۔ اب بتائیے بچہ کو کیا معلوم کہ ان میں کونسی آوازیں بولتے وقت چھوڑنی ہیں اور کونسی ادا کرنی ہیں اور کیوں؟ لیکن ہم اسی پر بس نہیں کرتے لفظ 'کج' کی ہجا کرتے وقت اس پر آخر کوئی اعراب بھی لگائیں گے۔ مثلاً کاف۔ جیم۔ زبر۔ کج۔ سوچیئے کہ بچہ سے لفظ زبر کہلوانا ہماری زبردستی نہیں تو اور کیا ہے! ہماری سمجھ میں تو یہ بات آتی نہیں کہ حرفوں اور اعراب کے نام تو کچھ کہلوائے جائیں اور اُن سے مراد کچھ اور ہی لی جائے۔ علیٰ ہذا القیاس جب کئی حروف ملاکر ایک لفظ بنانا اور ہجار کے ساتھ معہ اعراب وغیرہ بچہ کو پڑھنا پڑتا ہے اس وقت اس بیچارے معصوم کی مصیبت کا اندازہ کیجئے مثلاً محض سہ حرفی لفظ 'کاج' ہی لیجئے۔ اسکو یوں پڑھایا جاتا ہے کاف الف زبر کا۔ ج موقوف یا ساکن۔ 'کاج' آخر سوچیے تو سہی کہ اس موقوف سے اس نادان بیوقوف بچہ کو کیا وقوف اور ساکن سے کیا سکون حاصل ہوتا ہوگا۔ بچہ یہ سب کچھ دیکھتا اور سنتا ہے اور دل ہی دل میں حیران ہے کہ یا اللہ میاں! یہ کیا مصیبت مجھ پر مسلط ہے۔ لیکن افسوس کہ وہ اپنی حیرانی بیان کرنے سے قاصر ہے کیونکہ وہ معصوم بے زبان ہے اور ایک ظالم، جابر، منہ زور منہ توڑ استاد کے سامنے بیٹھا ہے۔ جہاں ذرا اُف کی تو ہاتھ، کان، ناک کی خیر نہیں۔ استاد صاحب اپنی سمجھ کے مطابق جو کچھ کہلوانا چاہیں بچہ کا فرض ہے کہ بلاچون وچرا اسکی رٹ لگائے جائے۔ کاش کوئی بچہ زبان کھول سکتا تو استاد صاحب کو حقیقت کا پتہ چلتا اور اسکے اعتراض کا معقول جواب نہ دے سکنے پر دل میں کھسیانے ہوتے اور ضرور ہوتے اور آئندہ اس سے ذرا سوچ سمجھ کر بات کرتے۔

اب قدرتاً دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان باتوں کی اصلاح غیر ضروری ہے یا یہ سب باتیں ناقابل اصلاح ہیں؟ اگر ضروری ہیں اور اصلاح پذیر بھی ہیں تو اس قسم کی فضول اور ناجائز رکاوٹیں بچوں کے راستہ میں کیوں روا رکھی گئی ہیں۔ کیا محض اس لئے کہ بیچارے بچے بے زبان ہیں۔ کوئی انکا نمائندہ نہیں، حمایتی نہیں، خیرخواہ نہیں۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ قاعدہ کا پڑھنا بطور آزمائش ہے یعنی جو بچہ ابتدا میں ان ناجائز مشکلات پر حاوی ہو سکے وہی آئندہ تعلیم کا مستحق سمجھا جائے، ورنہ وہ کسی دوسرے کام میں لگے۔ قدیم زمانہ میں ممکن ہے یہ ضروری سمجھا جاتا ہو جبکہ حصول تعلیم خاص خاص افراد کا استحقاق سمجھا جاتا تھا لیکن دورِ حاضرہ میں جبکہ بچہ بچہ کو تعلیم دینا نہ صرف ضروری بلکہ لازمی قرار دیا جا رہا ہے، اس معاملہ میں قدامت پسندی کا پابند رہنا، لکیر کا فقیر بنے رہنا، مشکلات کو مشکلات سمجھنے کے باوجود اس طرف متوجہ نہ ہونا، ننھے بچوں پر بیجا ظلم روا رکھنا، انکو ظالم شقی القلب اساتذہ کا تختۂ مشق بنا رکھنا، جدید طرز تعلیم کی سہولتوں سے محروم رکھنا کہاں تک حق بجانب ہو سکتا ہے۔ جدید طرز تعلیم نے ہر شعبۂ تعلیم میں موشگافیاں کی ہیں۔ لیکن اگر محروم ہے تو صرف اردو کا قاعدہ۔ اسکی تعلیم میں سرمو فرق نہیں

آیا۔ باوصف ان تمام باتوں کے اس روشنی اور ترقی کے زمانہ میں بھی اکثریت ان اصحاب کی ہوگی جو اس قسم کی کوئی تبدیلی گوارا نہ کریں گے لیکن ان اصحاب سے میری دست بستہ گزارش ہے کہ آپ تعلیم کے معاملہ کو معمولی نہ سمجھیں آیندہ نسل کی موت و زیست کا سوال تعلیم کے حصول میں مضمر ہے۔ قدیم زمانہ میں تعلیم سے محروم رکھ کر بہت سی نسلیں تباہ و برباد کی جاچکی ہیں بعض طباع، ذہین اور خوش قسمت بچے ان دشوار گزار تعلیمی گھاٹیوں کو عبور کرلیا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تعلیمیافتہ لوگ شاذ و نادر ہوا کرتے تھے مگر موجودہ زمانہ اس کا متحمل نہیں ہوسکتا آجکل بچہ بچہ کے لئے ایک حد تک تعلیم حاصل کرنا لازمی ہے لہذا ہر ایک ناجائز رکاوٹ کا ان کے تعلیمی راستہ سے دور کرنا، ہر ایک محبت قوم کے اہم ترین فرایض میں سے ہے، جس میں فی زمانہ بے اعتنائی گناہ کبیرہ سے کم نہیں ہماری تعلیمی پستی میں ہمارے اساتذہ کی سستی و غفلت بھی ایک حد تک ضامن ہیں جنھوں نے نہ خود اس طرف توجہ کی اور نہ کسی دوسرے کی توجہ اس طرف منعطف کرائی۔ معاف فرمائیں اگر میں یہ کہوں کہ بچوں کے پیچھے اور اپنی عقل کے پیچھے ہمیشہ ڈنڈا ہی لئے پھرتے رہے۔ لیکن نظر انصاف سے دیکھا جائے تو ان بیچاروں کا بھی چنداں قصور نہیں۔ ایسے اہم کام کے لیے برائے نام معاوضہ پر کام کرنا انہی لوگوں کا دل گردہ ہے۔ کھال اُدھیڑ کر ہی سہی آخر کچھ تو ابھی دیتے ہیں ایسی حالت میں ان اساتذہ سے اس سے زیادہ توقع رکھنا ہماری زیادتی ہے لیکن اب منتظمین اور عقدہ کشایان تعلیم پر واجب ہے کہ بچوں کی تعلیم پر ایسے اساتذہ کرام مامور کئے جائیں جو کافی تنخواہ دار ہوں، نیک چلن ہوں، علم النفس کے پورے پورے ماہر ہوں، بچوں کی ذہنیت کو فرداً فرداً خوب سمجھ سکتے ہوں، رحم مجسم ہوں یعنی والدین کی طرح محبت اور شفقت رکھنے والے ہوں اور سب سے بڑھکر یہ کہ تعلیم کے دلدادہ ہوں اور اشاعت تعلیم کے جذبہ سے ان کے قلوب معمور ہوں۔ جب تک یہ نہ ہوگا کسی قسم کی کوئی اصلاح یا کوشش کما حقہ کارگر نہ ہوگی۔ بایں ہمہ تعلیمی انقلاب رونما ہوگا اور یہ تبدیلیاں ہوکر رہیں گی اور ہمیں آج نہ سہی کل انکے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہوگا آیندہ کی اشاعت میں یہ واضح کرنے کی کوشش کیجائیگی کہ اردو قاعدہ کی نئی ترتیب میں کن باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے چنانچہ ایک قاعدہ بھی طریق جدید پر "انقلابی قاعدہ" کے نام سے مرتب کیا گیا ہے جس میں بلا حروف و اعراب کا نام لئے اور بلا ہجے اور ہجے کے تعلیم دینے کا التزام ملحوظ رکھا گیا ہے۔ — اکبر علی صاحب۔ سابق ایجوکیشنل سکریٹری سنگرور (رکاب دار) معلم ایمان پنچ پی

کوائف جامعہ

۸ر اپریل ۱۹۳۰ء کو عالیجناب نواب اکبر یار جنگ صاحب، ہوم سکریٹری ریاست حیدرآباد۔ شیخ الجامعہ صاحب کے یہاں تشریف لائے اور شام کا کھانا تناول فرمایا۔ اس سلسلہ میں آپ نے جامعہ کی دو تربیت گاہوں یعنی "خاکسار منزل" اور "بشیر منزل" کا معائنہ بھی فرمایا۔ آپ ہر دو اقامت گاہوں کی صفائی، ستھرائی، خوش سلیقگی اور حسن انتظام سے بہت خوش ہوئے اور لڑکوں کے کھانے پینے اور رہنے سہنے کے طریقے اور انتظام کو بہت پسند فرمایا۔ ۹ر تاریخ کو آپ جامعہ تشریف لائے اور کتبخانہ اور بعض دوسرے شعبوں کا معائنہ فرمایا۔

آپ شیخ الجامعہ صاحب کے عزیز ہوتے ہیں۔ دولت آصفیہ حیدرآباد کی طرف سے جو عطیہ جامعہ کو ابھی منظور ہوا ہے، اسکی منظوری میں آپکی کوششوں کو بہت دخل ہے۔

تحریک ستیاگرہ کے سلسلہ میں آج کل ملک میں جو گرفتاریاں ہو رہی ہیں، ان میں دو اشخاص ہماری جامعہ سے تعلق رکھنے والے بھی ہیں۔ ان میں ایک سیٹھ جمنالال جی بجاج اور دوسرے دیو داس جی گاندھی ہیں ہم دونوں صاحبان کی خدمت میں اپنی دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

اول الذکر صاحب "انجمن تعلیم ملی" کے خازن تھے جنھوں نے اپنے اختیارات اپنے جانے کے بعد اپنے وکیل کو منتقل کر دئے ہیں۔ ثانی الذکر صاحب مہاتما گاندھی جی کے صاحبزادے ہیں اور جامعہ میں چرخہ اور ہندی کی تعلیم دیتے تھے جسکا آپکے چلے جانیکے بعد دوسرا انتظام ہوگیا ہے۔

جناب مولوی مسعود علی صاحب ندوی جو "انجمن تعلیم ملی" کے معاون رکن بھی ہیں، اواخر مارچ میں جامعہ تشریف لائے تھے اور جناب شیخ الجامعہ کے مہمان رہے۔ آپ کوئی ایک ہفتہ تک جامعہ میں مقیم رہے اور اس عرصہ میں آپنے جامعہ کیلئے زمین کے انتخاب کے سلسلہ میں بہت کوشش فرمائی آپکی توجہ سے یہ مسئلہ جو کچھ دب سا گیا تھا، از سر نو اُبھر آیا ہے۔

مذہب

رمضان اور اُسکے روزے

گزشتہ ماہ رمضان میں ایک مضمون عنوان بالا سے جناب مولوی حسن احمد صاحب کا شائع ہوا تھا جس میں ماہ رمضان اور اسکے روزوں کا تعلق بتایا گیا تھا اسی کو نظر رکھ کر ایم اسلم عمر صاحب نے بھی ایک مضمون لکھا ہے جس میں رمضان اور اس کے روزوں میں بے تعلقی دکھلائی ہے۔ مضمون اپنی دوسری خوبیوں کے لحاظ سے بھی مفید ہے اس لئے ہم اسے بخوشی شائع کرتے ہیں۔ ایڈیٹر

لفظ رمضان سے روزوں کا تعلق کچھ نہیں ہے۔ مہینوں کے عربی نام رکھتے وقت موسم کے لحاظ سے ایک کا نام رمضان بھی رکھا گیا۔ غار حرا میں رسالت مآب پر کلام الٰہی کا نزول جب شروع ہوا تو وہ زمانہ آخر ماہ رمضان کا تھا۔ روزے اس وقت تک فرض نہیں ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو جب یہ عبادت اپنے مسلم بندوں پر فرض کرنا منظور ہوئی تو اس نے اس کے لئے رمضان مبارک کے دن پسند فرمائے یقیناً اس لئے کہ اسکو ایک امتیازی عظمت اسی کی مرضی سے حاصل ہو چکی تھی۔ "انزل فیہ القرآن" روزہ کی فرضیت ۲ھ میں نازل ہوئی جب کہ دلوں میں توحید پوری طرح راسخ ہو چکی تھی، نماز کی عادت پڑ گئی تھی، قرآن اور احکام قرآن سے انس پیدا ہو گیا تھا اور مسلمان راہ خدا میں بھوک پیاس کی تکلیف کے لئے تیار ہو چکے تھے۔ یاایھا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم .... فمن کان منکم مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر و علی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین.... .... شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن. ھدی للناس و بینات من الھدی والفرقان، فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ، ومن کان مریضاً .... یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر۔ بخاری میں ایک روایت ابن عمرؓ سے فدیہ والی آیۃ کے منسوخ ہونے کی ہے اور دوسری ابن عباسؓ سے اس کے منسوخ نہ ہونے بلکہ بہت بوڑھے لوگوں کے متعلق ہونے کی ہے۔

اختلاف کی اصل وجہ صرف یہ ہے کہ جو بزرگ اس آیۃ کو دوسری کے ساتھ تطبیق نہیں دے سکے انہوں نے اسے منسوخ سمجھا اور جنکے نزدیک تطبیق ہو گئی انھوں نے غیر منسوخ سمجھا۔ دراصل قرآن مجید میں کوئی آیۃ منسوخ نہیں۔ صاحب قرآنؐ نے کسی ایک آیۃ کی بابت بھی ایسا نہیں فرمایا۔ پس جس نے قرآن کی آیات بتائی اور لکھوائی تھیں جب اس نے کسی آیۃ کی تنسیخ نہیں فرمائی تو کوئی آیۃ منسوخ نہیں ہو سکتی۔ یہ لوگوں کی اپنی رائیں ہیں اور اسکی وجہ وہی ہے جو اوپر لکھی گئی۔ منسوخ کہی جانیوالی آیات میں پانچسو پانچ تک فرق و اختلاف ہے علامہ سیوطی اکیس کو منسوخ کہتے ہیں علامہ ولی اللہ صرف پانچ کو۔ پس جب کئی سو سے اکیس اور اکیس سے پانچ ہو سکتی ہیں تو پانچ سے ایک بھی نہ رہنا زیادہ آسان و صحیح ہو سکتا ہے۔

یطیقونہ کی ضمیر کا اسی طرف جانا زیادہ صحیح ہے جسکا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ طاقت اس مقدار کا نام ہے جس میں سخت مشقت کی ضرورت ہو۔ لہذا الذین یطیقونہ کے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ سخت مشقت سے روزہ رکھ سکتے ہوں۔ اس کی دوسری قرأتیں بھی اسی معنی کی تائید کرنیوالی ہیں پس صاف اور واضح منشاء الفاظ قرآنی کا یہ ہے کہ بیمار و مسافر بعد کو روزے رکھ لیا کریں لیکن جن لوگوں کو اس میں بھی مشقت پڑے وہ فدیہ دیدیا کریں۔ اسی لئے حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتیں بھی اس حکم میں رکھی گئی ہیں۔ جیسا کہ امام احمد اور اصحاب السنن نے روایت کیا ہے۔ نیز اسی جماعت میں کمزور بوڑھے، اور سدا بیمار بھی داخل ہیں۔ ہمیشہ سفر کی زحمت میں رہنے والے اور وہ مزدور جنکا پیشہ سخت محنت کا ہے بلاشبہ اسی گروہ میں داخل ہونگے۔ آیۃ مقدس کا مفہوم اسکا متحمل ہے۔ تاوقتیکہ وہ ماہ صیام بھر اپنے کام کو بسہولت ترک نہ کر سکتے ہوں۔ پس رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت دو قسم کے لوگوں کو ہے ایک معمولی مریض و مسافر جو بعد کو قضا کریں گے دوسرے وہ جنکے لئے روزہ دشوار ہے اور اس لئے وہ فدیہ دیں گے۔

سفر میں بزمانۂ رسالت یہ معمول تھا کہ جسکا دل چاہتا روزہ رکھتا جو نہ چاہتا نہ رکھتا چنانچہ جماعت میں دونوں قسم کے لوگ رہا کرتے تھے اور کوئی

جامعہ میں قومی ہفتہ کا آخری دن

سچی خدمت اور مساوات کی عملی مثال

جامعہ میں ۶ اپریل سے لیکر ۱۳ اپریل تک "قومی ہفتہ" ایک خاص نوعیت سے منایا جاتا ہے۔ اب تک یہ ہوتا رہا ہے کہ ہفتہ کے آخری دن یعنی ۱۳ اپریل کو چھٹی ہوتی تھی اور تمام طلبا اور اساتذہ ملکر اس دن چھوٹے بڑے جتنے کام ہوتے تھے، وہ سب خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔ بھنگی، بہشتی، باورچی اور تمام دوسرے ملازمین کو بالکل چھٹی رہا کرتی تھی دوپہر تک یہ سب کچھ کرکے فارغ ہونے کے بعد کھانا ہوتا تھا جس میں وہ تمام ملازمین بھی نہا دھو کر ساتھ کھانے میں شریک ہوتے تھے اور اس طرح اہل جامعہ آپس کی حقیقی مساوات اور سچی محبت کا ایک عملی ثبوت پیش کرتے تھے۔ شام کو ایک جلسہ ہوتا تھا جس میں اس ہفتہ کے واقعات اور ان کی اہمیت کو جتایا جاتا تھا۔

لیکن اس سال تھوڑی سی ترمیم ہوئی ہے اور ایک قدم آگے بڑھایا گیا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ ایسا کرنے کے لئے صرف ایک دن کافی نہیں ہے بلکہ ممکن ہوسکے تو اس کا سلسلہ پورے سال بھر جاری رکھنا چاہئے۔ چنانچہ اس غرض کے لئے جامعہ والوں نے دو کام اپنے ذمہ لئے ہیں، ایک تو پورے قرولباغ میں صفائی وصحت کا انتظام، دوسرے بیکار لوگوں کو تھوڑا بہت کام بہم پہونچانا۔

طلبہ کی محنت اور جانفشانی

بہ حال ۱۳ اپریل کو تمام دارالاقاموں میں صبح ہی سے لڑکوں نے تمام کاموں کی تیاریاں شروع کردیں۔ ان سب میں سب سے اہم کام صفائی کا تھا۔ ہر ہر دارالاقامہ میں ہر ہر کام کے لئے مختلف ٹولیاں بنگئیں۔ ایک نے نالیوں اور پاخانے کی صفائی کا کام اپنے ذمہ لیا، ایک نے کمروں میں جھاڑو دینے کا، ایک نے کواڑوں اور شیشوں کے صاف کرنے کا، ایک نے دارالاقاموں کے باہر نالیوں اور راستوں کی درستی کا۔ غرض اس طرح کوئی ۲ بجے تک ہر ایک دارالاقامہ اور مرکزی کوٹھیاں آئینہ کی طرح چمکنے لگ گئیں۔ لڑکے تھک کر اگرچہ چور چور ہوگئے تھے لیکن فوراً ہی نہا دھوکر گلشن منزل میں جمع ہوئے، جہاں دن کا کھانا ایک ساتھ ہونے کو تھا۔ اس کھانے کی خاص خصوصیت یہ تھی کہ اس کی تیاری میں بھی طلبہ کا بہت حصہ شامل تھا اور سب سے بڑی بات یہ کہ کھانے میں تمام ملازمین بھنگی، بہشتی، خدمتگار اور چپراسی سب شامل تھے۔ نیز اساتذہ بھی مدعو تھے۔ اور ایک نووارد کے لئے یہ دیکھکر سخت تعجب ہوگا کہ اساتذہ کی صف میں یا کہیں طلبہ کی صف میں ملازمین اور خدمتگار بھی نظر آتے ہیں۔ اسکا مقصد صرف یہ ہے کہ کم از کم ایک دن توہم اور وہ دونوں یہ محسوس کرسکیں بحیثیت انسان ہم سب برابر ہیں اور جامعہ کی اس چھوٹی سی برادری میں اونچ نیچ اور ادنیٰ و اعلیٰ کا کوئی پیدائشی فرق نہیں۔

کھانے کے بعد جلسہ ہونے کو تھا، لیکن اس میں تاخیر ہو جانے کی وجہ سے جلسہ شام کے لئے ملتوی کردیا گیا۔ چنانچہ بعد مغرب جناب شیخ الجامعہ کی صدارت میں ایک جلسہ منعقد ہوا جسمیں دو ایک پردرد نظمیں پڑھے جانے کے بعد چند تقریریں ہوئیں۔ ان تقریروں میں شفیق الرحمن صاحب قدوائی کی تقریر قابل ذکر ہے جس میں آپ نے جامعہ سے علیحدہ ہونے اور تحریک ستیاگرہ میں شریک ہونے کا اعلان کیا، اسکے بعد مولوی سعد انصاری صاحب نے تقریر کی جس میں آپ نے اپنی بعض مجبوریوں کا ذکر کرکے یہ ارادہ ظاہر فرمایا کہ اگر جناب شیخ الجامعہ نے اجازت دی تو میں بھی اپنے اس فرض کی ادائگی میں پیچھے نہ رہوں گا۔ عبدالکریم خانصاحب نائب صدر انجمن اتحاد نے قرآن کی آیت لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ الخ پڑھکر کام کی اسپرٹ پر زور دیا۔ اس کے بعد سب سے اخیر میں جناب صدر نے اس قومی ہفتہ کی اہمیت بتلاتے ہوئے بعض تقریروں پر اپنے قیمتی خیالات کا اظہار فرمایا جو تقریباً آپ ہی کے لفاظ میں ذیل میں درج کیجاتی ہے:۔

جناب شیخ الجامعہ کی تقریر

"میں آج آپ لوگوں کے سامنے کوئی بڑی تقریر کرنا نہیں چاہتا۔ آپ سب جانتے ہیں کہ یہ ہفتہ جسکی یاد سارے ہندوستان میں منائی جاتی ہے اس کوشش کے آغاز کی یادگار ہے جو ہندو مسلمانوں اور سب ہندوستانیوں نے ملکر اپنے ملک کی

آزادی کے لئے آج سے دس سال پہلے شروع کی تھی اور جسکی اول منزل یہ تھی کہ ان سب کا خون بلا اتیاز مذہب ملک جلیانوالہ باغ میں بہا تھا۔ ہم اس تاریخی واقعہ کی یاد کو تازہ رکھتے ہیں لیکن اس کی یاد مختلف طریقوں سے تازہ رکھی جاسکتی ہے۔ اسطرح بھی یہ واقعہ یاد رہ سکتا ہے کہ ہم اپنے دلوں میں انگریزی قوم کی طرف سے نفرت و انتقام کے جذبات کی پرورش کریں اور ان ہی جذبات کو دوسری نسلوں تک منتقل کریں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ طریقہ ہم سب کے لئے بہت مضر ہے۔ نفرت کی زمین میں نیکی کا پودا کمھلا جاتا ہے اور غصہ اور انتقام کی ہوا خدمت کے پودوں کو مرجھا دیتی ہے۔ نفرت تخریب ہے، محبت تعمیر۔ اسلئے جامعہ جو تعمیری کام کو اپنی امتیازی خصوصیت بنانا چاہتی ہے نفرت کی پرورش نہیں کرسکتی۔

"اس ہفتہ کی یاد اس طرح بھی منائی جاسکتی اور بڑے وسیع پیمانہ پر منائی جاتی بھی ہے کہ نوجوانوں کے سامنے ملک کی حالت بیان کرکے ان میں محکومیت کی ذلت کا احساس پیدا کیا جائے اور اس سے نجات پانے کے لئے سعی و کوشش پر ابھارا جائے۔ یہ کام تقریروں اور تحریروں سے لیا جاتا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے لئے یہ بھی کافی نہیں۔ ہم تقریروں سے جذبات کو برانگیختہ کرسکتے ہیں، وقتی نتائج حاصل کرسکتے ہیں، لیکن ہمارے لئے یہ کب کافی ہوگا کہ ہم ایک دفعہ جوش میں آکر اپنی آزادی تک حاصل کریں۔ آزادی کو حاصل کرنا مشکل ہے لیکن اسے قائم رکھنا مشکل تر۔ یہ بھی یاد رکھو کہ آزادی اس کو ملتی ہے اور اسی حد تک ملتی ہے جس حد تک کوئی شخص یا جماعت اسے قائم رکھنے کی اہل ہو۔ آزادی ایک مرتبہ حاصل نہیں ہوچکتی۔ یہ روز حاصل کرنے کی چیز ہے۔ اور اس کے لئے وقتی جوش یا جذبہ کارگر نہیں ہوتا بلکہ مستقل عادتوں کی ضرورت ہے یعنی اچھی سیرت کی۔ اور اچھی عادتیں مشق سے پیدا ہوتی ہیں۔

سچی خدمت کیا ہے ؟

"میری آرزو ہے کہ اس قومی ہفتہ کی یاد تم اس طرح مناؤ کہ اپنے اندر اپنی قوم اور اپنے ملک کی سچی خدمت کے جذبہ کو وقتی اور عارضی ابال میں ضائع نہ کرو بلکہ اسے ایک مستقل عادت کے طور پر اپنی سیرت میں محنت و مشقت سے اس طرح راسخ کرو کہ وہ تمہاری فطرت ثانیہ بن جائے۔ جس ملک میں ہزاروں نہیں لاکھوں، لاکھوں نہیں کروروں انسان وباؤں میں مچھر اور مکھی کی طرح مرجاتے ہیں اور کوئی نہیں جو انہیں صفائی اور حفظان صحت کے اصول سکھائے اور جس ملک میں کروروں انسان دنیا سے بلا ایک مرتبہ بھی پیٹ بھر کھانا کھائے چلے جاتے ہیں اور کوئی نہیں جو ان کے افلاس اور انکی جبری بیکاری میں ان کو سہارا دے وہاں سچی خدمت کے مواقع کی کیا کمی ہے ؟

"جامعہ میں ابتک جس طرح قومی ہفتہ منایا جاتا تھا اس میں اکی خواہش پیش پیش تھی کہ سب کام کرنے والوں کو مساوات کا سبق دیا جائے لیکن سال میں ایک مرتبہ ایسا کرلینے سے ہم بس اپنے نفس کو دھوکہ دیتے تھے۔ اسلئے مجھے بڑی خوشی ہوئی جب طلبہ کے نمائندہ عبدالکریم خاں صاحب نے مجھے اس طرف توجہ دلائی کہ ایسا کرنا بیکار ہے اور دکھاوا۔ میں نے اپنی غلطی کو تسلیم کیا اور بعض اساتذہ کے مشورہ سے اس سال کے لئے میں نے یہ تجویز کیا کہ ہم آج سے قرولباغ کے لئے دو کام شروع کریں۔ قرولباغ میں صفائی اور اس کے باشندوں کو اصول صحت سے آگاہ کرنا، اور یہاں کے مفلس اور نادار لوگوں کے لئے بیکاری میں کام فراہم کرنا۔

"یہ کام آپ نے آج شروع کئے ہیں اور صبح سے جس طرح آپ نے ان میں انہماک کا ثبوت دیا ہے اس پر میں آپ سب کو مبارکباد دیتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ پورے سال بھر ان کاموں کو جاری رکھیں گے۔ اساتذہ اور طلبہ میں سے جو لوگ اس میں شرکت کرنا چاہیں وہ براہ کرم مجھے ایک ہفتہ کے اندر اندر مطلع کردیں کہ وہ ان کاموں کے لئے مہینہ میں کتنے گھنٹے وقف کرسکیں گے۔

جامعہ کا نصب العین

"اس کے بعد میں شفیق صاحب کی تقریر کے متعلق چند جملے کہنا چاہتا ہوں۔ شفیق صاحب نے ابھی ابھی جو اعلان کیا کہ وہ جامعہ سے الگ ہوکر سیاسی کام میں وقت صرف کریں گے، وہ تھوڑا سا قبل از وقت ہے۔ اسلئے کہ جامعہ نے ابھی انہیں الگ ہونے کی اجازت نہیں دی ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ اجازت ملجائیگی اور شفیق صاحب جس کام کو اپنا فرض سمجھکر کرنا چاہتے ہیں اسے ضرور کرسکیں گے۔ اس بارہ میں میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور اسوقت پھر بوضاحت کہتا ہوں کہ

جامعہ تعلیم گاہ ہے اور تعلیم گاہ ہی رہے گی۔

اس نے اپنے ذمہ جو تعمیری کام لیا ہے اس کو یکسوئی اور انہماک سے انجام دینا ہمارا فرض ہے۔ اور یہ فرض ادا کیا جائے گا۔ لیکن جامعہ کے جو لوگ اپنے عقیدہ اور یقین کی بنا پر یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں اس سیاسی جنگ میں جو آج ملک میں برپا ہے، حصہ لینا چاہیے، وہ جامعہ سے الگ ہوکر اس میں حصہ لے سکتے ہیں۔ بلکہ

خود شفیق صاحب نے اس دیانت کی وجہ سے جو انکی خصوصیت ہے یہی راہ تجویز کی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ وہ جامعہ کے تعلیمی کام اور ملک کے سیاسی کام کو ساتھ ساتھ ایک وقت میں انجام نہیں دے سکتے۔ اس لئے انہوں نے جامعہ سے الگ ہو کر اس کام کو کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ مجھے یقین ہے اور ہر شخص جو شفیق صاحب کو جانتا ہے اسے یقین ہوگا کہ شفیق صاحب جو کچھ کرینگے سچائی، خلوص نیک نیتی کے ساتھ کرینگے اور اپنے عمل سے اپنی مادر علمی کے نام اور اسکی شہرت کو چار چاند لگائیں گے۔ مجھے جامعہ کے سب طلبہ سے یہی توقع ہے کہ وہ زندگی کے کسی شعبہ میں ہوں یا سیاست کی کسی ٹولی سے انکا تعلق ہو وہ اپنی قوم اور ملت کے مفاد کو اپنی شخصی شہرت اور منفعت پر ترجیح دینگے اور جامعہ کی تعلیم کا اچھا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کریں گے۔ اگر جامعہ کا کوئی طالب علم کل راونڈ ٹیبل کانفرنس میں حکومت سے سمجھوتہ کی گفتگو کرنے جائے تو اس پر اسکی نیت کی پاکی، اس کی بے نفسی اور خلوص پر سب کو ایسا ہی اعتماد ہو جتنا شفیق صاحب کے ایثار اور خود فراموشانہ جذبۂ قربانی پر ہے۔ میں آخر میں شفیق صاحب کو مبارکباد دیتا ہوں کہ وہ اپنے یقین اور عقیدہ کا احترام عمل سے کرتے ہیں اور اسمیں اپنے آرام و آسایش تک کا خیال نہیں کرتے۔ خدا انہیں انکے مقاصد میں کامیاب کرے۔"

اس کے بعد جلسہ ختم ہوا اور لوگ اپنے اپنے دار الاقاموں کو چلے گئے۔

بقیہ مضمون صفحہ (۱۰)

پر لکھا ہوا تھا۔

"انگلینڈ اُمید کرتا ہے کہ ہر شخص اپنی ذمہ داری کو پورا کرے گا" اس طرح اس نے اپنے ساتھیوں میں ہمت اور جوش و خروش پیدا کر دیا۔ مقابلہ بہت زبردست ہوا نپلین نے پوری طاقت صرف کردی۔ اثنائے جنگ میں بدقسمتی سے ایک گولی اس کے آ کر لگی اور وہ خطرناک طریقہ پر زخمی ہو گیا لیکن اس کی روح نے ۱۸۰۵ء میں قفس عنصری سے اسی وقت پرواز کیا جبکہ اس نے اپنی فوج کو کامیاب دیکھ لیا اس کے آخری الفاظ یہ تھے۔

"خدا کا شکر ہے کہ میں نے اپنا فرض پورا کیا"

محمد عمر صاحب متعلم ثانوی سوم (جامعہ)

بقیہ مضمون صفحہ (۶)

کسی پر معترض نہیں ہوتا تھا۔ لیکن دشمن کے مقابلہ پر یعنی جنگ کی حالت میں روزہ نہ رکھنے کا حتمی حکم دیدیتے تھے۔ جسکی خوبی و ضرورت ظاہر ہے۔

شہر رمضان والی آیت میں اس کے دوہرائے نہ جانے سے اس کو منسوخ سمجھنا صحیح استدلال نہیں۔ یہ محض ایک رخصت ہے۔ اس کو دوبارہ بیان کئے جانیکی بالکل ضرورت نہ تھی۔ فمن شهد منكم الشهر فليصمه ان الفاظ کی رو سے وہ مقامات خارج ہو جاتے ہیں جہاں بہت لمبے دنوں کی وجہ سے بارہ مہینوں کی تقسیم نہیں ہوتی نہ ہلال کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ نیز اسی آیت سے ہمیں بتایا جاتا ہے کہ ہم ماہ رمضان کے روزے رکھیں۔ بیمار وغیرہ کے بعد کو گنتی پوری کرنیکا حکم اس لئے دوہرا دیا گیا ہے کہ رمضان کی خاص برکات کے ذکر کی وجہ سے لوگ شدید تکلیف اُٹھاتے ہوئے روزہ رکھنا اچھا سمجھ لیں۔ اگلی آیت يريد بكم الله ...... سے اللہ تعالیٰ اپنے اس منشار کو واضح کر دیتا ہے۔ مریضوں وغیرہ کے لئے اس رخصت سے فائدہ اُٹھانا ضروری ہے۔ روزہ سے مقصود صحت جسمانی کی بھی بڑی درستی ہے۔ پس جہاں نتیجہ اس کے برعکس ہونیکا احتمال ہو، اس شخص کے لئے روزہ پر اصرار کرنے میں کوئی خوبی و ثواب نہیں۔ عقل اور ہمارا عقل والا مذہب دونوں ایسے شخص کو قضائے صیام کی رخصت بلکہ حکم دیتے ہیں۔

(ماخوذ از بیان القرآن و ترجمہ زاد المعاد)

تصحیح

پیام تعلیم مورخہ ۸ مارچ ۱۹۳۰ء میں ایک مضمون "بحری تار برقی" کے عنوان سے شائع ہوا تھا اسکے مضمون نگار صاحب کا نام غلطی سے "عبد اللطیف دادا بھائی" چھپ گیا ہے۔ پورا اور صحیح نام "داؤد عبد اللطیف دادا بھائی" ہے۔ ناظرین تصحیح فرمالیں۔

(اڈیٹر)

تاریخ

نیلسن

نیلسن انگریزی تاریخ کی ایک بہت نمایاں شخصیت ہے، جسنے اپنے ملک و قوم کی خاطر ایسے کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں کہ انگریزی قوم کو اس پر بجا طور پر فخر و ناز ہو سکتا ہے وہ سنہ ۱۷۵۸ء میں پیدا ہوا اس وقت انگلستان کے سب سے طاقتور بادشاہ چارلس دوم کے انتقال کو ۷۰ سال گذر چکے تھے۔ انگریزی قوم کو اس وقت بہت سی مشکلات اور پریشانیوں کا سامنا تھا سب سے بڑی پریشانی فرانس کی دشمنی تھی وہ انگریزوں کا ہمیشہ سے مقابل کا دشمن تھا اس زمانہ میں انگلستان اور فرانس کی کامیابی کا دار و مدار بحری بیڑے پر تھا۔ اس لئے انگلستان خصوصاً اپنے بحری بیڑہ کو مضبوط تر بنانے کی فکر میں تھا۔ ملک کو ایسے جہاز رانوں کی اشد ضرورت تھی جو کامیابی کے ساتھ دشمن کی مدافعت کر سکیں نیلسن نے اس ضرورت کو پورا کیا اور اس کامیابی، جوش اور شجاعت کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے کہ دشمن کے دانت کھٹے ہو گئے۔

نیلسن بچپن میں بہت کمزور اور نحیف تھا اسکی جسمانی ساخت کو دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ اتنا بڑا آدمی ہونیوالا ہے مگر اسکی طبیعت کی چند خصوصیتیں ابتدائے عمر ہی سے بہت نمایاں تھیں یعنی وہ بہت مستقل مزاج اور باہمت تھا۔ یہاں بچپن کا ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے جس سے اسکی ہمت اور بے خوفی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اسکی تربیت اسکی دادی کے ذمہ تھی جو نہایت محبت و شفقت کے ساتھ اسکی پرداخت کرتی تھی ایک مرتبہ وہ تنہا مکان سے نکل گیا اور دیر تک واپس نہ آیا اسکی دادی کو اس سے پریشانی ہوئی اور ایک ملازم اسکی تلاش میں بھیجا۔ جب نوکر اسے تلاش کر کے گھر لے آیا تو دادی نے اس سے دریافت کیا کہ تم کہاں چلے گئے تھے۔ لیکن اس نے کچھ جواب دینے کے بجائے سر جھکا لیا۔ دادی نے دوبارہ پوچھا "کیا میاں تم کہیں ڈر گئے تھے جو گھر تک آنیکی ہمت نہ ہوئی" نیلسن نے بیساختگی اور تعجب کے ساتھ جواب دیا "ڈر! ڈر میں نے کبھی نہیں دیکھا یہ کیا چیز ہوتی ہے"؟ اس نے بالکل سچ کہا تھا کیونکہ اس 'چیز' سے اسے اپنی زندگی میں کبھی سابقہ نہیں پڑا تھا۔

بارہ سال کی عمر میں وہ اپنی دادی کی اجازت سے ایک جہاز پر ملازم ہو گیا تھوڑے ہی دنوں میں وہ ایک ہوشیار ملاح ہو گیا حتی کہ رفتہ رفتہ ترقی کرتے کرتے وہ ایک دن بحری بیڑہ کا کپتان بنا دیا گیا۔ اسے فرانسیسیوں کے مقابلہ میں متعدد بار جنگ کرنی پڑی اور ہر دفعہ اسے شاندار کامیابی ہوئی انہیں لڑائیوں میں اسکی ایک آنکھ اور ایک ہاتھ بھی ضائع ہو گیا لیکن ان جسمانی نقصانات کی وجہ سے اس کے عزم و استقلال میں ہرگز فرق نہ آیا بلکہ اس نے اس وقت جا کر دم لیا جب دشمن کو شکست ہو گئی۔

فرانسیسیوں کے علاوہ ایک دفعہ اسے اہل ڈنمارک کا مقابلہ بھی کرنا پڑا اس وقت بھی وہ ایک بیڑہ کا کپتان تھا۔ اس وقت موقعہ کچھ ایسا آن پڑا تھا کہ انگریزی امیر البحر دشمن کا مقابلہ کرنا ہلاکت کے مترادف سمجھتا تھا چنانچہ اس نے فوراً نیلسن اور دوسرے سرداروں کے پاس جا کر لڑائی بند کرنیکا حکم دیدیا لیکن نیلسن نے اس حکم کا کچھ خیال نہ کیا اسکے دوسرے ساتھیوں نے بھی اسے روکا مگر وہ پھر بھی نہ رکا اس لئے کہ اس نے اپنے دشمن کی طاقت کا اندازہ اچھی طرح کر لیا تھا۔ اس نے کہا میں اسی وقت لڑائی بند کرونگا جبکہ اپنے ملک و قوم کے جھنڈے کو یہاں لہراتا دیکھ لونگا۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں اس نے میدان سر کر لیا۔ اور اہل ڈنمارک کو زبردست شکست ہوئی۔ انگلستان کا بادشاہ نیلسن کے اس کارنامہ سے بہت خوش ہوا اور اسے لارڈ کا خطاب دیا گیا۔

اسکی زندگی کا آخری کارنامہ جس میں اس نے اپنی جان تک ملک و قوم پر نثار کر دی زریں حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔

فرانس اور اسپین دونوں نے مل کر انگلستان پر حملہ کیا تھا۔ یہ انگلستان کے لئے بہت نازک موقع تھا۔ نیلسن مقابلہ کے لئے بھیجا گیا۔ اس نے جب اپنی اور دشمن کی فوج کا بغور موازنہ کیا تو اسے اچھی طرح اندازہ ہو گیا کہ اس مرتبہ دشمن بہت قوی ہے لیکن وہ یہ بھی خوب سمجھتا تھا کہ دشمنوں کو پیٹھ دکھانے اور بے غیرتی کی زندگی گزارنے سے بہتر ہے کہ میدان جنگ میں جان دیدی جائے اسنے اپنے جہازوں پر بہت سے جھنڈے نصب کرائے ان جھنڈوں

قصے کہانیاں

بگڑے نواب

لکھنؤ شہر میں ایک محلہ تھا، نواب گنج۔ وہاں رہتے تھے ایک نواب۔ لوگ اُنھیں نواب منّو، نواب منّو پکارا کرتے تھے۔ تھے تو خاندانی امیر لیکن اب ان کے پاس ایک حبہ بھی نہ تھا۔ بڑے بوڑھوں نے، خدا جنت نصیب کرے، جو کچھ کمایا، افیم گانجے کے بھینٹ چڑھا دیا تھا اب یہ نواب تو تھے لیکن نام کی۔ پھر بھی کچھ کچھ کھرچن اتنی تھی کہ نواب منّو کی دو پشتیں رکھ رکھاؤ کے ساتھ کھا پی سکتی تھیں مگر تھیں تو نصیب میں ٹھوکریں، ایسا ہوتا ہی کیوں؟

بُری صحبت نے نواب منّو کے خیالات اس قدر بدل دئے تھے کہ جو کام ان کے باپ دادا نے کبھی نہیں کئے انھوں نے کر دکھائے ہوٹلوں کی بیٹھک، یار دوستوں سے اِدھر اُدھر کی گپ شپ، اس پر سنیما کے شوق کی انتہا کیا تھی؟ کچھ نہ پوچھو آخر جوئے کے ہاتھوں تو یہ تباہ ہی ہوئے۔

ان کے مرحوم باپ، اللہ بخشے، نواب ابّو نے مرتے وقت دس ہزار روپیہ نقد چھوڑا تھا اور کوئی بیس پچیس ہزار کی جائداد بھی ہوگی۔

نواب منّو نے سب سے پہلے نقدی ہی پر ہاتھ پھیرا۔ اور دیکھتے دیکھتے چند ہی روز میں یہ روپیہ اُڑا دیا۔ دس ہزار ختم کرکے ڈکار بھی نہ لی۔

ایسوں کی تاک میں بنئے تو لگے ہی رہتے ہیں اُسی محلہ کا بنیا روپیہ مل نامی حضور میں آ ہی تو پہنچا نواب منّو کو کہیں دیکھتا تو جھک جھک کر پانچ پانچ تسلیمیں بجا لاتا۔ دیوالی کا تہوار آیا تو اس نے نواب منّو کو خاص طور پہ دعوت دی۔ اُنہیں پھولوں کے ہار پہنائے یوں ہی سیٹھ جی نے اور زیادہ راہ رسم بڑھائی نواب منّو کے دوستوں کی خاطر و مدارات میں بھی کوئی کمی نہ کی۔ آخر سیٹھ جی نواب صاحب کے گویا ندیم جی ہوگئے۔

نواب منّو کے پاس جب دس ہزار میں سے پیسہ بھی باقی نہ رہا تو ایکدن گجردم سیٹھ جی ہانپتے کانپتے ہاتھ جوڑے نواب منّو کے سامنے ذرا ادب سے دوزانو بیٹھے ہوئے دکھائی دیے اور ہم نے یہ کہتے سُنا۔

"خباب نواب منّو صاحب صرف پچاس۔ پچاس کی جرورت (ضرورت) ہے آپ پرسے تو پچاس ہجار بھی کربان ابھی لیجئے۔ جحور (حضور) اسے لیجئے۔" یہ کہہ کر روپیہ مل نے جیب میں سے پچاس روپیہ کا نوٹ نکالکر سامنے رکھدیا۔

نواب صاحب فرمانے لگے" روپیہ مل بالفعل پچاس ہی کی ضرورت ہے باقی آیندہ دیکھا جائیگا"

روپیہ مل:- میں ہر وکھت (وقت) حاجر (حاضر) ہوں جب جررت (ضرورت) ہو جحور (حضور) منگالیں۔

نواب منّو:- اچھا تمہارا حساب ہر فصل پر ہو جایا کریگا اس زمانہ میں ہمیں جتنی ضرورت ہو دیدیا کرنا، بھلا؟ روپیہ سود بیاج بھی ایک ہی دم میں ادا کردیا جائیگا۔

روپیہ مل:- جحور کھوس (خوش) رہیں۔ جحور ہی کے جیر زیرسایہ پرورس (پرورش) ہوتی ہے۔

نواب منّو:- اچھا اب جاؤ مجھے باہر جانا ہے۔

روپیہ مل جحور جحور کرتا ہوا باہر چلا گیا۔

اب پانچ فصلیں ہو چکیں۔ نواب منّو کے اشغال کا خاتمہ ہونے کو آیا۔ کچھ دنوں خوب گلچھرے اُڑائے۔ روپیہ مل نے بھی جب تک مناسب سمجھا ڈھیل دی۔ آخر سود بیاج لگا کر سوا پچیس ہزار کا بل نواب منّو کے پاس بھیجدیا۔ لیکن نواب صاحب نے کوئی توجہ نہیں کی۔ مقدمہ کا سمن آیا تو اُدھنہ کرکے ٹالدیا۔

بالآخر کم طاقت ہوگئے ... جب نواب صاحب کے ہاتھ ... تو ان کے تلے سے زمین نکل گئی۔ اور لگے افسوس کرنے مگر اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں

یہ بھی گیا اور وہ بھی گیا

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک برہمن کاشی[1] جاترا کے لئے جانے لگا۔ اس کے پاس ایک ہزار روپیہ کا مال تھا۔ اسکو حفاظت سے رکھنے کی غرض سے وہ قریب ہی ایک بیراگی[2] کے مٹھ[3] میں گیا۔ اس نے سمجھا کہ مٹھ میں رہنے والے کے پاس اگر مال رکھا جائے تو وہ اس میں خیانت نہ کریگا۔ اس خیال سے اس نے بیراگی سے اسکا ذکر کیا بیراگی کہنے لگا "ہم دنیا سے بے تعلق! ہم کو تمہارا مال رکھ کر کیا کرنا ہے۔ کون اس جھگڑے میں پڑیگا۔ تم کسی اور کے پاس یہ مال رکھو" بیراگی کی ایمان داری دیکھکر برہمن نے بہت ہی اصرار کیا۔ بیراگی نے کہا کہ "اگر تمہارا اصرار ہے تو اچھا اُس کونے میں اپنا مال گاڑ دو" اس کے کہنے کے مطابق برہمن نے گڈھا کھود کر اپنا مال اس میں رکھدیا۔ اور بعد میں وہ کاشی جاترا کے لئے چلا گیا۔ چھ مہینے کے بعد جاترا سے جب وہ واپس آیا۔ اور بیراگی سے اپنے مال کا طالب ہوا تو بیراگی نے کہا "ہم کو کیا خبر؟ ہم نے اس کو چھوا تک نہیں۔ جہاں رکھا تھا وہاں دیکھ لو" برہمن نے کھود کر وہاں دیکھا تو کچھ نہ پایا۔ بے چارہ دم بخود رہ گیا۔ اب شکایت کس کے پاس لیجائے۔ زندگی بھر کی پونجی نادانی سے کھو بیٹھا۔ اس کے پڑوس میں ایک بہت ہی چالاک عورت رہتی تھی۔ اسکو یہ سارا قصہ سُنا کر برہمن بے چارہ رونے لگا۔ وہ عورت بیراگی کے چال چلن سے خوب واقف تھی۔ کہنے لگی "کچھ فکر مت کرو میں تمکو تمہارا مال واپس دلا دونگی"۔

اس واقعہ کے آٹھ دس دن بعد ایک روز وہ عورت اپنے تمام زیورات پہن کر بیراگی کے پاس جانیکو روانہ ہوئی۔ جانے سے پہلے اس نے برہمن سے کہا "میرے جانے کے آدھ گھنٹے بعد تم مٹھ میں آنا اور میرے پاس آکر کھڑے ہو جانا" اور اپنے نوکر سے کہا "تم ایک گھنٹے کے بعد سامنے والے مٹھ میں آنا اور مجھ سے کہنا کہ تمہارا بھائی ابھی سفر سے آیا ہے۔ جلدی چلو" یہ کہہ کر وہ مٹھ میں گئی اور اس بیراگی سے کہا "باباجی میرا بھائی پردیس میں رہتا ہے اور اب سے کئی دن پہلے وہ آنیوالا تھا مگر اب تک نہیں آیا۔ مہربانی کرکے میرے تمام زیورات آپ اپنے پاس رکھ لیجئے۔ مجھ کو سوائے آپ کے کسی پر اعتماد نہیں" مکار سادھو نے مالا کے دانے ہلاتے ہوئے کہا "ہم کسی کے مال کو ہاتھ نہیں لگاتے"۔ مگر عورت کا جب بہت اصرار دیکھا تو باباجی ایک کونے کی طرف اشارہ کرکر کہنے لگے "اگر تم چاہتی ہو تو اس کونے میں اپنے زیور گاڑ دو" اتنے میں برہمن کی سواری بھی آ پہنچی ان کو دیکھتے ہی باباجی سمجھے کہ اگر اس نے اپنے مال کے متعلق کچھ کہا تو یہ عورت اپنا زیور میرے پاس نہیں رکھیگی اور یہ لاکھوں کا شکار ہاتھ سے جاتا رہیگا اس لئے وہ برہمن سے کہنے لگا "میاں برہمن کیا تم دیوانے ہوگئے ہو؟ اپنا مال رکھتے کہاں ہو اور ڈھونڈھتے کہاں ہو؟" اس جگہ کھود کر دیکھو نکلتا ہے یا نہیں؟ بتائے ہوئے مقام پر برہمن نے کھود کر دیکھا تو اپنا مال جوں کا توں پایا۔ ادھر اس عورت نے اپنے بدن پر سے آدھے زیور اُتارے ہی تھے کہ اتنے میں اُسکا نوکر آ پہنچا۔ اور کہا کہ "تمہارا بھائی ابھی گاڑی سے آیا ہے۔ جلدی چلو اب زیور رکھنے کی ضرورت نہیں" تب اس عورت نے اپنے تمام زیورات پھر پہن لئے۔ اور اسے بڑی خوشی ہوئی کہ اس کی یہ تدبیر کارگر ہوئی۔ اس بات پر وہ بے اختیار ہنس پڑی اور اس کے ساتھ برہمن بھی زور سے ہنس دیا۔ ان دونوں کو ہنستے دیکھ کر باباجی کا چیلہ بھی اچھل اچھل کر قہقہے مارنے لگا۔ تب باباجی نے غصہ سے اپنے چیلے سے کہا "عورت اس لئے خوش ہوئی کہ اسکا بھائی آیا۔ برہمن اس لئے خوش ہے کہ اس کا مال مل گیا۔ مگر تجھکو کیوں خوشی ہوئی" چیلے نے جواب دیا "مجھے اس لئے خوشی ہوئی کہ "یہ بھی گیا اور وہ بھی گیا"۔

(ترجمہ از مرہٹی زبان) میر اصغر علی، طالب علم جامعہ

---

[1] کاشی، بنارس کو کہتے ہیں اور جاترا کے معنی ہیں کسی مقدس مقام کی زیارت کے۔ بنارس چونکہ ہندوؤں کا مقدس مقام ہے اس لئے وہاں زیارت کیلئے جانے کو ہندو کاشی جاترا کہتے ہیں۔

[2] بیراگی ایک قسم کے سادھو ہوتے ہیں۔

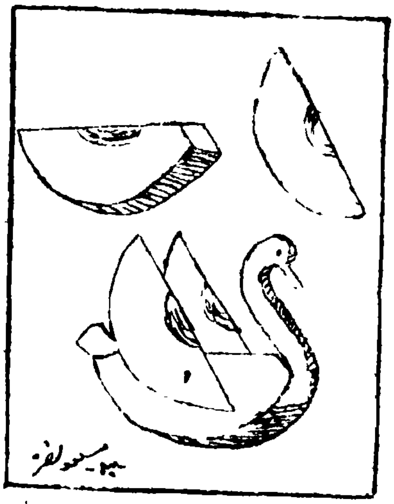
[3] مٹھ وہ جگہ جہاں سادھو رہتے ہیں۔

سیب کا سیب اور ہنس کا ہنس

انسان نے جو آج دنیا میں اتنی ترقی کی ہے یہ صرف اسکی سوچ بچار اور اسکے غور و فکر کا نتیجہ ہے مگر اس سے یہ نہ سمجھیے کہ وہ ایک دم ہی سے جہاز یا ریل بنانے لگا تھا۔ ہر کام رفتہ رفتہ ہوا کرتا ہے اسی طرح انسان بھی زینہ بزینہ اس چوٹی پر چڑھا یہاں تک کہ وہ آج ترقی کرکے بہت کافی درجے طے کر چکا ہے۔ اسی طرح ہم کو بھی چاہیئے کہ انھیں معمولی معمولی کاموں سے ترقی کریں اور اس حد تک پہنچیں اور انہیں کاموں سے ہماری ذہنی قوت بڑھیگی اور اکثر بیکار وقت جو ہم اپنا کھو دیتے ہیں کام میں لائیں۔

پیام بھائیو! اچھا دیکھو اب ہم ایک کھیل نیچے درج کرتے ہیں جس کے بنانیکی تم لوگ ضرور کوشش کرو۔

ہنس بنانا کچھ مشکل نہیں ہے صرف تھوڑی سی عقل سے کام لیا جائے تو بالکل صحیح ہنس بنجائیگا۔ اچھا ایک سیب لو اور ایک تیز چاقو۔ صرف ان دو چیزوں کی مدد سے تمہارا ہنس آسانی کے ساتھ بن سکتا ہے۔ سیب جو لو وہ نہ تو بہت سخت ہو اور نہ بہت زیادہ پکا ہوا۔ بلکہ درمیانی ہو۔ اس کو بیچ سے دو ٹکڑے کر لو۔ ایک کو تو رکھ دو اور پہلے ایک سے کام لو۔ سب سے پہلے ایک حصہ کے پھر دو ٹکڑے کرو۔ یہ تو ہنس کا جسم ہوگا، جیسا کہ تصویر سے ظاہر ہے۔



مگر اس کی گردن لگانے کے لئے جسم میں سے تھوڑا سا ٹکڑا کاٹ لو وہ دم ہو جائیگی۔ تم نے ابھی جو دو ٹکڑے لے لئے ہیں ان میں سے ایک تو جسم ہوا دوسرا جو بچا اس میں سے دو قاشیں پتلی پتلی اُتار لو۔ یہ اس کے بازو ہو گئے اب صرف گردن اور سر کی کسر رہ گئی ہے ابھی تک تم نے سارا کام ایک ہی ٹکڑے سے لیا ہے اور دوسرے ٹکڑے کو ہاتھ بھی نہیں لگایا ہے۔ گردن اور سر اس میں سے نکالو۔ مگر بہت صفائی کے ساتھ کیونکہ گردن کی خوبصورتی جاتی رہی تو ہنس نہیں معلوم ہوگا۔ اس لئے جس طرح اس کی گردن خم کھائی ہوئی ہوتی ہے اسی طرح اس میں سے گردن کاٹو۔ اب صرف ان سب کو لگانا باقی رہ گیا ہے۔ لگانے کے لئے دیا سلائی کی پتلی پتلی تیلیاں بنا لو اور انھی سے جسم کے جوڑوں کو ملاؤ۔ آنکھوں کی جگہ آر پار سوراخ کر دو۔ اب تمہارا ہنس پورا ہو گیا (مگر دیکھو کہیں اُڑ نہ جائے۔ اڈیٹر)

مسعود اختر طالب علم ثانوی اول (جامعہ)

حکمت کی باتیں

(۱) معدہ اور جج مانگتے ہیں تو بن بولے مانگتے ہیں۔
(۲) چیونٹیاں مل جائیں تو گھوڑے کو بھی مار ڈالتی ہے
(۳) بدنامی کوئلے کی طرح ہے۔ یا ہاتھوں کو جلا دیتی ہے اور یا گندا کر دیتی ہے۔
(۴) چور سے چوری کرنا تضیع اوقات ہے۔
(۵) خوبصورت پنجرے سے پرندے کی بھوک نہیں مرتی۔
(۶) کوئیں میں تھوکو نہیں۔ شاید کہ اس کا پانی پینا پڑے۔
(۷) گناہ کا کوئی آقا نہیں۔
(۸) قسمت والوں کے مرغے بھی انڈے دیتے ہیں۔

انعامی معمے

ذیل میں اپنی نوعیت کا ایک بالکل نیا معمّا دیا جاتا ہے جس پر ۸؍ کی قیمت کی کوئی کتاب انعام میں دیجائیگی۔ جواب یکم مئی ۱۹۳۰ء تک اڈیٹر پیام تعلیم کے نام پہنچ جانا چاہیئے۔ وہ معمّا یہ ہے، جو تین مصرعوں کی شکل میں ظاہر کیا گیا ہے۔

(۱) سر کاٹو تو ٹھنڈی روشنی ہوں اور ویسے جلتا رہتا ہوں۔
(۲) میں سیدھے ہوں نیکی اُسے پُرانے قصوں کا مجموعہ ہوں۔
(۳) میں اُلٹے سیدھے دونوں طرح سے "دکھ" کے معنی دیتا ہوں۔

دوسرا معمّا

میں ایک آٹھ حرفوں کا انسان ہوں جس کے

۱+۳+۴	=	یاد
۳+۲+۸	=	جسم کا ایک حصہ۔
۸+۲+۴	=	آگ
۷+۲+۴	=	دوست
۵+۴+۸	=	خوبصورتی

بتاؤ میرا نام کیا ہے؟

۱۔ اس معمہ کا حل ۷ر مئی ۱۹۳۰ء تک ذیل کے پتہ پر پہنچ جانا چاہیئے۔

ن۔م صاحب بتوسط اڈیٹر پیام تعلیم　قرولباغ۔ دہلی۔

۲۔ حل کے ہمراہ ۱ر کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔

۳۔ ایک سے زیادہ حل آنے پر انعامات قرعہ اندازی کے ذریعہ سے تقسیم ہونگے۔

۴۔ انعام اول:- پردۂ غفلت۔ انعام دوم:- اورنگ زیب عالمگیر۔

نوٹ:- ہر دو انعامات پیشگی وصول ہو گئے ہیں اور نتیجہ شائع ہونیکے ساتھ ہی مستحق انعام کو مل جائیں گے۔ (اڈیٹر)

ہر بچہ کے پاس ایک علیحدہ کتب خانہ ہونا چاہیئے

جس میں

"پیام تعلیم" یا کوئی دوسرا اخبار آتا ہو اور ہر مہینہ چند نئی کتابوں کا اضافہ ہوتا ہو

(۱) اس فہرست کی سب کتابوں کی قیمت تو ملتہ ہے جو ایک دم صرف خاص خاص بچے خرید سکیں گے لیکن عہ، عا ماہانہ کی کتابیں سب ہی خرید سکتے ہیں۔

(۲) اگر کوئی بچہ عہ سے بھی کم کی کتابیں لینا چاہتا ہو تو ایک کارڈ میں اپنی پسند کی کتابیں لکھ کر ہم سے دریافت کرلے کہ کتاب کی قیمت کے علاوہ ٹکٹ پر کتنے پیسے اور خرچ ہوں گے۔ ہم اسی دن اس کو جواب دیدیں گے۔

کہانیاں

	قیمت	
(۱) چڑیا چڑے کی کہانی	قیمت	۲ر
(۲) چوہے بلی نامہ	"	۲ر
(۳) کرمو دھرمو	"	۴ر
(۴) نقلی شہزادہ	"	۴ر
(۵) گدھے کی سرگزشت	"	۴ر
(۶) ترکوں کی کہانیاں	"	۴ر
(۷) نعیم پہپی	"	۳ر
(۸) زردار	"	۲ر
(۹) لنگڑا ماموں	"	۳ر
(۱۰) شہر شہری اور شہریت	"	۵ر
(۱۱) ملکشی	"	۲ر
(۱۲) حکایات شیریں حصہ اول	"	۴ر
(۱۳) " " " دوم	"	۶ر
(۱۴) " " " سوم	"	۶ر
(۱۵) " " " چہارم	"	۶ر
(۱۶) سولہ کہانیاں	"	۱۲ر

اسکاؤٹ کی تین ضروری چیزیں

(۱) فرسٹ ایڈ چارٹ - یہ دیوار پر لٹکانے والا نہایت عمدہ نقشہ ہے جس میں فرسٹ ایڈ کے متعلق مفصل معلومات ہے۔ قیمت ۱۲ر

(۲) ضروری معلومات - یہ اسکاؤٹنگ پر بڑی اچھی کتاب ہے۔ ہر اسکاؤٹ کے پاس رہنا ضروری ہے قیمت ۳ر

(۳) ٹنڈرفٹ فسٹ کارڈ - پہلے امتحان کی تمام باتیں کو ایک جگہ جمع کردیا ہے - چھوٹا سا کارڈ ہے جو ہر وقت جیب میں رکھا جاسکتا ہے - قیمت ۲ر

عربی سکھانیوالی کتابیں

عربی کی پہلی مصنفہ احمد شاہ صاحب قیمت	۳ر
" " دوسری " " " "	۴ر
" " تیسری " " " "	۵ر
عربی بول چال حصہ اول مصنفہ حافظ عبدالرحمن صاحب	۱۲ر
" " " دوم " " "	۱۲ر

نظمیں

	قیمت	
(۱) بچوں کے گیت	قیمت	۲ر
(۲) شہری گیت	"	۲ر
(۳) پھول باغ حصہ اول	"	۱۲ر
(۴) " " " دوم	"	۶ر
(۵) راکھ بیگم	"	۱ر
(۶) بیاض رنگین حضور	"	۵ر
(۷) مناجات ذکا	"	۱ر
(۸) رباعیات حالی	"	۳ر
(۹) حب وطن	"	۳ر
(۱۰) مناجات بیوہ	"	۴ر
(۱۱) چپ کی داد	"	۲ر
(۱۲) درس عمل	"	۴ر
(۱۳) مرزا پھویا	"	۱ر
(۱۴) بیاض گل	"	۸ر
(۱۵) آغوش مادر	"	۱۰ر
(۱۶) پہیلیاں	"	۱ر

ملنے کا پتہ:- مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ قرولباغ دہلی

طابع و ناشر:- ڈاکٹر سید عابد حسین پی۔ ایچ۔ ڈی مطبع:- جامعہ ملیہ اسلامیہ بارہ ٹوٹی صدر بازار دہلی کاتب:- عبدالملک متعلم جامعہ



پیامِ تعلیم
جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی
پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ
رجسٹرڈ ایل
۱۹۷۱

بیگم صاحبہ بھوپال

علیا حضرت [illegible] صاحبہ [illegible] بھوپال [illegible] ہندوستان کی [illegible] ملک میں [illegible] ہر شخص بلا قید مذہب و ملت [illegible] خلاق [illegible] اور ہمدردی حلائق کو یاد کر [illegible] بلاشبہ [illegible] عدیم المثال [illegible] اٹھہ گئی ہی کہ زمانہ بمشکل اوسکی نظیر پیدا [illegible] گا۔

[illegible] ایسی [illegible] انہوں نی مختصر سی وقفہ حیات میں جو کارنامی انجام دئی ہیں [illegible] مردوں [illegible] بلاشبہ [illegible] ہندوستان کا مورخ ان کارناموں کو [illegible] حروف میں [illegible] لکھی گا۔

[illegible] ریاست کی حالت [illegible] نہی حرابہ [illegible] اصلاحی امور میں [illegible] پر ہمت [illegible] حدو جہد کا نتیجہ تہا کہ تہوڑی ہی عرصہ میں تمام حالات [illegible] ریاست کا [illegible] علاقہ میں مرفہ الحالی [illegible] انتظامی امور ہی میں انہماک نہیں [illegible] ملک کی عام حالت پر [illegible] صحیح طور [illegible] ہندوستان کی مسلمان [illegible] خصوصاً عورتوں کی حالت [illegible] اصلاح [illegible] اصلاحی [illegible] سرچشمہ فیض سی سیراب ہوا [illegible] کی تعلیم کی لئی انہوں نی خود اپنی ریاست میں متعدد مدارس قائم [illegible] اصلاح کی سلسلہ میں [illegible] جدو جہد سی دریغ نہیں کیا۔ وہ خود علم کا [illegible] ہر موقع پر انہوں نی اسکا ثبوت دیا ہی [illegible] کی ساتھہ ساتھہ مذہبیت [illegible] ریاست کی آمدنی بہت [illegible] تہا لیکن انہوں نی اسکا کچھ خیال نہیں [illegible] ریاست کو [illegible] مولانا شبلی کی سیرۃ النبی کی تالیف [illegible] انہیں کی سرپرستی کی رہین [illegible] کا صحیح [illegible] جامعہ ملیہ سی حضرت علیا مرحومہ کو قلبی تعلق تہا اور آخر [illegible] افسوس تہا کہ جامعہ جیسا ضروری ادارہ مسلمانوں [illegible] یہی وجہ ہی کہ [illegible] ہمارے دلوں پر نقش ہی اور ان کی [illegible] اصلاحی کارناموں [illegible] جاوید بنا دیا ہی۔

آخر میں ہماری دعا ہی کہ خدا مرحومہ کو اعلی علیین میں جگہ دی اور اعلی حضرت ہز ہائینس نواب صاحب اور دوسری محترم [illegible] کو صبر کی توفیق عطا ہو۔



[illegible] FINE ART PRESS, DELHI

جلد ۹ فہرست مضامین نمبر ۱ و ۲

بچوں کے صفحے

فہرست تصاویر

اخبار

ہندوستان میں کیا ہو رہا ہے؟

مہاتما گاندھی جی نے جب سے نمک کا قانون توڑا ہے، اسوقت سے تمام ہندوستان میں یہ وبا عام ہوگئی ہے اور اب ہر ہر قصبہ، ہر ہر شہر اور ہر ہر جگہ پر جہاں اس کے بنانے کا امکان ہے نمک بننا شروع ہوگیا ہے حکومت نے جب یہ وبا اس طرح عام ہوتے دیکھی تو اس نے نہ تو یہ کیا کہ یکبارگی اس کے اصل بانی مبانی مہاتما گاندھی کو گرفتار کرلے اور نہ یہ کیا کہ ان سیکڑوں، ہزاروں رضاکاروں کو پکڑلے جو اس کام میں مصروف تھے، بلکہ اس نے ہر ہر جگہ کے ان سربرآوردہ کام کرنے والوں کو قید کرلیا جن کی نگرانی میں یہ کام ہو رہا تھا۔ مہاتما جی کو گرفتار کرنے میں تو اسے تامل اسلئے تھا کہ انگلستان کی حکومت ابھی ایسا کرنا نہیں چاہتی تھی اور نہ حکومت ہند اس کے لئے کچھ بہت زیادہ آمادہ تھی، علاوہ اس کے مہاتما گاندھی کی شہرت اور اہمیت خود اب اس درجہ کو پہنچ گئی تھی کہ اس کا اثر دنیا کے دوسرے ممالک پر پڑے بغیر نہ رہتا اور انگلستان کو ان کے سامنے اپنی نظریں نیچی کرنی پڑتیں۔

بہرحال اس نے سب سے پہلے یہی مناسب سمجھا کہ پہلے ہر ہر جگہ کے مقامی کارکنوں اور بااثر اشخاص کو گرفتار کرلیا جائے، اس سے ممکن ہی تحریک دبجائے اور پھر اس کے بعد مہاتما گاندھی کو آسانی کے ساتھ پکڑا جاسکے گا، اس لئے کہ پھر کوئی شور و شغب کرنیوالا نہ رہے گا۔ چنانچہ ہندوستان کے ہر ایک صوبہ میں جتنے کام کرنیوالے تھے، آج سب کے سب حکومت کے مہمان خانوں میں مقیم ہیں۔ بنگال میں وہاں کے سب سے بڑے لیڈر مسٹر جے ایم سین گپتا، سوبہاش چندر بوس اور دوسرے بہت سے لوگ گرفتار کرلئے گئے۔ بہار میں وہاں کے تمام مقامی کارکنوں کو گرفتار کرلیا گیا ہے صوبہ متحدہ میں آسئے الہ آباد میں کانگریس کے صدر اور نوجوانوں کے سرتاج پنڈت جواہر لال نہرو گرفتار کرلئے گئے، انکے ساتھ بنارس میں کانگریس کے سکریٹری بابو سری پرکاش مع دوسرے بااثر کارکنوں کے پکڑلئے گئے۔ اسی طرح آگرہ، فرخ آباد، میرٹھ وغیرہ میں گرفتاریاں ہوئیں۔ پنجاب میں ڈاکٹر کچلو ڈاکٹر ستیہ پال، ڈاکٹر محمد عالم، ظفر علیخاں وغیرہ پکڑلئے گئے، اس سے آگے بڑھئے، صوبہ سرحدی میں وہاں کے سب سے سربرآوردہ لیڈر عبدالغفار خاں مع اپنے چند بااثر رفقا کے قید کرلئے گئے۔ نیچے آئے، گجرات اور مہاراشٹر سردار پٹیل، منی لال کوٹھاری، جمنالال بجاج، مہادیو ڈیسائی وغیرہ کی گرفتاری سے خالی ہی ہوچکا ہے۔ سندھ میں بھی متعدد کارکنوں کی گرفتاری اور جے رام داس دولت رام کے زخمی ہو جانے سے کوئی سیاسی کام کرنے والا نہیں رہا ہے۔ سی۔ پی سے مسٹر کیلکر چن لئے گئے، بمبئی میں کے۔ ایف نریمان کے پکڑ لئے جانے سے کوئی انکا جانشین نہیں رہا۔ مدراس میں مسٹر تی پرکاشم اور ابھی حال میں مسٹر سری نواس آئنگر کے گرفتار ہو جانے کی خبر پہنچی ہے۔ غرض یہ اور انکے علاوہ اور کتنے بااثر اور سربرآوردہ کام کرنیوالے تھے جو ہر ہر صوبہ سے چھین لئے گئے ہیں اور سوائے ایک مہاتما گاندھی کے کہ جن کی گرفتاری کی خبر بھی ان سطروں کے لکھتے لکھتے آگئی ہے، ہندوستان میں کوئی بااثر کارکن نہیں رہا ہے جو لوگوں کی سربراہی کرسکے۔ لے دے کے ایک بوڑھے پنڈت موتی لال نہرو اور انکے ساتھ ان کے ہم عمر مسٹر وی جے پٹیل باقی رہ گئے جو خود بھی دو چار روز کے مہمان ہیں۔

اب اس پر مستزاد یہ کہ پولیس اور حکومت کی طرف سے ہر ہر جگہ عوام کو اشتعال دلانے اور لوگوں کو آمادۂ فساد کرنے کی تدبیریں کیجا رہی ہیں تاکہ لوگ جوش میں آکر آپے سے باہر ہوجائیں اور پھر پولیس کے ڈنڈے اور فوجوں کی بندوقیں اس تحریک کو دباکر رکھدیں، لیکن اب کی بار حکومت کو معلوم ہوجانا چاہئے کہ وہ آگ لگی ہے جو معمولی چھینٹوں سے بجھائے نہیں بجھ سکتی۔ پشاور میں بلا کسی خاص وجہ یا کسی اطلاع کے انکے ہر دلعزیز لیڈروں کو انکی جماعت سے چھین لیا گیا، ایسی صورت میں ضرور تھا کہ لوگ اظہار ناراضگی کرتے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فوجیں بلاکسا ہر بے تحاشہ گولیاں چلائی گئیں ظاہر ہے کہ اسکا کیا انجام ہوسکتا تھا! معلوم ہوا ہے کہ چار پانچ سو آدمی شہید ہوئے ہیں اور جب اتنے شہید ہوئے ہیں تو نہ جانے کتنے مجروح اور زخمی ہوں گے۔ یہ اور اس قسم کے کتنے خونچکان واقعات ہیں جو اس ہفتہ کے اندر پولیس کے اشتعال دلانے اور کسی روک تھام کرنیوالے کے نہ ہونے سے مختلف مقامات پر پیش آئے جن کا ذکر آئندہ پرچہ میں ہوگا۔

والدین اور استادوں کا صفحہ

اُردو کا قاعدہ اور اُسکی مشکلات

(۲)

اکثر اصحاب نے اُردو قاعدہ کو سہل بنانیکی کوشش کی ہے اور بہت سے قاعدے نئی طرز و نئی ترتیب کے ساتھ طبع ہوکر اطراف ملک میں آب و تاب کے ساتھ شائع ہوئے ہیں۔ لیکن جہاںتک غور کیا گیا وہ ہمارے مرض مزمنہ کا مکمل علاج نہیں۔ سب سے زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ حیثیت صرف اردو ہی قاعدہ کے لئے مخصوص ہے ہندوستان کی دوسری زبانوں مثلاً ہندی، گورمکھی، ناگری، مرہٹی، گجراتی، بنگالی، کنتری، سنسکرت وغیرہ کے قاعدے ان جملہ قیود سے آزاد ہیں، نہ انہیں کسی جدید سسٹم کی ضرورت ہے، نہ نئی ترتیب کی احتیاج۔ اُن کی تعلیم اپنے قدیم طریقہ پر قائم ہے جس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان زبانوں کے حروف تہجی کے نام اردو حروف تہجی کے نام کی طرح پیچیدہ اور مخلوط الصوت نہیں ہیں اور نہ ایک آواز کے لئے مختلف حروف، بلکہ جو حرف ہے اس کی تقریباً وہی آواز ہے جو اس حرف کا نام ہے برعکس اُردو حروف تہجی کے جن کی آواز زمین ہے تو نام آسمان ہے۔ ان تمام باتوں پر غور کرنے سے یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ اگر اردو حروف کی شناخت اور آواز میں بھی انہی زبانوں کے طریقہ کی پابندی کیجائے تو ایک حد تک آسانی کی امید ہوسکتی ہے۔ رہا اسمائے حروف کا سوال، وہ حسب موقع اور ضرورت کسی اور وقت تک جبکہ بچہ کچھ چل نکلے بلاکسی ہرج کے ملتوی کئے جاسکتے ہیں۔ مگر اب تک کوئی ایسا قاعدہ نظر سے نہیں گزرا جس میں اردو حروف تہجی کو دیگر ہندی زبانوں کے حروف کی طرح پڑھانے کی ہدایت درج ہو۔ علاوہ ازیں ہجا کرنیکے قدیمی اور غیر ضروری طریق کی پابندی نے بیچارے بچوں کی مشکلات میں ایک ظالمانہ اضافہ کر رکھا ہے جس کا ترک قطعاً ضروری ہے کیونکہ مخلوط الصوت اردو حروف اور اعراب ہجا کرتے وقت بجائے اس کے کہ الفاظ سازی میں مد ہوں، مبتدیوں کو مزید پریشانی میں ڈال دیتے ہیں۔

اس لئے میرے خیال میں جدید قاعدے کی ترتیب دینے والے کا یہ کام ہونا چاہئیے:۔

(۱) حروف تہجی کی نئی ترتیب حروف کی یکسانیت کی بجائے اُن کی آواز اور ادائیگی مخارج کی مشکلات کو مدنظر رکھ کر کردیجائے اور ہر ایک حرف کی آواز کو پہلے عام فہم چیز کے نام کے پہلے حرف کو بچہ سے کہلوا کر صاف کرلیا جائے جس میں ضرورتاً تصاویر سے بھی مدد لیجاسکتی ہے۔ بعدازاں شناخت حروف کی مشق تختہ سیاہ یا سلیٹ پر کرائی جائے یا قاعدے ہی میں حروف بلا ترتیب لکھے جائیں اور مشق کرائی جائے۔ جہاں ایک سے زیادہ ہم آواز حروف ہوں انکی آواز بخوبی کرائی جائے، آواز کا فرق بتانیکی ضرورت نہیں۔ مثلاً ض ظ۔ ذ۔ ز کو فقط (ز) کہا جائے۔ س۔ ث۔ ص کو (س) مگر ا۔ ع، گ غ، س ش، ج۔ ز اور ک۔ ق۔ خ کے مخارج جدا جدا ابتدا ہی سے صحت مبالغہ کے ساتھ بتائے جائیں۔ ہمزہ (ء) دراصل کوئی حرف نہیں اسے خارج الحروف سمجھائے۔ بڑی ز (ژ) اردو میں قلیل الاستعمال ہے لہذا ابتدا میں اس کی چنداں ضرورت نہیں جب اسماء حروف بتائے جائیں، اسی ترتیب میں انہیں بھی بتایا جاسکتا ہے۔

(۲) حروف تہجی کی شناخت کی مزید مشق کے لئے اگر ایک نقشہ بناکر اور ہندسے لگاکر ہندسوں کے ذریعہ حروف اور حروف کے ذریعہ ہندسے تختۂ سیاہ پر بتائے جائیں تو کافی اور دلچسپ مشق ہوسکتی ہے۔ مرتبہ قاعدہ میں بھی اس کا التزام ہونا چاہئے۔ اس کے ساتھ ہی نقطوں کی شناخت کا بھی ایک عمدہ نقشہ تیار ہوسکتا ہے جو اوپر کے نقشے کی مدد سے بچوں سے سوال وجواب کے ذریعہ پُر کیا جاسکتا ہے اور اس طرح حروف اور اُن کے نقاط کی شناخت کامل طریق سے کرائی جاسکتی ہے۔

(۳) اس کے بعد وہ حرفی الفاظ کے جوڑ توڑ حرفوں کی شکلوں کی تبدیلیوں کو سمجھایا جائے۔ د۔ ڈ ذ۔ ر۔ ڑ۔ ز۔ ژ۔ ا۔ و۔ ط۔ ظ۔ د س ہیں جو ابتدا میں اور بیچ میں اپنے بعد والے حروف سے نہیں ملتے اور

سالم نہیں رہتے ہیں بجز ط۔ ظ کے جو مل تو جاتے ہیں مگر رہتے سالم ہی ہیں (دو حرفی الفاظ میں دوسرا حرف عموماً سالم ہی رہتا ہے) لہٰذا اس قسم کے دو حرفی الفاظ کی شناخت میں کوئی دقت نہیں ہوسکتی۔ صرف دوسرے حروف پر جزم لگا کر اور دونوں حرفوں کو ملا کر لفظ کی آواز صحیح نکلوائی جائے۔ بلا جزم الفاظ کے حروف کو جدا جدا بولا جائے۔ باقی سولہ حروف ن۔ ج۔ ح۔ خ۔ س ش۔ ص۔ ض۔ ع۔ غ۔ ف۔ ق۔ ک۔ گ۔ ل۔ م ایسے ہیں جن کا محض سر یعنی ابتدائی حصہ استعمال ہوتا ہے اس کو بڑی اچھی طرح بورڈ پر واضح کیا جا سکتا ہے۔ پورا حرف بورڈ پر لکھکر ترکیب لفظی میں حرف کی مستعملہ صورت تک بتدریج کاٹکر بچے سے پوچھا جائے۔ تیسرا قاعدہ حروف کی شناخت کا ترکیب لفظی میں محض نقطوں کی تعداد پر موقوف ہے یعنی اوپر ایک نقطہ ن۔ نیچے ایک نقطہ ب۔ اوپر دو ت۔ نیچے دو ی۔ یے۔ اوپر تین ش۔ نیچے تین پ۔ اس طرح قریباً جملہ حروف تہجی کی اشکال ترکیب لفظی میں بخوبی ذہن نشین ہوسکتی ہیں۔ ترکیب لفظی میں حروف کی اشکال مستعملہ کی شناخت بڑا کام ہے۔ یہ اگر صحیح طور سے مکمل ہو جائے تو گویا نصف قاعدہ پڑھ لیا۔ یہ شکلیں دراصل ایک نئے حروف تہجی بن جاتی ہیں جن کی شناخت ایک زنجیر حرفی بنا کر یا بڑے بڑے الفاظ لکھکر خوب کرائی جاسکتی ہے دو حرفی الفاظ کی اس مشق میں زبان بھی ٹوٹ کر خوب صاف ہوسکتی ہے۔

(۴) اس کے بعد سہ حرفی الفاظ کی مشق ہو۔ الفاظ میں حروف کی ابتدائی اشکال معلوم ہوچکیں۔ وسطی اشکال میں بجز ع۔ غ اور ہ کچھ زیادہ فرق نہیں پڑتا۔ ف اور ق کا صرف منہ کھل جاتا ہے۔ اخیر میں قریباً ہر ایک حرف سالم مستعمل ہوتا ہے۔ سہ حرفی الفاظ پڑھنے کے صرف دو قاعدے ہیں (۱) پہلے دو حرفوں کو ملا کر تیسرے حرف سے ملا دینا (۲) پہلے حرف کو جدا بولکر دوسرے دو حرفوں کو ملا کر پہلے حرف سے ملا دینا۔ ترک ہجا کی وجہ سے "ساکن" یا "موقوف" کا جھگڑا بالائے طاق رہے گا جو حرف جدا بولتا ہے۔ یا دو حرف ملکر آواز دیتے ہیں انکو جدا جدا دکھانا چاہیے پھر تینوں حرف ملکر جو لفظ اور اس کی شکل بنتی ہے وہ جدا دکھائی جائے چونکہ مفرد حروف اور دو حرفی الفاظ پڑھنے کی مشق ہوچکی ہے اس لئے ان سہ حرفی الفاظ کو سمجھنے اور پڑھنے میں دقت نہ ہوگی۔ جزم کی مشق کے لئے چہار حرفی، پنج حرفی الفاظ کی اس کے بعد کافی مشق ہونی چاہیے۔

(۵) اس کے بعد ہر ایک حرف کے بعد (الف) کا جوڑ سمجھایا جائے اور مد (~) کو بلا نام لئے واضح کیا جائے اسی طرح یائے مجہول مکسور ماقبل سے جو آواز نکلتی ہے اسے سمجھایا جائے۔ شروع اور بیچ میں یائے مجہول کی آواز کو دو نقطوں سے ظاہر کیا جائے۔ ایک سے زیادہ حروف علت ایک جگہ جمع ہونے پر عموماً ہمزہ (ء) کا استعمال ہوتا ہے وہ بھی یہیں واضح کیا جا سکتا ہے۔ یائے مجہول مفتوح ماقبل سے جو آواز پیدا ہوتی ہے اس کے لئے زبر (َ) کا استعمال مخصوص سمجھا جائے اور بلا نام لئے محض آواز بتائی جائے۔ کیونکہ مذکورہ طریقہ تعلیم میں علامت زبر (َ) کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ اسی طرح واؤ (و) کی دونوں آوازیں بتا دیجائیں۔

(۶) میرے خیال میں یہاں سے قاعدہ کا دوسرا حصہ شروع کیا جائے۔ دو چشمی ھ محض ہندی الفاظ میں مستعمل ہوتی ہے اس لئے مرکب ہندی حروف کے مقابلہ میں دو چشمی ھ کے پہلے مفرد اردو حروف لگا کر اسے مرکب حروف سمجھا جائے اور مفرد حروف کی طرح پڑھا جائے۔ جس طرح پہلا حصہ مفرد حروف سے شروع ہوا تھا دوسرا حصہ مرکب حروف سے شروع ہو۔ ب۔ ھ۔ زبر۔ بھ وغیرہ پڑھانا درست نہیں۔ غرض ان مرکبات حروف کو بھی اردو حروف تہجی کا درجہ دیا جائے اور مفردات ہی طرح انکو آواز کے ذریعہ بچے کے ذہن نشین کرایا جائے۔ مفرد حرف اور اس کا مرکب حرف ساتھ ساتھ رکھکر ہر دو کی آواز کے فرق کو واضح کیا جا سکتا ہے۔ دو چشمی ھ اور سادی ہ کا فرق بھی یہاں ذہن نشین کیا جائے۔

(۷) اس کے بعد علامت زیر (ِ) کو آواز کے ذریعہ سمجھایا جائے اور ب بِ۔ ک۔ کِ وغیرہ حروف کے ساتھ ساتھ رکھکر زبر اور زیر کے فرق کو واضح کیا جائے۔ کسی حروف کے بعد یائے معروف آنے سے جو آواز نکلتی ہے اس کو بھی یہیں سمجھانا مناسب ہوگا۔ لیکن شروع یا بیچ میں یائے معروف میں برخلاف یائے مجہول کے دو نقطوں کے ساتھ علامت زیر کا اضافہ ضروری ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی ا۔ اِی۔ اِے۔ اَے۔ ب۔ بِی۔ بے۔ بَے وغیرہ کی چاروں آوازوں میں الفاظ کی مدد سے تمیز کیجائے۔

(۸) زیر کی طرح اب پیش (ُ) کی علامت بھی حسب دستور بالا بتا دیجائے۔ واؤ معروف سمجھانے کا بھی یہی موقع ہے۔ واؤ معدولہ بھی واؤ کے نیچے آڑی لکیر دیکر سمجھایا جائے کہ اس قسم کی علامت والا واؤ



ـام ٮروو ـولت آصعيه دـں

آواز نہیں دیتا اور مثالیں دیجائیں۔ اس کے بعد آ۔ اُو۔ او۔ اَو۔ بُ۔ بُو۔ بو وغیرہ کی چاروں آوازیں الفاظ کی مدد سے سمجھائی جائیں۔

۹) اب نون غنہ (ں) جو ناک سے بولا جاتا ہے سمجھایا جائے۔ نون غنہ جب لفظ کے آخیر میں آئے تو سالم نون بغیر نقطہ لکھا جاتا ہے جیسے ماں۔ ہاں وغیرہ لیکن جب لفظ کے بیچ میں نون غنہ کی آواز ہو تو نون کا نقطہ تو دیا جائیگا مگر نقطہ یا الٹا جزم ں کوں سے ممیز کرنے کے لئے دے دیا جاتا ہے۔ مثلاً جنگ پتنگ وغیرہ علامت تشدید (ـّـ) کا تلفظ گو مشکل ہے لیکن اسکا سمجھانا آسان ہے علامت تشدید کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ مشدد حرف ایک دم دو دفعہ بولا جاتا ہے جیسے رسّی۔ دِلّی وغیرہ اس کے بعد قاعدہ ختم ہونے پر دو حروف تہجی کے نام مع ترتیب معروفہ کے ساتھ مع اعراب کے ناموں کے یاد کرائے جاسکتے ہیں۔

اگرچہ یہ معمولی باتیں ہیں مگر پڑھنے لکھنے میں بچوں کو ابتدا میں ان اصولوں کی واقفیت اور پابندی نہایت ضروری ہے چنانچہ مبتدیوں کی ابتدائی تعلیم میں ان پابندیوں کا التزام ضروری ہے۔ ان قواعد کو علیحدہ علیحدہ منضبط کرنے میں ایک بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ جہاں کہیں عبارت خوانی میں بچے سے غلطی ہو اس کو اس قاعدہ کی طرف فوراً رجوع کراکے اس کی مشقوں سے غلطی کی اصلاح کرائی جاسکتی ہے۔ اس لئے الفاظ کی کافی مشق ہونی چاہیے کیونکہ لفظ اٹھانے کی اٹکل آجائے تو بچہ کو عبارت پڑھنے میں چنداں دقت نہیں ہوسکتی۔ اگر حسب الہدایت مذکورہ بالا قاعدہ ختم ہوجائے تو جو استعداد پڑھنے کی بچہ کو دو تین کتابوں کے بعد ہوتی ہے وہ پیدا ہوسکتی ہے بلکہ کوئی بھی کتاب اس کے سامنے رکھدیجائے بشرطیکہ ضروری اور صحیح اعراب موجود ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ عبارت اصول خواندگی کے مطابق نہ پڑھ سکے۔ گو آہستہ ہی ہی جس قدر بچہ کی سمجھ بڑھتی جائے گی، ان پابندیوں کی احتیاج کم ہوتی جائے گی کیونکہ جب عبارت سمجھنے لگے گا اس وقت زیادہ تر اس کی اپنی سمجھ عبارت خوانی میں اسکی امداد کریگی کیونکہ یہ واضح رہے کہ پڑھنا سمجھنا دو جداگانہ چیزیں ہیں۔

سب سے بڑھکر خوشی کی بات یہ ہے کہ اس طریق سے قاعدہ پڑھنے کے بعد عربی پڑھنے میں فی الحقیقت چنداں دقت نہیں رہتی محض چند عربی خوانی کے اصولوں کو ترتیب کی ضرورت ہے اور بس۔ کیونکہ جب اردو حروف اور الفاظ پر بچہ کا قابو ہوجائے گا تو عربی چنداں مشکل نہ رہے گی۔ میرے خیال میں بچہ کو عربی شروع کرانے جیسا کہ عام رواج ہے سنگلاخ مخارج حروف اور پریشان کن تلفظ الفاظ کا خواہ مخواہ تختہ مشق بنانا اس بچارے کو آئندہ تعلیم سے بددل کرنا ہے۔ یوں بھی غیر زبان کی نسبت بچہ کو اپنی مادری زبان کا بولنا آسان ہوتا ہے۔ اور خوش قسمتی سے اردو اور عربی ہر دو زبانوں میں عسیر المخارج حروف مثلاً ع۔ غ۔ ح۔ خ وغیرہ مشترک ہیں لہٰذا اس طریق سے قاعدہ کی تکمیل کے بعد عربی خواندگی کی کٹھن منزل بہت آسان ہوسکتی ہے۔ اور یہی طریقہ درحقیقت "یسرنا القرآن" کہلانے کا مستحق ہوسکتا ہے

چونکہ آجکل جبریہ تعلیم کا رواج عام ہورہا ہے اس لئے ضرورت ہے کہ بچوں کے استاد خاص طور سے اس طرف توجہ کریں اور اردو خواندگی کے اصولوں کو اچھی طرح سے سمجھکر ایسے طریق سے بچوں کو سمجھائیں کہ آسانی سے بلا جبر و تشدد انکے ذہن میں اتر جائیں۔ الغرض کوئی بچہ قاعدہ کی مشکلات یا اساتذہ کی ناجائز سختی یا انکی قاعدہ کے اصولوں سے عدم واقفیت کی بنا پر تعلیم سے محروم نہ رہے۔ ان اصولوں کو سمجھکر استاد قریباً ہر قاعدہ کو بسہولت تمام پڑھا اور سمجھا سکتا ہے لیکن بلا شناخت رٹنے کے قدیمی طریق کو قطعی خیرباد کہدیا جائے۔ آجکل جبریہ تعلیم کے ساتھ ساتھ ناخواندہ جوانوں کی تعلیم (Adult Education) کا چرچا بھی عام ہورہا ہے۔ مذکورالصدر اصول پر تعلیم ناخواندہ جوانوں اور بوڑھوں کے لئے یقیناً نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوگی کیونکہ ان کی سمجھ ان اصولوں کے سمجھنے میں بہت زیادہ امداد کرے گی اور وہ دنوں میں ہی کتابیں پڑھتے اور اخبار بینی کرتے نظر آنے لگیں گے۔ انشاءاللہ

اگر کسی صاحب کو اس میں اصلاح کا خیال ہو یا کسی قاعدے کے استاد یا شائق تعلیم کو کوئی شک۔ اعتراض یا عملی دقت محسوس ہو تو وہ مطلع ہونیکا موقع دیں۔

* مثلاً "پہلی کتاب" اگر غلط رواج یا ان باتوں کو معمولی سمجھنے کی بنا پر "پہلی" کی بجائے "پہلی" لکھا ہو تو جو شخص عبارت سمجھتا ہے وہ "پہلی" کو "پہلی" ہی پڑھے گا کیونکہ آگے کتاب کا لفظ اسکو "پھلی" پڑھنے سے مانع آتا ہے۔ مگر مبتدی کو جو عبارت کا مطلب بالکل نہیں سمجھتا لفظ "پہلی" کو "پھلی" بھی پڑھ سکتا ہے۔ "پہلی" بھی پڑھ سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ "پھلی" پڑھیگا تو آپ اسے مجبور کرینگے کہ یہاں "پہلی" پڑھو اس وقت آپ اُس کی عقل سے اپیل کرینگے کہ چونکہ آگے لفظ کتاب موجود ہے اس لئے "پہلی" پڑھا جائے گا۔ لیکن بچے سے یہ اپیل قبل از وقت ہوگی۔ لہٰذا ابتدا میں اصولوں کی سمجھ اور پابندی لازمی ہے۔

مصر کی موجودہ تعلیمی حالت

غلام سرور صاحب ہماری جامعہ کے ایک لائق اور ہونہار فارغ التحصیل طالب علم ہیں۔ آپ نے عربی ادب میں جامعہ سے بی۔ اے امتیازی کا امتحان پاس کیا ہے، اب مزید تعلیم کے لیے مصر تشریف لے گئے ہیں۔ مصر سے آپ نے ایک خط لکھا ہے جس میں وہاں کے تعلیمی حالات بیان کئے ہیں۔ ناظرین کی دلچسپی کے لئے ہم اس خط کو شائع کرتے ہیں۔

اڈیٹر

میں نے ۲۰ رفروری کو آپ کو ایک خط لکھا تھا، امید ہے ملا ہوگا۔ بمبئی سے روانہ ہوکر ۵ رمارچ کو جدہ پہنچا، خوش قسمتی سے وہاں انگریزی وائس کاؤنسل کے ہاں جگہ مل گئی، ۱۰ رمارچ کو وہاں سے روانہ ہوکر ۱۳ کو سویز پہنچا، سویز میں چار دن کے لئے قرنطینہ میں رہنا پڑا، ۱۹ رکو قاہرہ آیا، دو دن تک ایک ہوٹل میں رہا۔ اب رواق الہنود میں ہوں۔ بمبئی سے جدہ تک مطلق کوئی تکلیف نہیں ہوئی، لیکن سویز میں کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ بندرگاہوں کے لوگ اجنبیوں کو بہت دق کرتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ قاہرہ میں چند ہندوستانی طلبہ مل گئے ہیں جن سے بڑی مدد ملتی ہے۔ رواق الہنود میں ٹھہرنے کے لئے کوئی قید نہیں، ازہر کا ہر طالب علم اس میں رہ سکتا ہے۔ اور ازہر کا داخلہ نہایت آسان ہے لیکن رواق کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ اول تو یہ ایسی جگہ واقع ہے جہاں صاف ہوا کا گذر ممکن نہیں، دوسرے ایک کمرے میں چھ طلبہ ہیں، اور ہر وقت آنے والوں کا تانتا بندھا رہتا ہے، رواق میں رہ کر پڑھنا بڑا مشکل ہے، میں کوشش کر رہا ہوں کہ باہر کوئی کمرہ کرایہ پر لے لوں، ایک پونڈ میں اچھا کمرہ مل جاتا ہے اور دس روپیہ میں ایک آدھ کمرہ کا مل جانا ممکن ہے حتی الوسع میں رواق کو چھوڑنے کی جلد از جلد کوشش کروں گا۔ ازہر کی تعلیمی حالت اطمینان بخش نہیں ہے مصریوں کے لئے جو یہاں باقاعدہ تعلیم پاتے ہیں، مناسب انتظام ہے لیکن اجانب بالکل آزاد ہیں۔ اول تو ان کے لئے پڑھانے والوں کا کوئی خاص انتظام نہیں دوسرے ان کے لئے دروس میں شرکت ضروری نہیں رکھی گئی، جامعہ ازہر میں داخل ہوکر رواق میں جگہ مل جاتی ہے اس کے بعد جہاں کسی کا دل چاہے جائے اور جو جی میں آئے کرے، کوئی روکنے والا نہیں، رواق میں تین تین چار چار سال سے طلبہ پڑے ہوئے ہیں، ہفتہ میں ایک آدھ دن ازہر کی زیارت کر آتے ہیں اور بس، پڑھنے لکھنے سے انہیں کوئی سروکار نہیں۔ ازہر میں اجانب کے لئے مختلف نصاب تعلیم ہے، کم از کم دو سال کی مدت میں عالمیہ کی سند حاصل کی جا سکتی ہے، اس سند کے لئے اہلیت کی اتنی ضرورت نہیں جتنی مشائخ کی نظر کرم کی۔ ازہر کی سند کے لئے تعلیم پانا بیکار ہے، البتہ یہ ممکن ہے کہ ازہر میں داخل ہوکر درجہ نظامی کے بعض درسوں میں شرکت ہو سکے، مثلاً تخصص کے درجہ میں ایک شیخ عبدالوہاب صاحب ہیں جن کو تاریخ اسلام کا ماہر مانا جاتا ہے، ان کے علاوہ چند ایک اور بھی قابل مشائخ ہیں جن سے استفادہ ممکن ہے۔ ازہر کی شرکت سے اگر کوئی فائدہ ہے تو فقط یہی ورنہ بالکل بیکار ہے۔

جامعہ مصریہ کے حالات ایک طالب علم سے معلوم ہوئے، یہ حیدرآباد سے سرکاری وظیفہ پر آئے ہیں، ان کو ۱۶ پونڈ وظیفہ ملتا ہے، یونیورسٹی کے مطالبات حکومت ادا کرتی ہے، صاحب موصوف کے ساتھ جامعہ جانے کا اتفاق ہوا۔ جامعہ کی عمارت شہر سے کافی دور ایک نہایت پرفضا مقام پر واقع ہے، آس پاس صرف باغات ہی باغات ہیں، ظاہری سج دھج میں تو مصری مشہور ہیں، طلبہ کی تعداد ایک ہزار سے کم نہیں۔ باقاعدہ انتظام ہے، پروفیسر زیادہ تر فرانسیسی ہیں، اس کے بعد اطالوی، المانی اور انگریز۔ مصریوں کا آخری درجہ ہے۔ سالانہ فیس ۳۲ پونڈ ہے۔ ہندوستان کے بی۔ اے کو فسٹ ایر میں لیتے ہیں۔ اس کے بعد لیسانس کے لئے چار سال ہیں۔ اور لیسانس کے بعد تین سال میں ڈاکٹریٹ، یہ یہاں کا نظام ہے کالج کے درجوں میں فرانسیسی، انگریزی، المانی، طلیانی وغیرہ زبانیں لازمی ہیں، ادب عربی کے مشہور پروفیسر طٰہٰ حسین ہیں، تاریخ اسلام کا اچھا انتظام ہے، ایک عرب پروفیسر کے علاوہ باہر کے پروفیسر بھی ہیں، جامعہ مصریہ

میں باقاعدہ لیکچرز کی شرکت بلا کسی فیس کے ممکن ہے، صرف جسٹرار سے اجازت لینی پڑتی ہے۔ میں فی الحال دو ایک لیکچرز میں شریک ہوا ہوں۔ شہر سے کافی دور ہونے کی وجہ سے آنے جانے میں بہت خرچ ہوتا ہے، میں کوشش کر رہا ہوں کہ جامعہ ازہر میں داخل ہو کر باقاعدہ جامعہ مصریہ کے درسوں میں شریک ہوا کروں، اور اس کے ساتھ ایک آدھ درس ازہر میں بھی سنوں۔ یہ صورت مفید ہے اور اس سے تاریخ اسلام اور ادب عربی میں مہارت پیدا کرنے کا موقع ہے۔ دار العلوم کا حساب دوسرا ہے۔ وہاں شرکت مشکل ہے۔ جامعہ امریکانی برائے نام ہے وہاں کی امتیازی خوبی صرف انگریزی زبان ہے۔ اسکے علاوہ مصر میں تاریخ اسلام کے جاننے والے کافی لوگ موجود ہیں جن میں سے احمد زکی پاشا، اور تیمور مشہور ہیں، اُن سے کبھی کبھی ملاقات کرنا مشکل نہیں۔ اس اثنا میں میں نے اپنا تعلیمی پروگرام بنا لیا ہے۔ تاریخ اسلام اور ادب عربی کے لئے جامعہ مصریہ کے درسوں میں شریک ہوں گا اور فقہ اور تفسیر کیلئے جامعہ ازہر میں۔ یہ سب ہر روز میرے تین چار گھنٹے ہو جاتے ہیں۔ دو سال کے بعد جامعہ ازہر سے سند مل گئی تو غنیمت ہے ورنہ جامعہ مصریہ سے اس امر کی شہادت مل جاتی ہے کہ فلاں صاحب نے اتنی مدت تک لیکچرز میں شرکت کی۔ مصر میں زیادہ سے زیادہ دو سال کی مدت کافی ہے۔ اس کے علاوہ باہر سے پروفیسر وغیرہ آتے رہتے ہیں وہ جامعہ مصریہ اور جمعیۃ جغرافیہ ملکیہ میں ہر ہفتہ میں مختلف موضوعات پر لیکچر دیتے ہیں مثلاً آجکل پروفیسر آرنلڈ تاریخ اسلام اور اسلام میں مصوری پر ہفتہ لیکچر دیتے ہیں۔ ان مواقع سے کافی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ مصری لائبریری میں کتابوں کا کافی ذخیرہ ہے۔ فہرست کتب دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اس دس بارہ سال کے عرصہ میں تاریخ استقلال مصر پر بہت کتابیں لکھی گئی ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ اپنے فاضل وقت میں ان میں سے دو ایک کو سامنے رکھ کر اردو میں ان کا ترجمہ کرنے کی کوشش کروں۔ مصر کی یہ تاریخ نہایت دلچسپ ہے، نپولین کا حملہ، محمد علی، ابراہیم پاشا اور اس کے جانشینوں کی معرکہ آرائیاں، نہر سویز، مہدی سوڈانی اور عرابی پاشا وغیرہ کے دلچسپ حالات اور مصر میں انگریزوں کے احتلال کی تاریخ کافی دلچسپ رہے گی اس کے علاوہ یہ عہد موجودہ علمی حرکت اور نہضت کا زمانہ ہے اگر آپ اس تجویز پر صاد فرمائیں تو میں اپنا کام شروع کر دوں۔

ازہر میں دنیائے اسلام کے ہر حصہ کے طلبہ موجود ہیں، ہر ملک کا علیحدہ علیحدہ رواق ہے۔ عربی بولنے میں مہارت کے بعد ان لوگوں سے ملنے کی کوشش کرونگا، سب سے زیادہ تعداد جاویوں کی ہے۔ آج کل پٹنہ کے ایک پروفیسر موجودہ عربی لٹریچر پر اپنا مقالہ تیار کرنے مصر آئے ہوئے ہیں ان سے اکثر ملاقات ہوتی ہے، اس کے علاوہ خوش قسمتی سے ایک اور صاحب سے ملاقات ہوگئی ہے یہ علیگڑھ کے گریجویٹ ہیں، عربی بالکل نہیں جانتے۔ اب عربی پڑھنا چاہتے ہیں، صرف اس قدر کہ قرآن شریف سمجھ سکیں ابھی تک رواق ہی میں ہیں۔ پانچ چھ ماہ کے قیام کا ارادہ ہے انکی وجہ سے ابھی تک رواق میں ٹھہرا ہوں۔ ورنہ وہاں رہنا تو ایک مصیبت ہے۔

جہاں تک تعلیم و تعلم کا تعلق تھا حتی الوسع میں نے تفصیل سے لکھ دیا ہے اب مصارف کا ذکر کرتا ہوں۔ رواق میں رہنے سے کرایہ مکان کی بچت ہوتی ہے لیکن خرچ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ رواق میں رہ کر پڑھنا محال ہے۔ علیحدہ مکان کی سخت ضرورت ہے میں اس کوشش میں ہوں کہ سات آٹھ روپیہ میں کوئی کمرہ مل جائے، لیکن دس بارہ روپیہ سے کم میں ملنا مشکل نظر آتا ہے۔ ایک وقت ناشتہ اور دو وقت کھانے کا خرچ کم از کم پچیس روپیہ ہے لیکن اس میں گوشت نہیں کھایا جا سکتا۔ قاہرہ میں خاص طور پر گوشت بہت گراں ہے۔ جامعہ جانے آنے کے لئے دس روپیہ ماہوار سے کم خرچ ممکن نہیں۔ اس کے علاوہ جیب خرچ، کپڑے کی دھلائی اور خرید کتب وغیرہ کے اخراجات ہیں۔ میرے خیال میں کم از کم ساٹھ روپیہ ماہوار میں قاہرہ میں گذارا ہو سکتا ہے۔ اس سے کم خرچ بھی ممکن ہے لیکن وہ تعلیم میں حارج ہوگا مجھے نہ چائے کی عادت ہے، نہ سگرٹ کی، ورنہ پندرہ بیس روپیہ ماہوار کا یہ اور خرچ ہے

۱۵ر مارچ سے لیکر اس وقت تک میں کام ڈھونڈ رہا ہوں لیکن کوئی کامیابی نہیں ہوئی، مصری انگریزی زبان کی طرف سے بالکل بے نیازی برتتے ہیں یہاں صرف فرانسیسی زبان کی مانگ ہے، ہندوستانی یہاں یا تو سندھی ہیں، جو غیر سندھی سے کلام تک کرنا عار سمجھتے ہیں، چہ جائیکہ ان سے کسی کام کے ملنے کی توقع ہو، اور یا درزی اور ہاتھ دیکھنے والے۔ انکے ہاں کوئی کام ملنا مشکل کیا محال ہے۔ اب صرف اخبارات میں عربی لکھنے کی

مشق کر رہا ہوں لیکن اس کے لئے کافی مدت کی ضرورت ہے ۔معمولی ترجمہ کے لئے تین چار ماہ کی محنت درکار ہے، اس کے بعد عربی اخبارات تو گفتگو وغیرہ کا درجہ ہے ۔ مصری اخبارات میں غیر ملکی مباحث بہت کم نکلا کرتے ہیں، البتہ آج کل ہندوستانی سیاسیات سے خاص دلچسپی کا اظہار کیا جاتا ہے لیکن اس کے لئے ریوٹر کے تار کافی ہیں اور نیز "الاہرام" اور دو ایک مشہور اخبارات نے نامہ نگار ہندوستان سے خبریں بھیجتے رہتے ہیں۔ میں اپنی کوشش جاری رکھوں گا، خدا تعالیٰ کامیاب فرمائے۔ رواق میں رہ کر مجھ سے کام نہیں ہوسکتا۔ میں کھانے پینے میں کفایت کرسکتا ہوں لیکن رہائش میں کفایت سخت مضر ہے ۔ اس میں ایک تو وقت ضائع ہوتا ہے اور دوسرے رواق کی صحبت اچھی نہیں۔ میں اس ماہ کے اندر اندر باہر کرہ لے لوں گا ۔

مصر کی اخلاقی حالت دن بدن رو بزوال ہے ۔آفندی (وہ حضرات جو سوٹ پہنتے ہیں) مذہب سے تو آزاد ہے ہی لیکن اخلاقی قیود کو بھی خیرباد کہہ چکا ہے ، سوائے بار، ہوٹل اور سینما کے اور کوئی شغل نہیں دارالکتب (لائبریری) میں جاکر دیکھا تو وہاں سب شیوخ (عمامہ پوش) نظر آئے ، خدا کا شکر ہے کہ اس گئے گذرے زمانے میں بھی ازہر میں طلباء دینیات کا قحط نہیں ، سابق شیخ الجامعہ نے ازہر میں بہت سی اصلاحیں کی ہیں۔ نظامی باقاعدہ درس میں تمام ضروری علوم پڑھائے جاتے ہیں ۔ روٹی وغیرہ کا سلسلہ بند کردیا گیا ہے لیکن اساتذہ جامعہ ازہر کی حالت قابل رحم ہے ۔

آفندی اسلام کے ساتھ ساتھ اخلاق کو بھی بیکار سمجھتے ہیں ۔مصری طالب العلم بحیثیت مجموعی ہندوستانی طالب علم سے بہت پیچھے ہے اور انکی وسعت معلومات کی یہ حالت ہے کہ اکثر کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ہندوستان میں مسلمان بستے ہیں وہاں ان سب باتوں کے ساتھ وطنیت کا بھوت ہر شخص کے سر پر سوار ہے ۔ ہر چھوٹا بڑا، زندہ باد استقلال مصر کے نعرے لگاتا پھرتا ہے ۔ لباس کا یہاں بہت اہتمام ہے جبہ اور عمامہ پہننے والے کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جامعہ مصریہ وغیرہ میں تو بغیر سوٹ کے اندر نہیں جانے دیتے ،خدا کا شکر ہے کہ میں ہندوستان سے ایک دو سوٹ لیتا آیا تھا ورنہ بڑی دقت ہوتی یہاں کپڑے کی سلائی دھلائی بہت گراں ہے۔ بس اب رخصت ہوتا ہوں۔

کوائف جامعہ

جامعہ میں میٹرکولیشن ایف اے اور بی ۔ اے کے امتحانات ۲۶ر اپریل ۱۹۳۸ء سے شروع ہوگئے ہیں اور ۷رمئی ۱۹۳۸ء تک جاری رہیں گے اس کے بعد ان طلبہ کی چھٹی سمجھی جائیگی ۔لیکن جامعہ سے انکو جو دلچسپی ہے اور اپنے چھوٹے بھائیوں سے انھیں جو محبت ہے، اسکی بنا پر امید ہے کہ وہ جامعہ بند ہونے سے قبل رخصت نہ ہوں گے اور عید اپنے انھی بھائیوں میں کریں گے ۔

مدرسہ جامعہ کے امتحانات وسط مئی سے شروع ہوں گے اور گرمیوں کی بڑی تعطیل یکم جون سے ہوگی جو اب کی بار صرف ۲ ماہ کی ہوگی گرم ہوا اور سخت دھوپ ابھی سے ہونے لگی ہے لیکن کبھی کبھی آسمان پر بادل کے ٹکڑے یا ہلکی پھوار سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ دہلی پر شاید قدرت کو رحم آرہا ہے اور امسال بارش کا موسم شاید پہلے شروع ہوجائے ۔

دیو داس گاندھی جی جنہیں نمک بنانے کے سلسلہ میں دہلی کے دوسرے کارکنوں کے ساتھ چند ہفتے قبل ۳ ماہ قید محض کی سزا ہوئی تھی، اب ایک دوسرے مقدمے کے سلسلے میں دفعہ ۱۲۴ (الف) کے ماتحت ایک سال قید بامشقت کی سزا ہوئی ہے آپ کا جرم یہ تھا کہ آپ کو طلباء دہلی کے ایک جلسہ میں تقریر کرنے کے لئے بلایا گیا جس میں آپ نے انہیں انکے فرائض سے آگاہ کیا اور متعدد مثالوں سے یہ بتایا کہ دنیا کے دوسرے ملکوں کے طلبہ نے ایسے موقعوں پر کیا فرائض انجام دئے ہیں ۔ ۲۹ر اپریل کو آپ کا مقدمہ تھا جو جیل ہی کے اندر ہوا اور ۳۰ر کو آپ کا فیصلہ سنا دیا گیا ۔ آپنے اپنے مقدمے کی کوئی پیروی نہیں کی بلکہ صرف ایک بیان دینے پر اکتفا کیا ہے جو نہایت دلیری اور صداقت پر مبنی ہے ہم دیو داس جی کی اس دوبارہ عزت افزائی پر دل سے مبارکباد دیتے ہیں۔



هز هائنس فرمانروائے بھوپال

جن کے وجود گرامی سے ریاست بھوپال کی روایات علم پروری کو چار چاند لگ گئے ہیں - آپ نے جامعہ ملیہ کے لئے ایک ہزار ماہوار منظور اور ڈیڑھ لاکھ یکمشت کا وعدہ فرمایا ہے -

سائنس

نمک اور اُسکے بے شمار فائدے

اتنی بات ہر شخص جانتا ہے کہ جب سے انسان پیدا ہوا، اُس وقت سے نمک کا استعمال ہوتا چلا آرہا ہے اور یہ انسانوں اور جانوروں کی غذا کا خاص جزو ہے یہ ساری دنیا میں پایا جاتا ہے عیسائیوں کی مذہبی کتاب "بائبل" میں بھی نمک کے بہت فائدے بتائے گئے ہیں۔ یہودیوں اور دوسری قوموں کے رسم و رواج سے پتہ چلتا ہے کہ پہلے زمانہ کی قومیں نمک کی بہت تعظیم کرتی تھیں۔ اور آجکل کے عرب کے لوگ بھی نمک کا استعمال پہلے زمانہ کے قانون کے مطابق کرتے ہیں یعنی اگر انکو قسم کھانی ہوتی ہے تو وہ نمک ہاتھ میں اُٹھا لیتے ہیں جس سے ان کی سچائی ظاہر ہو جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ نمک کی خواہش سے زبردست خواہش کسی اور چیز کی نہیں ہوتی۔ جب چین میں قحط پڑا تھا تو وہاں کے قیدیوں کو نمک بہت کم دیا جاتا تھا اور اناج زیادہ ایک تجربہ کار کا قول ہے کہ فی آدمی ایک سال میں ۲۹ پونڈ نمک کی ضرورت پڑتی ہے۔ پیٹ کی نلکیوں میں جو تر غذا ہوتی ہے اور اس میں جو ہائڈرو کلورک اسیڈ پایا جاتا ہے وہ بھی نمک ہی کا طفیل ہے۔ جانور چھوٹے پودے کھا کر اپنی نمک کی خواہش پوری کر لیتے ہیں۔ اور بعضے جانور اپنی نمک کی خواہش پوری کرنے کے لئے سیکڑوں میل تک نمک کے جھرنوں کی تلاش کرتے چلے گئے ہیں۔ انسان کی خواہش کو پورا کرنے کیلئے خدائے تعالیٰ نے بہت نمک کے ذریعے بنائے ہیں۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ دنیا کی ہر ایک ندی ہر سال ۲ ارب ۸۰ کروڑ من نمک سمندروں میں بہا کر لیجاتی ہے دنیا کے سمندروں میں کل ایک سنکھ چوالیس نن نمک ملا ہوا ہے جو دنیا کی ساری خشکی کو چار سو (۴۰۰) فٹ اونچائی تک ڈھک سکتا ہے۔ جب پہاڑی جھیلوں کے نمک کے علاوہ اتنا بڑا نمک کا خزانہ دنیا میں موجود ہے تو اس کے بہت سے استعمال بھی ہونگے۔ یہ کام بہت ہی مشکل ہوگا کہ یہاں نمک کے بہت سے استعمال بیان کئے جائیں۔ اگر آپ مجھ سے یہ دریافت کرینگے کہ کیا دنیا میں کوئی ایسی نباتات بھی ہے اجو اپنے اندر نمک کا اثر نہ رکھتی ہو تو شاید میں یہ نہ بتا سکونگا۔ اگر نمک کے خاص خاص فائدے بیان کئے جائیں تو کم از کم مندرجہ ذیل چیزیں بتائی جاسکتی ہیں:۔

ڈبل روٹی بنانے کیلئے جو سوڈا استعمال کیا جاتا ہے اسمیں کافی نمک پڑتا ہے۔ اس مصنوعی ریشم اور چمکدار روئی کے کپڑے بھی نمک کی آمیزش سے خالی نہیں بغیر دھوئیں کے اڑانیوالی بارود اور طرح طرح کے خوشبودار تیلوں میں بھی نمک ملایا جاتا ہے۔ زہریلی اور سونے کو صاف کرنیوالی چیزیں مثلاً سوڈیم سائنائڈ وغیرہ بھی نمک سے خالی نہیں۔ ملوں میں استعمال کیا جانیوالا بلیچنگ پاوڈر" جراثیم کو مارنیوالی دوائیں اور دوسری ادویات بھی نمک سے بنائی جاتی ہیں۔ خوبصورت، چمکدار ہزاروں طرح کے رنگ، صاف کی ہوئی لاکھ، موٹروں کے کام میں آنیوالے تیل بھی نمک کی آمیزش سے خالی نہیں۔ معدنیات کو کانوں سے نکالنے، جنگ میں "فاسجین سٹرٹنیں" کلورو پکرن" پکرن اسیڈ جیسی مہلک گیسوں سے انسانوں کو بچانے کے لئے اور روئی کو تباہ کرنے والے کیڑوں کو مارنے کی دواؤں اور مسالوں میں نمک کا استعمال ضروری ہے۔ کپڑوں کی چھپائی، گوشت اور مچھلی کو دیر تک محفوظ رکھنا، چینی مٹی کے برتن بنانا یہ تمام کام بھی نمک کی مدد سے انجام پاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ربر، چمڑا، کاغذ وغیرہ وغیرہ میں بھی نمک سے مدد لیجاتی ہے۔

برٹش گورنمنٹ کا نمک پر ٹیکس لگانا نہ صرف ہندوستانیوں کی روحانی طاقت کو فنا کر رہا ہے بلکہ انکے بڑھتے ہوئے تجارتی قدم کو پیچھے ہٹا رہا ہے۔

ترجمہ از ہندی۔ میر اصغر علی درجہ ابتدائی چہارم (جامعہ)

تاریخ

ایک حبشی غلام کی سرگزشت

اس نے غیر متمدن حبشیوں کو متمدن کیسے بنایا

مسٹر بکر۔ ٹی۔ واشنگٹن امریکہ کی ریاست ورجینیا کا ایک غلام تھا جس نے ایک نہایت معمولی اور ادنی درجہ سے ترقی کر کے شہرت و ناموری کی معراج تک پہنچا۔ اور نہ صرف یہی بلکہ آگے چل کر اپنی پوری غلام قوم کی نجات اور ترقی کا باعث ہوا۔ اس سبق آموز زندگی میں سے آج اسکا وہ حصہ دیا جاتا ہے جس میں تو یہ بتایا ہے کہ اس نے اپنی قوم کو معاشرت کیسے سکھائی۔

ماہ مئی ۱۸۸۱ء میں یکایک مجھ کو اپنی زندگی کے کام کو شروع کرنے کا موقعہ مل گیا۔ ایک رات گرجا میں جب کہ نماز ختم ہو چکی جنرل آرمسٹرانگ نے ذکر کیا کہ ٹسکیگی کے چھوٹے سے قصبے میں حبشیوں کے لئے ایک نارمل اسکول کھلنے والا ہے۔ اور الاباما کے سپرنٹنڈنٹ نے اس کے لئے مجھ سے ایک آدمی کی درخواست کی ہے۔ یہاں کے لوگوں کا یہ خیال تھا کہ کوئی حبشی اس عہدے کے لائق نہیں مل سکتا۔ اور جنرل موصوف کسی گورے کی سفارش کریں گے دوسرے دن جنرل موصوف نے مجھے اپنے دفتر میں بلا کر دریافت کیا۔ کیا تم الاباما میں اس عہدے کے فرائض ادا کر سکتے ہو؟ میں نے عرض کی کہ اپنی طرف سے حتی الوسع کوشش کرونگا۔ چنانچہ اس نے جواب میں لکھ بھیجا "میرے پاس اس وقت کوئی ایسا لائق گورہ موجود نہیں ہے لیکن اگر تم کو منظور ہو۔ تو میں اس عہدے کے لئے مسٹر بکر۔ ٹی۔ واشنگٹن کی نہایت خوشی سے سفارش کر سکتا ہوں" چند روز بعد اتوار کے دن شام کے وقت جنرل کو گرجا میں اس مضمون کا ایک تار پہنچا "بکر۔ ٹی واشنگٹن ہمارے مطلب کا آدمی ہے فوراً بھیج دیجئے"۔

یہ خبر سن کر طلبہ اور اُستاد سب کے سب نہایت خوش ہوئے۔ اور اکثر نے مجھ کو دل سے مبارکباد دی۔ اور میں اسی وقت روانگی کی تیاریاں کرنے لگا۔ یہاں سے رخصت ہو کر اول تو اپنے گھر مغربی ورجینیا میں گیا۔ چند روز وہاں رہ کر ہیمپٹن میں پہنچا۔ ٹسکیگی کی کل آبادی دو ہزار تھی جس میں تقریباً نصف حبشی تھے اور اس علاقہ کو جنوبی بلیک بلیٹ کہتے تھے۔ جہاں تک میں تحقیق کر سکا ہوں۔ ابتداء میں "بلیک بلیٹ" ایسی جگہ کو کہتے تھے۔ جہاں کی مٹی سیاہ اور زرخیز ہوتی تھی۔ اور وہاں غلاموں سے کام لینا زیادہ مفید سمجھا جاتا تھا۔ بعد ازاں خصوصاً خانہ جنگی کے بعد ایسی جگہ کو کہنے لگے، جہاں پر حبشیوں کی آبادی گوروں سے زیادہ ہو۔ ٹسکیگی کے علاقے میں حبشیوں کی تعداد گوروں سے تگنی تھی اور اس کے گرد و نواح میں چھ گنی سے کم نہ تھی۔

ٹسکیگی میں پہنچنے سے پیشتر میرا یہ خیال تھا۔ کہ وہاں کوئی مکان ضرور ہوگا۔ اور تعلیم کے متعلق تمام ضروری اشیا ہونگی لیکن وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ نہ مکان ہے۔ اور نہ ضروری سامان۔ ہاں اس بات سے بہت خوش ہوا کہ سینکڑوں مفلس اور سرگرم طلبہ وہاں موجود تھے۔ جو سرچشمۂ علم سے فیضیاب ہونا چاہتے تھے۔ اس قسم کے اسکول کے لئے ٹسکیگی سے بہتر اور کوئی مقام نہ تھا۔ اس کے آس پاس حبشی آباد تھے۔ اور ریلوے سٹیشن سے ۵ میل کے فاصلہ پر بھی ایک مقام خلوت میں واقع تھا۔ زمانہ غلامی سے یہ قصبہ گوروں کی تعلیم کا ایک مرکز رہا ہے اور وہاں کے گورے دیگر مقامات کے لوگوں کی نسبت زیادہ تعلیم یافتہ اور مہذب تھے۔ اس لئے میرے حق میں اور بھی زیادہ مفید ثابت ہوا۔ اگرچہ حبشی لوگ ناخواندہ تھے لیکن وہ بڑے شہروں کے ادنیٰ اور غیر مہذب لوگوں کی طرح بدچلن نہ تھے۔ اور حبشیوں اور گوروں کے باہمی تعلقات عموماً خوشگوار اور دوستانہ تھے چنانچہ اس وقت تمام قصبے میں نہ سب سے بڑی بلکہ کل ایک ہی دکان آہنی اسباب کی تھی جس کے مالک ایک حبشی اور ایک گورہ دو شخص تھے اور گورے کی عین حیات تک یہ شرکت جاری رہی۔

میں نے سنا ہے کہ ٹسکیگی میں میرے جانے سے ایک سال پیشتر چند حبشیوں نے جو ہیمپٹن کے تعلیمی کاروبار سے کچھ سنی سنائی واقفیت رکھتے تھے، اپنے قائم مقاموں کی معرفت حکومت سے درخواست کی تھی کہ ٹسکیگی میں نارمل سکول جاری کرنے کے لئے انھیں کچھ امداد دے حکومت نے

دو ہزار ڈالر سالانہ گرانٹ بدیں شرط دینی منظور کی، کہ یہ روپیہ اُستادوں کی تنخواہ ہی پر صرف کیا جائے۔ باقی زمین۔ مکان اور دیگر اشیائے ضروری وغیرہ کا کچھ بھی انتظام نہ تھا۔ گو یہ کام میرے لئے چنداں حوصلہ افزا اور خوش آئند نہ تھا۔ لیکن اسکول کھلنے سے حبشی خوشی کے مارے پھولے نہ سماتے تھے اور ہر طرح کی امداد دینے کے لئے ہر وقت تیار تھے۔

میرا پہلا کام یہ تھا۔ کہ اسکول کھولنے کے لئے جگہ تلاش کروں چنانچہ میتھوڈسٹ چرچ کے پاس ایک ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی ملی۔ گرجا اور جھونپڑی دونوں بہت بُری حالت میں تھے۔ پہلے مہینہ میں تو یہ حالت رہی کہ اثنائے تعلیم میں جب کبھی بارش آ جاتی تو ایک بڑا سا طالب علم میرے سر پر چھتری کھول کر کھڑا ہو جاتا۔ اور اگر کھانا کھاتے وقت مینہ برستا تو اس مکان والی خود میرے سر پر چھتری کا سایہ کئے رہتی۔

جیسا کہ اوپر مذکور ہوا میں جب ۱۸۸۱ء میں ٹسکیگی میں وارد ہوا اور پہلا مہینہ اسکول کے لئے جگہ تلاش کرنے اور لوگوں کے اصلی حالات دریافت کرنے کے لئے ایلاباما کے مختلف مقامات میں پھرنے اور دیہاتی اضلاع میں اسکول کا اشتہار دینے ہی میں گذارا۔ میں دیہات میں اکثر خچر والی گاڑی پر سفر کرتا اور لوگوں کے ساتھ عام کھانا کھاتا اور انہی کے ہمراہ چھوٹی جھونپڑیوں میں سوتا تھا۔ اور ان کے کھیتوں، سکولوں اور گرجوں میں بلا اطلاع چلا جاتا۔ تاکہ انکی طرز معاشرت اور زندگی کے روزانہ واقعات سے واقف ہو سکوں۔ زراعت پیشہ اضلاع میں عموماً دیکھا گیا کہ سارا خاندان اپنے رشتہ داروں اور بعض اوقات مہمانوں سمیت ایک ہی کمرے میں سویا کرتا تھا اور غسل وغیرہ باہر صحن میں کیا جاتا تھا۔ لوگوں کی عام خوراک سور کا گوشت اور باجرہ کی روٹی تھی۔ مجھے کئی دفعہ صرف باجرے کی روٹی اور اُبلے ہوئے مٹر کے دانوں پر ہی قناعت کرنی پڑی۔ اگرچہ ہر قسم کے پھل اور ترکاریاں ان کے کھیتوں میں پیدا ہو سکتی تھیں لیکن اس موٹے گوشت اور باجرے کی روٹی ہی پر بسر اوقات کرنا کافی سمجھتے تھے۔ جو بازار سے نہایت گراں قیمت پر خریدتے تھے۔ اور صرف کپاس بونا ہی جانتے تھے۔ اور اکثر اپنے دروازوں تک بھی بو دیتے تھے۔ میں نے ان حبشیوں کی جھونپڑیوں میں ساٹھ ساٹھ ڈالر کی کپڑا سینے کی کلیں اور بارہ بارہ چودہ چودہ ڈالر کی گھڑیاں رکھی ہوئی دیکھیں۔ لیکن سب سے عجیب بات یہ دیکھنے میں آئی کہ ایک دفعہ میں ایک مکان میں اُس گھر کے چار ممبروں کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ جہاں میز پر ۵ آدمی کھانے کے لئے بیٹھے ہیں، صرف ایک کانٹا موجود ہے مگر وہیں سامنے کے کونے میں ساٹھ ڈالر کا قیمتی باجہ رکھا ہے۔ ادھر ضروریات میں کفایت شعاری کا تو یہ عالم کہ آدمی پانچ اور کانٹا ایک۔ اس پر شوقینی کی یہ حالت کہ ۶۰ ڈالر کا باجہ موجود!

یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ سینے کی مشینیں عموماً بیکار پڑی رہتی تھیں اور گھڑیاں بھی بہت کم درست وقت دیتی تھیں۔ بلکہ ۵۰ فیصدی تو ایسے موجود تھے جنکو گھڑی میں وقت دیکھنا بھی نہ آتا تھا۔ اور باجے بھی بالعموم بجانے والوں کی نایابی کے سبب یونہی پڑے رہتے تھے۔

عموماً عورتیں صبح کو اُٹھ کر گوشت کو دیگچی میں ڈال کر آگ پر دھر دیتیں اور دس دس پندرہ منٹ میں جوش دے کر اُتار لیتیں۔ ان کے خاوند اپنا حصہ لے کھیتوں کی راہ لیتے اور راستے میں کھاتے جاتے اور عورتیں اُسی دیگچی میں یا رکابی میں ڈال کر ایک طرف بیٹھ کر کھا لیتیں۔ اور بچے ہاتھ میں گوشت لئے ہوئے صحن میں کھیلتے اور کھاتے پھرتے۔ جس موسم میں گوشت گراں ہوتا۔ کھیت پر کام کرنے والوں کے سوا اور کسی کو نہ دیا جاتا تھا کھانے سے فارغ ہو کر سارا کنبہ کپاس کے کھیت کی طرف چلا جاتا۔ ہر ایک بچہ جو کدال اُٹھا سکتا تھا کام پر لگایا جاتا تھا۔ دوپہر اور رات کا کھانا بھی صبح کے کھانے کی طرح ہوتا تھا۔ سنیچر اور اتوار کے سوا باقی دن اسی طرح گزرتے تھے۔ سنیچر کا آدھا اور کبھی سارا دن شہر میں جا کر خرید و فروخت میں گزارتے تھے۔ لیکن یہ خرید و فروخت اس قسم کی ہوتی تھی کہ اگر آدمی چاہے، تو دس منٹ میں کر سکتا ہے۔ تاہم گھر کے سب آدمی گلی کوچوں میں اِدھر اُدھر گھومتے پھرتے یا کسی جگہ بیٹھ کر سگرٹ پیتے یا نسوار سونگھتے اور اسی طرح دن پورا کر دیتے اور اتوار کو عموماً کسی بڑے جلسے میں شامل ہوتے تھے۔ دیہات میں عموماً دیکھنے میں آیا کہ فصلیں رہن ہیں اور بہت سے حبشی قرضدار بھی ہیں۔ سرکار سے ان دیہاتوں میں اسکول قائم نہ ہو سکے تھے اور گرجاؤں اور جھونپڑیوں ہی میں مدرسے ہوتے تھے۔ موسم سرما میں اسکول کے کمروں کو گرم رکھنے کا کوئی انتظام نہ

ہوتا تھا۔ ان اسکولوں کے استاد بھی چنداں ہوشیار نہ تھے۔ اور ان کا چال چلن بھی کچھ ایسا درست نہ ہوتا تھا اسکولوں میں تین سے پانچ مہینے تک پڑھائی ہوا کرتی تھی۔ کسی اسکول میں تختۂ سیاہ کے سوا اور کوئی سامان نہ ہوتا تھا۔ بعض بعض مقام پر ایک ہی کتاب پر چار چار پانچ پانچ طلبہ اپنا سبق یاد کیا کرتے تھے۔ گرجا گھروں اور پادریوں کا بھی بعینہ یہی حال تھا جیسا کہ مذکور ہوا۔

ایک دفعہ میں نے ساٹھ برس کے ایک بوڑھے حبشی سے اس کے حالات دریافت کئے اس نے جواب دیا کہ وہ ورجینیا میں پیدا ہوا۔ اور ۱۸۴۵ء میں الابامہ میں جاکر بکا۔ میں نے پوچھا کتنے آدمی ایک دفعہ بکے تھے۔ اس نے جواب دیا۔ "ہم پانچ تھے۔ میں۔ میرا بھائی۔ اور تین خچر"

میں یہ بات اپنے ناظرین کے ذہن نشین کرانا چاہتا ہوں۔ کہ جو حالات میں نے بیان کئے ہیں۔ اُن میں بعض حوصلہ افزا استثنیات بھی تھیں۔ جو کچھ میں نے دیکھا ہے، بعینہٖ صاف صاف الفاظ میں لکھ دیا ہے۔ تاکہ آگے چل کر ان تبدیلیوں کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرسکوں۔ جو اُن لوگوں میں نہ صرف ٹسکیگی کے اسکول سے بلکہ دیگر اسی قسم کے اسکولوں کے ذریعے وقوع میں آئیں۔

(باقی)

کوائف جامعہ

جمعہ ۲۵ اپریل ۱۹۳۰ء کو مولوی شفیق الرحمٰن صاحب قدوائی مع اپنے دو ساتھی انور خاں صاحب اور کنک چندر دیکا کے تحریک ستیاگرہ میں حصہ لینے کی غرض سے جامعہ سے بالکل علیحدہ ہوگئے۔ آپ کو الوداع کہنے کے لئے طلبہ اور اساتذہ کا "خاکسار منزل" میں ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں عزیز مہمانوں کی فواکہ اور شربت سے خاطر کی گئی اور ہر ایک کے گلے میں محبت اور عقیدت کے ہار ڈالے گئے۔ الوداع کہتے وقت جناب شیخ الجامعہ نے ہر سہ حضرات کو مبارکباد دی کہ انھوں نے اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہا اور عزیزوں اور دوستوں کی رفاقت کا کچھ خیال نہ کیا اور انھیں چند مناسب نصیحتیں فرمائیں جو ان کی آئندہ زندگی کے لئے شمع راہ کا کام دیں گی۔

---

۱۰ اپریل کو جامعہ کے سالانہ ورزشی کھیلوں کا آخری مقابلہ تھا اور اسی دن تقسیم انعامات کا جلسہ بھی تھا۔ کوئی ہفتہ بھر سے صبح و شام برابر ورزشی کھیلوں کے مشق و مقابلے جاری تھے۔ آج اس کا آخری مقابلہ تھا جس میں بعض بعض کھیل نہایت دلچسپ تھے اور جو دیکھنے والوں کے لئے انتہائی مسرت و دلچسپی کا باعث ثابت ہوئے۔ ان کھیلوں میں سب سے دلچسپ چیز اساتذہ کی دوڑ تھی، جس میں شیخ و شاب سب نے حصہ لیا اگرچہ انعام کا مستحق صرف شیخ جامعہ کو قرار دیا گیا۔ آخر میں جناب بیگم صاحبہ مولانا محمد علی نے انعامات تقسیم فرمائے۔

اپریل کے آخری ہفتہ میں مولانا ابوالکلام صاحب اپنی کسی ضرورت سے دہلی تشریف لائے ہوئے تھے اس سلسلہ میں آپکو ایک روز طلبائے کالج نے جامعہ تشریف لانے کی بھی تکلیف دی اور انجمن اتحاد کے ماتحت ایک جلسہ منعقد کیا تاکہ طلبہ و اساتذہ میں سے جو صاحب چاہیں مولانا سے موجودہ تحریک کے متعلق تبادلہ خیال کریں بعض حضرات نے اپنے شکوک و شبہات رفع کرنے چاہے۔ اس کے بعد خود مولانا نے موجودہ تحریک میں شرکت کے متعلق اپنے قیمتی خیالات کا اظہار فرمایا۔

بغداد

(بہشت آباد، دار السلام، مدینۃ السلام، ام الدنیا، سیدۃ البلاد)

ہے زیارت گاہ مسلم گو جہان آباد بھی
اس کرامت کا مگر حقدار ہے بغداد بھی

یہ چمن وہ ہے کہ تھا جس کے لئے سامان ناز
لالۂ صحرائے یثرب، یعنی تہذیب حجاز

خاک اس بستی کی ہو کیونکر نہ ہمدوش ارم
جس نے دیکھے جانشینان پیمبر کے قدم

جس کے غنچے تھے چمن ساماں وہ گلشن ہے یہی
کانپتا تھا جن سے روما ان کا مدفن ہے یہی (اقبال)

بغداد کا نام کس نے نہیں سنا؟ غوث اعظم حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رح کا مدفن، خلفائے عباسیہ کا پایہ تخت اور اسلامی تہذیب و تمدن کا شاندار مرکز، بغداد کسی زمانے میں دنیا کا سب سے زیادہ عظیم الشان اور سب سے زیادہ پر رونق شہر تھا۔

ہندوستان کے مغربی ساحل سے لیکر جزیرہ نمائے عرب کے کناروں تک جو وسیع سمندر موجزن ہے اس کا ایک گوشہ ایران اور عمان کے سواحل کو قطع کرتے ہوئے تقریباً ۰۰ میل تک شمال میں پھیلا گیا ہے۔ پانی کا یہ قطعہ جو ابتدا میں بحر عمان اور آگے چلکر خلیج فارس کے نام سے موسوم ہے دنیا میں موتیوں کا سب سے بڑا مخزن ہے۔ جہاں خلیج فارس کی شمالی حد ختم ہوتی ہے وہیں دجلہ و فرات کا دہانہ ہے جو سمندر میں گرنے سے پہلے ایک دوسرے سے ملجاتے ہیں اور اس طرح ایک دریا بن کر شط العرب کہلاتے ہیں۔ شط العرب کے کنارے کنارے ایک نہایت ہی سرسبز و شاداب میدان قائم ہے جس کا سلسلہ مشرق میں ایران کے جنوب مغربی پہاڑوں اور مغرب میں عرب کے مشرقی صحراؤں سے ملگیا ہے۔ وہ شط العرب سے ٹھیک ۰ میل شمال میں دجلہ و فرات کا سنگم ہے جہاں سے مغربی ایشیا کا وہ مشہور رود آب شروع ہوتا ہے جس کی شمالی حد جبال کردستان اور سلسلہ طارس کی جنوبی شاخوں پر ختم ہو جاتی ہے۔ علماء کا خیال ہے کہ دنیا میں تہذیب و شائستگی کی ابتدا سب سے پہلے اسی خطے میں ہوئی یہیں دنیائے قدیم کا سب سے بڑا شہر بابل آباد ہوا۔ قدیم سومری، بابلی، اشوری اور کلدانی تمدن اسی سرزمین سے تعلق رکھتے تھے اور یہیں کیانی اور اشکانی قدیم ایرانی قومیں، یونان و روما کے شمشیر زن قیصر و کسریٰ اور بادیہ نشینان عرب دنیا کی حکومت کے لئے ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوئے۔ میسوپوٹیمیا، عراق اور الجزیرہ، ارض نہرین، ارض فرات اور ارض بابل سواد، کلدانیہ اور اسیریا اسی عظیم الشان قطعہ ارضی یا اس کے کسی ایک حصہ کے مختلف نام ہیں۔

ظہور اسلام کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے دنیا کی حکومت مسلمانوں کو عطا کی اور انکو تمام روئے زمین کا وارث ٹہرایا تو سب سے پہلے انکا قبضہ جن علاقوں پر ہوا ان میں سے ایک عراق تھا اور دوسرا شام۔ عراق اور شام عربوں کی دو نہایت ہی محبوب سرزمینیں ہیں جن کو وہ اپنے خشک اور بے آب و گیاہ ریگستانوں کے مقابلے میں "جنت ارضی" کے نام سے تعبیر کرتے تھے۔ زمانہ قدیم ہی سے عراق کے سرسبز مرغزار اور شام کی دلفریب وادیاں انکو اپنی طرف کھینچتی تھیں۔ اسلام نے نہ صرف ان کی اس تمنا کو پورا کیا بلکہ خلفائے راشدین کے آخری عہد میں جب مسلمانوں میں باہم طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہوئیں اور خلافت راشدہ کی بجائے بنو امیہ کی حکومت قائم ہوئی تو مسلمانوں کا دار الحکومت بھی بدل گیا اور امیر معاویہ نے مدینہ منورہ کی بجائے دمشق کو اپنا پایہ تخت قرار دیا۔ لیکن بنو امیہ کی سلطنت بہت دیر تک قائم نہیں رہی۔ ابھی ایک صدی بھی گذرنے نہیں پائی تھی کہ حکومت میں انقلاب ہوا اور دنیائے اسلام میں عباسی خلافت کا دور شروع ہوا۔

اگر عراق اور شام کا باہم مقابلہ کیا جائے تو یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوگا کہ دونوں میں کون بہتر ہے۔ جہاں تک حسن مناظر اور آب و ہوا کا تعلق ہے شام کا درجہ یقیناً عراق سے بڑھ کر ہے لیکن کثرت پیداوار اور شادابی اور زرخیزی کے اعتبار سے شام کو عراق سے کوئی نسبت نہیں۔ عراق میں کوئی ایسی وادی

نہیں جو غوطۂ دمشق کی دلفریبیوں کا مقابلہ کر سکے۔ نہ عراق میں اونچے اونچے کوہستانوں کی برف آلود چوٹیاں ہیں نہ انکے سرسبز اور پرفضا دامن۔ نہ وہاں سمندر کا کوئی خوبصورت کنارا ہے نہ اس کی فرحت بخش اور معتدل ہوائیں۔ عراق کی آب و ہوا بھی کچھ بہت اچھی نہیں۔ بعض حصے نہایت گرم ہیں اور بعض نہایت سرد۔ یہ صحیح ہے کہ عراق کی چھوٹی چھوٹی سرسبز پہاڑیوں کے نشیب و فراز، دجلہ اور فرات کے پیچ و خم اور کھجوروں کے جھنڈ، ارباب ذوق کے لئے اچھے خاصے دلکش مناظر پیدا کر دیتے ہیں لیکن یہاں وہ سرد و شیریں چشمے اور میووں اور پھولوں کے باغات کہاں جن کو شام میں قدم قدم پر دیکھکر جنت الفردوس کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ بایں ہمہ عراق کی تاریخی وسعت، عراق کی دولت اور پیداوار اور عراق کی تاریخی اہمیت شام سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ عباسی یوں بھی اپنے حالات سے مجبور تھے کہ وہ اسی سرزمین کو اپنا مستقر بناتے۔

بغداد کی بنا اور اسکی توسیع

بغداد ایک ایرانی نفظ ہے جس کے متعلق مورخین نے طرح طرح کی روایات بیان کی ہیں۔ البتہ جہاں تک شہر بغداد کا تعلق ہے یہ امر مسلمہ ہے کہ ظہور اسلام سے بہت پہلے ایران کے قدیم دارالسلطنت مدائن سے ۳۰ میل شمال کی جانب دریائے دجلہ کے کنارے ایک چھوٹی سی بستی موجود تھی جہاں ایرانی آبادی کے علاوہ ایک مسیحی دیر بھی قائم تھا اور جس کی عمدگی ہوا اور صفائے آب کی ہر شخص تعریف کرتا تھا چنانچہ ۷۶۲ء میں جب دوسرے عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور کو ایک ایسے مقام کی ضرورت محسوس ہوئی جو صحیح معنوں میں دولت عباسیہ کا پایۂ تخت بن سکتا تو اس کی نظر انتخاب بھی بغداد ہی پر پڑی۔ عراق میں بڑے بڑے شہروں کی کمی نہیں تھی لیکن بابل و سلوقیہ پہلے ہی سے مٹ گئے تھے۔ مدائن کی عظمت کا آفتاب غروب ہو چکا تھا اور کوفہ، بصرہ اور واسط نو تعمیر عربی شہر نہ موقع کے لحاظ سے بہت زیادہ موزوں تھے نہ وہاں کے باشندوں کو عباسیوں سے کوئی خاص ہمدردی تھی بلکہ کوفہ اور اہل کوفہ سے تو انکو ہمیشہ خطرہ رہتا تھا۔ انبار اور ہاشمیہ جہاں اس اثنا میں عباسیوں کا قیام رہا اپنے اندر کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتے تھے لیکن بغداد عراق کے قدیم مراکز تمدن یعنی بابل سلوقیہ اور مدائن کے جوار میں ایک ایسے مقام پر آباد تھا جہاں سے بیک وقت عرب اور ایران دونوں کی حفاظت ہو سکتی تھی اور جو دنیائے اسلام کے عین وسط میں ایک اعلیٰ درجے کے تجارتی شاہراہ پر واقع تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب اس مختصر سی بستی کو اس اولوالعزم اور بلند نظر قوم کی سکونت کا شرف حاصل ہوا جو اپنے زمانے میں دنیا کی سب سے زیادہ طاقتور، سب سے زیادہ دولتمند، سب سے زیادہ پرشوکت اور سب سے زیادہ مہذب، شائستہ، ذی علم اور ذی ہنر قوم تھی تو بغداد بھی ایک چھوٹے سے قصبے کی بجائے دنیا کا سب سے بڑا شہر بن گیا۔ اپنے زمانہ عروج میں بغداد تمام دنیائے اسلام کا سیاسی مرکز، اقوام عالم کا زیارت گاہ، تہذیب و تمدن کا گہوارہ، علم و حکمت کا سرچشمہ اور دولت و تجارت کا مخزن تھا۔ اس کی شہرت اقصائے عالم میں ہر طرف پھیلی ہوئی تھی اور لوگ اس کو دارالسلام، بہشت آباد، ام الدنیا، سیدۃ البلاد، الزوراء (بل کھاتا ہوا) اور طرح طرح کے شاندار القاب سے یاد کرتے تھے۔

سب سے پہلا سلسلۂ عمارات جو عربوں نے سرزمین بغداد میں تعمیر کیا وہ مستدیر، گول، شہر تھا جس کا سنگ بنیاد خود خلیفہ منصور نے ان الفاظ کیساتھ رکھا " بسم اللہ والحمد للہ والارض للہ یورثہا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین" اور جو آگے چلکر مدینۃ المنصور کے نام سے موسوم ہوا۔ مدینۃ المنصور دجلہ کے مغربی کنارے پر واقع تھا اور اسکی قطع یہ تھی کہ ایک مدور قطعہ زمین پر یکے بعد دیگرے تین فصیلیں قائم ہوئیں جن کے باہر ایک گہری خندق موجود تھی۔ ان فصیلوں میں ایک دوسرے کے متقابل چار دروازے بنائے گئے جن کے جلوخانوں میں ہر وقت پہرہ داروں اور محافظین کے دستے موجود رہتے تھے۔ ان چار دروازوں کے نام یہ ہیں۔ باب کوفہ، باب بصرہ، باب خراسان اور باب شام۔ ہر دروازے کے سامنے ایک پل تھا اور ہر دروازے سے متقابل کے دروازے کو ایک سیدھی سڑک گئی تھی جس سے پورا شہر چار ربع دائروں میں تقسیم ہو گیا۔ ہر ربع دائرے میں فصیلوں کے ساتھ ساتھ رعایا کے مکانات اور بازار تعمیر ہوئے لیکن وسط میں ایک نہایت وسیع میدان چھوڑ دیا گیا جس کے ارد گرد دفاتر حکومت اور امرا کی حویلیوں کی بنا پڑی۔ وسطی رقبہ ایوان خلافت کے لئے مخصوص تھا جہاں خلیفہ منصور نے جامع بغداد کے علاوہ وہ مشہور قصر تیار کیا جو باب الذہب یا قبۃ الخضرا کے نام سے مشہور ہوا قبۃ الخضرا "یعنی سبز گنبد" اس لئے کہ اس عظیم الشان قصر پر جو گنبد تعمیر ہوا اس کا رنگ سبز تھا۔ قبہ خضرا پر ایک عرب سوار کا مجسمہ بھی تھا جو گویا اپنے ہاتھ میں تلوار لئے چار دانگ عالم میں عباسیوں کے جاہ و جلال اور ان کی عظمت و سطوت کا

اعلان کرتا تھا۔

ابتک منصور کا ارادہ صرف یہ تھا کہ وہ اپنے لئے ایک نہایت ہی مستحکم دارالحکومت تیار کرے لیکن مدینۃ المنصور کی تکمیل کے بعد آبادی کی یہ کثرت ہوئی کہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد خود خلیفہ منصور نے دجلہ کے مشرقی کنارے پر ایک اور قصر یعنی قصر الخلد تعمیر کیا لیکن منصور کی تعمیرات یہیں ختم نہیں ہوگئیں [illegible]ء میں اس نے ولیعہد حکومت شہزادہ محمد المہدی کے ساتھ ملکر قصر خلد کے قریب قصر رصافہ کی بنا رکھی یہ گویا بغداد کی وسعت اور ترقی کی ابتدا تھی۔ اس لئے کہ ب برامکہ نے قصر خلد اور قصر رصافہ کے درمیان دریا کے کنارے کنارے وہ سلسلہ ایوانات تعمیر کرانا شروع کیا جو آگے چلکر قصر خلافت کے نام سے موسوم ہوا اور جس میں قصر جعفری یا قصر حسنی، قصر تاج اور قصر فردوس نہایت عظیم الشان محل تھے۔ لیکن مشرقی بغداد کی ترقی کیساتھ مغربی بغداد بھی پیچھے نہیں رہا۔ یہاں مدینۃ المنصور کے بابہ بغداد کے مختلف حصے یعنی الکرخ۔ الشرقیہ، قطربل، الحربیہ، القریتہ اور مدینۃ العتیق وغیرہ آباد ہوئے۔ اور خلیفہ ہارون رشید نے دار القرار یعنی اپنی مشہور ملکہ زبیدہ خاتون کے لئے ایک نہایت خوبصورت ایوان تیار کرایا۔ بغداد کے ان مختلف حصوں کے اردگرد اور انکے اندر بے شمار نہریں بہتی تھیں مثلاً نہر طاق، نہر عیسیٰ، نہر الدجاج نہر الصراۃ، نہر الفضل، نہر الجعفر اور نہر البزازین انکے ساتھ ساتھ بغداد کے ان مضافات کی وسعت بیل پڑی جن کو عرب "ارباض" کہتے تھے گویا ایک ہی صدی کے اندر بغداد کا رقبہ میلوں تک پھیل گیا اور اس کی آبادی لاکھوں تک پہنچ گئی جس میں عرب، ایرانی، رومی، ترک، کرد، ارمن، سندھی، ہندی، چینی، زنگی، حبشی ہر قسم کی مخلوق موجود تھی۔

بغداد کا عروج وزوال

عربی قصص کی مشہور کتاب الف لیلہ بغداد کی عظمت وشوکت کی نہایت صحیح تصویر ہے جب ہم الف لیلہ کے افسانوں میں اس عجیب وغریب شہر کے حالات پڑھتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم کسی خیالی دنیا کی سیر کر رہے ہیں لیکن حیرتناک امر یہ ہے کہ ہماری تمام تاریخی معلومات سے بھی انہی تعجب خیز افسانوں کی تائید ہوتی ہے۔ ایک جرمن مؤرخ کا قول ہے کہ بغداد کی زندگی کے مطالعہ میں ہم جس پہلو پر غور کرتے ہیں ہمیں ایسی چیزوں سے سابقہ پڑتا ہے جن کو ہم اپنے زعم میں عہد جدید کا نتیجہ سمجھتے ہیں، ایک دوسرے مؤرخ نے لکھا ہے " اس زمانے میں بغداد کو علم وحکمت اور تہذیب وتمدن سے وہی نسبت تھی جواب یورپ کو ہے " اس میں کوئی شک نہیں کہ اسوقت آج کل کی بہت سی مفید اور نادر ایجادات موجود نہیں تھیں لیکن اگر لندن اور پیرس کے جگمگاتے ہوئے تماشا گاہوں اور موٹروں اور ٹریم گاڑیوں کے ہجوم سے قطع نظر کرلیجائے یا ہم یورپ اور امریکہ کے ان عظیم الشان کارخانوں کا خیال نہ کریں جن کو دیکھکر انسان کی عقل دنگ رہجاتی ہے تو پھر دنیا کا کوئی شہر بغداد کا مقابلہ نہیں کرسکیگا۔ نہ کبھی روما اور قسطنطنیہ یا دنیائے قدیم کے کسی اور شہر کو تنہا مشرق ومغرب کی حکمرانی نصیب ہوئی نہ آج کسی شہر کو یہ فخر حاصل ہو بغداد بجائے خود ایک چھوٹی سی دنیا تھا جس میں سارے عالم کی روح کھنچ آئی تھی۔

مورخین کا بیان ہے کہ بغداد کی آبادی بیس لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔ انہوں نے بغداد کی مساجد، بغداد کے ایوان وقصور اور بغداد کے حماموں، کارواں سرائیوں اور ہوٹلوں (جن کو عرب خان کہتے تھے) کی تعداد ہزاروں میں بیان کی ہے جب کبھی ہم اس پُر رونق شہر کی بیشمار گذرگاہوں اور لاتعداد عمارات کا خیال کرتے ہیں جو دریائے دجلہ کے بل کھاتے ہوئے کناروں کے ساتھ ساتھ ہرے بھرے درختوں کے جھنڈ میں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں اور جن میں تھوڑے تھوڑے فاصلے کے درمیان دارالخلافہ اسلام کے سربفلک ایوانات، عالیشان مساجد اور بڑے بڑے وسیع کتب خانوں، خانقاہوں اور شفاخانوں کے ہزارہا کنگورے، گنبد اور مینار آسمان سے باتیں کرتے ہوئے نظر آتے تھے تو ہمارے دل پر ایک عجیب وغریب کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ انسان تصور نہیں کرسکتا کہ کس طرح بغداد کے پُر فضا باغات اور اس کی دلکش نزہت گاہوں میں وہاں کے خوش مذاق اور بذلہ سنج شہریوں کا جمگھٹا رہتا ہوگا۔ بغداد کی وسیع شاہراہیں جو دنیائے اسلام کے دور دراز حصوں کو گئی تھیں ہمیشہ قافلہائے تجارت سے پُر رہتی تھیں۔ اس کے لاانتہا بازاروں اور آراستہ پیراستہ دکانوں پر دنیا بھر کے تاجر جمع رہتے تھے۔ شہر کا ہر بازار کسی ایک تجارت کے لئے مخصوص تھا۔ ایک بازار میں چینی مصنوعات بکتی تھیں، ایک میں سمور، ریشم، مچھلی کی ہڈیوں، چرمی سامان، موم، تیر اور اسلحہ کی خرید وفروخت رہتی تھی۔ کہیں دیبا حریر، جواہرات اور آئینوں کی تجارت ہوتی تھی۔ کہیں غلاموں کی منڈی

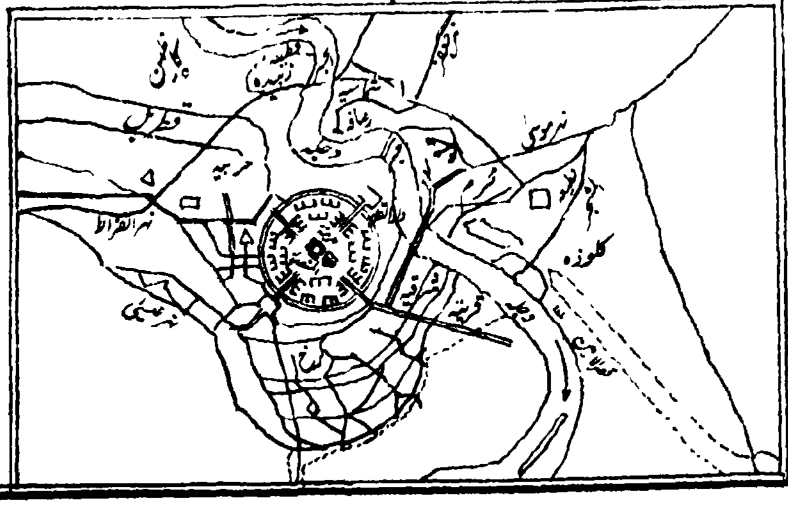
تھی۔ شہر کے ہر حصے میں طرح طرح کے کارخانے موجود تھے۔ ٹھٹھیرسازی، شیشہ سازی، دھات کا کام، جھاڑ اور فانوس، شیشے اور پتھر کے برتن، زربفت، مخمل، ریشمیں کپڑا، شجر، تصاویر اور مجسمے، کاغذ، عطریات، قالین، گھڑیاں، مختلف قسم کے آلات اور ساز سب بغداد ہی میں تیار ہوتے تھے۔ اس پیچ در پیچ گلی کوچوں، دریلوں، ریا ئے دجلہ پر تین چوبی پل قائم تھے) میں دن رات خلقت کا اژدہام رہتا تھا۔ عورتیں بھی بلا تکلف گھروں سے باہر نکلتی تھیں۔ لوگ یا تو پیدل چلتے تھے یا خچروں پر سوار ہوتے تھے یا کشتیوں میں بیٹھ کر راستہ طے کرتے تھے۔ دریائے دجلہ میں چھوٹے بڑے ڈونگے، جنگی اور تجارتی سفینے اور امراء کے تفریحی مراکب ہمیشہ موجود رہتے تھے۔ انہیں میں خلیفہ امین کی وہ پانچ اعجوبۂ روزگار کشتیاں بھی تھیں جن میں سے ایک کی شکل شیر کی سی تھی، ایک کی ہاتھی، ایک کی سانپ، ایک کی گھوڑے اور ایک کی عقاب کی سی۔

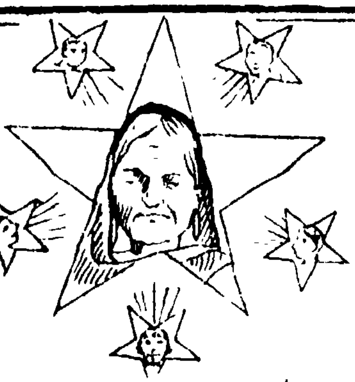
دیوان اعظم یعنی بارگاہ خلافت کی شان و شوکت انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ یہاں دنیا بھر کے ارباب سیاست، امراء، وزراء، قاضی اور مفتی، فقیہ اور محتسب اپنا اپنا درباری لباس پہنے شب و روز معاملات حکومت میں منہمک رہتے تھے۔ خلفاء کے جاہ و ثروت اور ان کے درباروں کی شہرت ساری دنیا میں پھیلی ہوئی تھی لیکن بغداد کی شان و شوکت کچھ اس کی عشرت گاہوں پر ہی موقوف نہیں تھی۔ یہ صحیح ہے کہ بغداد کی موسیقی، بغداد کا ذوق جمال، بغداد کے رقص و سرود اور بغداد کی شعر و شاعری کی نظیر کہیں دنیا میں نہیں ملتی تھی لیکن بغداد علم و فضل کا گہوارہ اور ہدایت و ارشاد کا سرچشمہ بھی تھا۔ دنیائے اسلام کے بڑے بڑے فقیہ، محدث، صوفی، متکلم، سائنسدان اور فلسفی بغداد ہی کی خاک سے پیدا ہوئے اور یہ بغداد ہی کی درگاہیں اور بغداد ہی کے زاویے اور تکیے تھے جہاں سے علم و حکمت کی شعاعیں نکل کر ساری دنیا میں پھیلیں۔

افسوس ہے کہ دنیائے اسلام کی یہ سب سے بڑی یادگار دیکھتے ہی دیکھتے مٹ گئی۔ ٹھیک ۵۰۰ سال کی عظمت و جلال کے بعد خون آشام تاتاریوں کا وہ سیلاب اٹھا جس کو مسلمانوں نے قیامت صغریٰ کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ ۱۲۵۸ء میں ہلاکو خاں ایک مختصر سے محاصرے کے بعد بغداد میں داخل ہوا اور اس کے بے درد اور سفاک ہمراہیوں نے بغداد کے گلی کوچوں میں خون کے دریا بہا دئے۔ عباسی خلافت مٹ گئی اور اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کے عروج و اقبال کا خاتمہ ہو گیا۔

اس منحوس ساعت کے کچھ دنوں بعد تاتاری مسلمان ہو گئے، اور خود بغداد بھی ترکوں کے قبضے میں آ گیا لیکن اس کی وہ کھوئی ہوئی عظمت پھر زندہ نہ ہو سکی۔ موجودہ بغداد دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر آباد ہے اور اس کے ارد گرد چند ٹوٹی پھوٹی عمارتوں اور خشت و سنگ کے ایک ڈھیر کے سوا اور کچھ نہیں۔ خیر یہ جو کچھ تھا غنیمت تھا لیکن غضب یہ ہوا کہ ۱۹۱۴ء میں جب ترک اتحادیوں کے خلاف جنگ میں شریک ہوئے تو دو ڈھائی سال کی بدلتی ہوئی کامیابیوں کے بعد بغداد بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اس المناک حادثے کی خبر ہندوستان میں پہنچی تو مولانا حسرت نے برجستہ ایک شعر کہا جس نے گویا بلبل شیراز کے مرثیہ بغداد کی تکمیل کر دی۔ مولانا کہتے ہیں۔

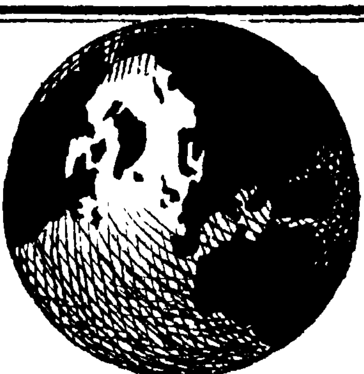
شاہ جیلاں سے یہ حسرت عرض ہو اسلام کی
یوں نہ ہونا چاہیے تھا فیصلہ بغداد کا





قصے کہانیاں

آدمی کی کہانی
ایک ستارہ کی زبانی

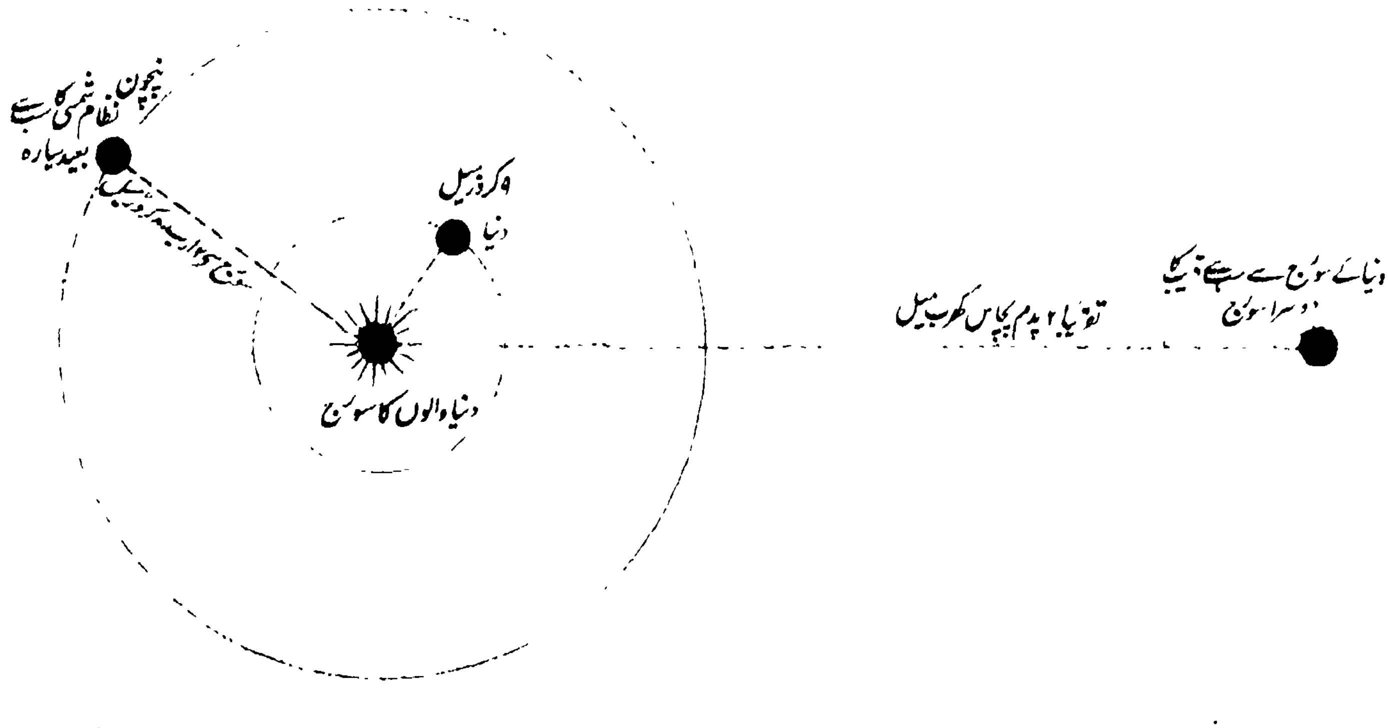


رات کو جب بدلی اور کہرہ نہ ہو تو نیلے نیلے آسمان میں چھوٹے بڑے ستارے کیسے چمکیلے ہوتے ہیں اور کس مزہ سے چم چم، تم تم کرتے ہیں۔ یوں تو معلوم ہوتا ہے کہ سب کے سب کسی جوہری نے ایک خوبصورت نیلے رنگ کے گنبد میں جڑ دئے ہیں۔ مگر لوگوں نے پتہ چلا لیا ہے کہ ان میں سے کوئی ہم سے نزدیک ہے کوئی دور۔ مگر نزدیک والے بھی ہم سے اتنے دور ہیں کہ اگر میلوں کوسوں میں انکا فاصلہ بتایا جائے تو سمجھ میں نہیں آتا اور جو دور ہیں انکا تو کہنا ہی کیا۔ خوبی کھربوں پدموں کوس تک ستاروں کی یہ آبادی چلی گئی ہے اور سب اپنی بلندی سے ہر وقت ہمارا حال دیکھتے ہیں۔ ہماری آواز تو شاید ان تک نہیں پہنچتی ہوگی مگر دیکھتے دیکھتے انہیں ایسی اٹکل ہوگئی ہے کہ ہمارے چہرے مہرے اور ہمارے ہونٹوں کی حرکت سے یہ ہمارا سب حال سمجھ جاتے ہیں اور ہمارے دل تک کی باتیں جان جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض کو تو دنیا کا تماشا، ہمارا کھیل کود، ہمارا کام کاج، ہماری لڑائی بھڑائی دیکھنے میں ایسا مزہ آنے لگا ہے کہ اگر کبھی تھوڑی دیر کو بھی اسے نہیں دیکھ پاتے تو بے چین ہونے لگتے ہیں۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ برسات کے بادل کئی دن سے ہماری زمین پر چھائے ہوئے تھے۔ ادھر ستاروں کا ایک جھنڈ جس میں بہت سے ننھے ننھے تارے بھی تھے ہمارا تماشا دیکھنے کو بیتاب تھا۔ جب کئی دن تک بادل نہ چھٹے تو ان سب ننھے ننھے تاروں نے مل کر اپنی نانی اماں سے جو ایک کونے میں بیٹھی چرخہ کات رہی تھیں کہا "نانی اماں، نانی اماں اب تو یہاں جی گھبراتا ہے۔ دیکھو کتنے دن سے ان چھوٹے چھوٹے دو پاؤں والوں کا تماشا بھی نہیں دکھائی دیتا۔ نانی اماں کوئی کہانی ہی سناؤ جو وقت کٹے" نانی اماں بولیں "اچھا بچو، اچھا۔ میں ذرا دو پونیاں کات لوں۔ پھر کہانی سناتی ہوں"۔ "نہیں نہیں، نانی اماں، تم جانے دو پونیاں کتنی دیر میں کات پاؤ گی۔ اب گھڑی گھڑی تو تمہارا دھاگا ٹوٹ ٹوٹ جاتا ہے۔ نانی اماں، کاتتی بھی جاؤ اور کہانی بھی کہتی جاؤ" بڑی بی نے کہا "بیٹا، ایسی بھی کیا بے صبری۔ میں ابھی دم بھر میں یہ دونوں پونیاں کات لونگی۔ اور پھر کہانی شروع کر دوں گی"۔ "نہیں نانی اماں نہیں" سب چلائے "ہمارا تو جی گھبراتا ہے" نانی اماں مسکرائیں اور کہا "اچھا تمہاری خوشی۔ تو پھر میں کاتے جاؤں گی اور کہانی بھی کہتی جاؤں گی۔ مگر سن لو ابھی سے میری نگاہ ذرا ٹھیک نہیں رہی ہے نئی پونی سے دھاگا نکالنے میں یا تو تار ٹوٹ جاتا ہے یا زیادہ بل کھا جاتا ہے۔ اس میں مجھے ذرا دیر لگتی ہے۔ تو تم جانو۔ کہانی اتنی دیر رک جایا کرے گی" چرخہ چلا کہ نانی اماں رکو مت" سب نے کہا "ہاں ہاں اتنی دیر کو رک جایا کرے ہم چپ رہیں گے۔ مگر نانی اماں یہ تو بتاؤ کونسی کہانی سناؤ گی؟" نانی اماں نے کہا "اچھا آج تمہیں ان دو پاؤں والوں کی کہانی سناؤں جو اس چھوٹے سے گولے پر ادھر ادھر بھدکتے پھرتے ہیں۔ اس کہانی کا نام ہے 'آدمی کی کہانی'" "ہاں، ہاں ضرور نانی اماں سچ سچ بتاؤ تو، یہ ہیں کون لوگ اور یہ چھوٹا سا گولا جس پر یہ بستے ہیں کیا ہے" نانی اماں نے کہا "اچھا سنو، یہ جو گولا تمہیں چھوٹا سا نظر آتا ہے یہ اتنا چھوٹا نہیں جتنا تم سمجھتے ہو۔ ہم لوگ اس سے بہت دور ہیں اس لئے یہ اتنا ننھا سا لگتا ہے۔ دیکھو میری جو یہ بڑی بڑی پونیاں ہیں ان میں سے ایک پونی سے میں ۰۰ ۵ میل لمبا تاگا کاتتی ہوں۔ ایسے اسی ۵ تار پچاس پونیوں سے نکالوں تب کہیں اتنا بڑا تاگہ بنے کہ اس گولے کے اردگرد لپیٹ سکیں۔ تم اتنا حساب تو جانتے ہی ہو پانچ پانچ سو

میل کے لمبے تار ملاؤ تو پچیس ہزار میل لمبا رہے گا۔ ہاں تو اس گولے کے چاروں طرف ۲۵ ہزار میل کا تاگہ لپیٹ سکتا ہے اور میری پرنانی کہتی تھیں کہ ایک دفعہ ہمارے پڑوس کے ایک جن کو غصہ آیا تھا تو اس نے اس گولہ پر ایک بہت بڑا تیر چلایا تھا ایسا کہ زمین کے بیچ سے ادھر رہو ایک سرا ادھر ہو ایک سرا ادھر۔ پرنانی کہتی تھیں کہ وہ تیر کوئی ۸ ہزار میل کا تھا۔ تو بس گولے کے گرد ۲۵ ہزار میل کا تیر باندھ دیا ہے وہ خاصہ بڑا گولہ ہوا۔ اس پر ننھے ننھے سے دو پاؤں والے رہتے ہیں ان میں سے کروڑوں تو ایسے ہیں جو اپنے گھر دس پانچ کوس سے زیادہ ادھر ادھر نہیں گئے۔ اور دو ایسے بہت گئے تو دو چار ہزار میل۔ اب کہیں پچھلے دنوں میں ان میں سے بعض نے بہت چلنا پھرنا شروع کیا ہے تو بعض لوگ ایسے بھی ہیں جنھوں نے سارے گولے کی سیر کر لی ہے۔ ہاں تو یہ ذرا ذرا سے لوگ سمجھا کرتے تھے کہ ہماری زمین ایک چپٹا سا میدان ہے جس کے گرداگرد سمندر کا پانی ہے۔ مگر اب انہیں بھی پتہ چل گیا ہے کہ ان کی زمین گول ہے اور دوسرے بہتیرے سیاروں کی طرح بڑے سے سورج کے گرد گھومتی ہے۔ پرنانی بتاتی تھیں کہ زمین اور سورج کے بیچ میں کوئی نو کروڑ میل کا فاصلہ ہے۔ زمین جیسے ۱۱ ہزار گولے ملا ملا کر رکھو تو کہیں جا کر زمین سے سورج تک پہنچ سکو۔ اور ہم تم تو کیا بتاؤں ان لوگوں سے کتنے دور ہیں۔ ہمارا تو اتنے سورج تک سے کوئی واسطہ نہیں، ہمارا اپنا سورج ہی الگ اور ہماری ساری دنیا ہی اور ہے۔ اور ایسی ایسی نہ جانے کتنی کروڑوں اربوں دنیائیں ہیں۔ البتہ ہمارا سورج ان زمین والوں کے سورج سے جتنا نزدیک ہے اور کسی دنیا کا سورج اتنا قریب نہیں۔ پھر بھی تم جانتے ہو ہم ان لوگوں سے کتنے دور ہیں؟۔

"نہیں نانی اماں ہم کیا جانیں۔ تم بتاؤ!" چھوٹے چھوٹے تاروں نے کہا "دیکھو میں نے تمہیں سورج اور زمین کا فاصلہ تو بتا دیا۔ جتنا فاصلہ زمین اور زمین والوں کے سورج میں ہے۔ ویسے ویسے ۲۵ لاکھ فاصلے ہم میں اور ان میں ہیں! اور ہم ان سے اور دنیاؤں کے مقابلہ میں سب سے نزدیک ہیں۔ جو حکمت اور قدرت والا ان کی، ہماری اور ساری ان گنت دنیاؤں کی دیکھ بھال کرتا ہے جو خود ہمیں بھی اس بلندی سے دکھائی نہیں دیتیں اس لئے اس چھوٹے سے گولے (زمین) پر ان دو پاؤں والے جانوروں کو بنایا ہے کہ اسپر چلیں پھریں اور اسکے احکام بجا لائیں"



سعیدہ کی امّاں

سعیدہ کی ماں بہت دنوں سے بیمار تھی۔ بخار، کھانسی، کبھی ہاتھ پاؤں میں درد، کبھی پیٹ میں، کبھی پیٹھ میں۔ بہت دنوں تک حکیموں کا علاج ہوتا رہا۔ کسی نہ کسی چیز کو تو فائدہ ضرور ہوتا تھا لیکن بیماری کا سلسلہ تھا کہ چلا جاتا تھا۔ ایک چیز جاتی دوسری آجاتی، کمزوری بہت بڑھ گئی تھی، چہرہ ایسا پیلا پڑ گیا تھا جیسے پیلی پٹی کا پھول۔ حکیموں نے کہا تھا بس یوں ہو کہ بند ہی کر دیا تھا گرمی ابھی خاصی تھی لیکن حکیم جی کا علاج تھا وہ ہوا سے بہت ڈرتے تھے۔ اس لئے ایک چھوٹے سے کمرہ میں انہیں رکھوایا تھا اور سب کھڑکیاں اور کواڑ بند رکھنے کی تاکید کر دی تھی۔

جب کمزوری برابر بڑھتی گئی تو عزیزوں، پڑوسیوں نے کہا کہ بھائی ڈاکٹر انصاری صاحب کا علاج کراؤ۔ مانا ان کی فیس زیادہ ہے، نسخہ میں دوائیاں بھی بہت مہنگی لکھتے ہیں، مگر جان ہے تو جہان ہے۔ سعیدہ کی ماں بیچاری غریب عورت تھی۔ اسی لئے ڈاکٹر صاحب کا علاج شروع سے نہ کیا تھا، مگر جان بہت پیاری ہوتی ہے۔ کہا اچھا کچھ گہنا بیچوں گی، اور ڈاکٹر صاحب ہی کا علاج کروں گی۔

ڈاکٹر صاحب کئی دن کے انتظار کے بعد آئے۔ کوئی آدھ گھنٹہ تک حال سنا اور دیکھا بھالا اور نسخہ لکھ کر چلے گئے۔ سعیدہ کی خالہ نے پوچھا "اور ڈاکٹر صاحب کھانے کو؟" ڈاکٹر صاحب نے کہا جو انکا جی چاہے کھلاؤ۔ ہلکا، شوربہ، دودھ، انار کا عرق، انگور کا عرق۔

سعیدہ اندر سے پان لے کر آئی، چوکھٹ میں ٹھوکر لگی تو پان کی تھالی وہ جا کر گری، سعیدہ زور زور سے رونے لگی۔ ڈاکٹر صاحب نے سعیدہ کو اٹھا لیا اور چلنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ سعیدہ کی خالہ نے اندر سے کہا کہ ڈاکٹر صاحب ذرا تشریف رکھئے اور پان بھیجتی ہوں۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا میں تو پان کھاتا ہی نہیں ہوں۔ آپ پان کی تکلیف نہ کریں البتہ یہ جو آپ اس کوٹھری میں مریضہ کے ساتھ بند ہیں اور نہ معلوم آپ کے ساتھ کتنے تیمار دار اسی ڈبہ میں قید ہیں، یہ ٹھیک نہیں۔ انہیں بڑے کمرے میں رکھئے، کھڑکیاں سب کھلی رہیں اور ۱۰ بجے سے ۴ بجے تک انہیں ہر روز دھوپ میں تکیہ کی ٹیک دے کر بٹھایا کیجئے۔ دیکھئے بھولئے گا نہیں یہ دوا سے زیادہ ضروری ہے۔"

ڈاکٹر صاحب یہ کہہ کر چلے گئے۔ گھر میں اڑوس پڑوس کی نہ جانے کتنی بڑھیاں ہر وقت جمع رہتی تھیں۔ انمیں ایک سے ایک بقراط، کوئی کہتی ہے یہ موئے ڈاکٹر کیا جانیں ہوا میں بٹھانے کو کہہ گئے۔ کھانسی کا یہ حال اور دروازے کھلے رکھو۔ بخار روز آتا ہے دھوپ میں بیٹھو۔ سعیدہ کی ماں کو یہ بحث اچھی نہیں لگتی تھی۔ دو ایک مرتبہ اس کے ماتھے پر کچھ شکنیں پڑیں۔ پھر کراہ کر اس نے کروٹ بدل لی۔ لیکن بڑھیاں ڈاکٹر صاحب اور ان کے فن کے متعلق باتیں کئے گئیں اور برابر بستر کے پاس بیچ بیچ پیکیں تھوکتی رہیں۔ آخر سعیدہ کی ماں سے نہ رہا گیا۔ اس نے پھر کروٹ لی اور بولی "اب میں چاہے مروں چاہے جیوں۔ ڈاکٹر صاحب نے جو کہا ہے وہی کروں گی۔ بہن اب تم بڑے کمرے میں میرا بستر لے چلو اور صبح سے دھوپ میں ایک چارپائی بچھا دیا کرو۔" بہن نے فوراً بڑے کمرہ کا انگڑ کھنگڑ ہٹانا شروع کیا، اور شام تک بستر اس کمرے میں پہنچ گیا۔ کھڑکیاں اور دروازے کھلے رہے۔ سعیدہ کی ماں کو خوب نیند آئی۔ اور صبح اٹھی تو طبیعت ہلکی ہلکی سی تھی۔ اب ۱۰ بجے کا انتظار شروع ہوا لیکن خدا کا کرنا ۸ بجے ہی سارے آسمان پر بادل چھا گئے۔ اور سارے دن دھوپ نہ نکلی۔ دوسرے دن بھی یہی حال رہا۔ سعیدہ کی ماں نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا "یا اللہ کیا میری وجہ سے اب تیرا سورج بھی نہ نکلے گا۔ ڈاکٹر صاحب نے دھوپ میں لیٹنے کو کہا ہے، دھوپ ہی نہ نکلے گی تو میں کیسے اچھی ہوں گی۔"

سعیدہ بھی کہیں پلنگ کے پاس اپنی گڑیا کو لئے کھڑی یہ باتیں سن رہی تھی۔ مگر بس سن لیا اور پھر اپنے کھیل میں لگ گئی۔ اس دن سہ پہر کو دھوپ نکلی تو سعیدہ آنگن سے دوڑی ہوئی آئی اور برآمدہ ہی

سے چلائی کہ "اماں اماں ۔ دیکھو ۔ دھوپ نکلی" سب کو بڑی حیرت ہوئی کہ دیکھو ذرا سی بچی اور اتنا دھیان ! مگر شام کے وقت ڈاکٹر صاحب نے سعیدہ کی ماں کو باہر بٹھانے کو کہا نہ تھا اس لیے لوگوں نے چار پائی نہ نکالی ۔ سعیدہ نے بار بار دھوپ نکلنے کا اعلان کیا اس کے اصرار سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ چاہتی ہے کہ لوگ اس کی ماں کی چارپائی دھوپ میں ڈال دیں لیکن اس مطلب کو ادا نہیں کر سکتی ۔ لوگ اپنے اپنے کام میں لگ گئے اور سعیدہ پھر آنگن میں جا کر کھیلنے لگی لیکن کچھ اداس اداس سی رہی ۔ تھوڑی دیر میں اپنی گڑیاں وہیں زمین پر ڈال کر مٹی ہی پر لیٹ گئی ۔ سورج ڈوبنے کا وقت آگیا تھا سامنے والے آم کے پیڑ کی چوٹی پر سورج کی کرنیں کھیل رہی تھیں سعیدہ کی نظر اسی چوٹی پر تھی ۔ ایک زبان ہے جسے بڑے نہ سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں لیکن بچے اسے خوب جانتے ہیں اور آپس میں پیڑوں ، پھولوں ، جانوروں ، سورج چاند اور تاروں بلکہ کوئی کوئی تو کہتا ہے کہ اللہ میاں تک سے باتیں کر لیتے ہیں ۔ اسی زبان میں سعیدہ نے سورج کی اس کرن سے جو سب سے آخر تک آم کی چوٹی پر کھیلتی رہی ، باتیں کیں کہ بہن کل صبح ضرور آنا ۔ اماں کے لئے دھوپ کر دینا ۔ نہیں تو اماں کیسے اچھی ہو سکیں ۔ کرن نے سعیدہ سے وعدہ کر لیا کہ "میں ضرور آؤں گی تو اداس مت ہو ۔"

دوسرے دن جب کوئی چار بجے سے سورج کی کرنوں نے دنیا میں آنے کے لئے بننا سنورنا شروع کیا تو سورج نے کہا "چلو آج بھی چھٹی سب ، آج پھر یہیں آسمان میں رہنا ہو گا ۔ دنیا کا راستہ بادلوں کی فوج نے بند کر رکھا ہے ۔"

کرنوں کو یہ بات اچھی تو نہ لگی کہ یہیں آسمان میں بند رہیں اور دنیا کی سیر کو نہ جائیں مگر کیا کرتیں چپ ہو گئیں ۔ مگر وہ کرن جس نے ایک دن پہلے سعیدہ سے باتیں کی تھیں ذرا آگے کو بڑھی اور بولی "اور میں اب کیا کروں ۔ میں تو کل سعیدہ کو زبان دے چکی ہوں کہ صبح ضرور آؤں گی اور تیری ماں کے لئے دھوپ کر دوں گی ۔ نہیں تو وہ اچھی کیسے ہوں گی ۔ ڈاکٹر نے کہا ہے ڈاکٹر نے ۔ یہ کمبخت بادلوں کی فوج ختم ہی نہیں ہوتی ۔ روز ادھر سے ادھر ۔ روز ادھر سے ادھر ۔ میرا بس چلتا تو سب کا سب توڑ کر زمین کو جاتی !" بھلا اکیلی ایک کرن کیسے بادلوں کی فوج میں سے آتی ۔ دوسری بہنوں کو بھی خیال ہوا کہ اس کرن کی بات جھوٹی نہ ہو ۔ سعیدہ کیا کہے گی کہ اب آسمان کے لوگ بھی جھوٹ بولنے لگے ۔ سب کی سب سورج سے لپٹ پڑیں کہ آج تو ضرور دنیا کو جائیں گے ، آج تو ضرور ۔"

سورج نے کہا اچھا تمہاری خوشی ۔ چلو ۔ مگر بادلوں کی فوج میں تمام کیچڑ ہوتی ہے تمہارے سارے کپڑے ناس ہو جائیں گے ۔" مگر کرنیں پھر کہاں سنتی تھیں ۔ سب نے کہا "ہم کپڑے بچا لیں گے ۔ نہیں تو جلدی سے لوٹ کر دوسرے بدل لیں گے ۔" خیر یہ کہکر انہوں نے زمین کا رخ کیا ، یہ ننھی کرنیں بادلوں کی فوج کو بھلا کیا ہٹاتیں مگر ان میں گرمی بھی تو ہوتی ہے ۔ ایک جگہ بادلوں کی فوج کے ایک ٹکڑے پر برابر گھنٹہ بھر جو چمکیں تو فوج کا یہ دستہ مارے گرمی کے گھبرا اٹھا اور ایک طرف کو ہٹ گیا ۔ بس کیا تھا کرنوں کو راستہ مل گیا اور یہ دیکھتے دیکھتے دنیا کو پہنچ گئیں ، اور سیدھی سعیدہ کی ماں کے آنگن میں اتریں ۔ سعیدہ صبح کے بادلوں کو دیکھتی تھی اور اداس بیٹھی تھی کسی سے کچھ کہتی بھی نہ تھی ۔ اب جو کرنوں کی سواری پہنچی تو اسکا چہرہ باغ باغ ہو گیا ۔ اور یہ پھر چلائی "اماں اماں دیکھو ۔ دھوپ نکلی" ، بچی کی اس بات سے ماں پر بڑا اثر ہوا اور اس کی آنکھوں میں محبت سے آنسو بھر آئے ۔ سعیدہ کی خالہ نے آنگن میں ہار سنگھار کے پیڑ کے پاس دھوپ میں چارپائی ڈلوائی ۔ کوئی گاؤ تکیہ تو گھر میں تھا نہیں کئی چھوٹے چھوٹے تکئے اور دو بستر ایک جگہ کر کے سعیدہ کی ماں کی پیٹھ سے لگا دئے اور یہ گھنٹہ بھر تک دھوپ میں بیٹھی رہی ۔ مہینوں بعد بند چھوٹے سے کمرہ سے نکلکر دھوپ اور تازہ ہوا میں نکلی تھی ۔ ایسا لگتا تھا کہ نئی دنیا میں آگئی ہو ۔ چہرہ پیلا تھا لیکن اتنا اداس نہ تھا ۔ آنکھوں میں نئی روشنی سی آگئی تھی ۔ سعیدہ بھی معمول سے زیادہ خوش تھی ۔ ماں کے پاس آ آ کر کھڑی ہوتی تھی ، ماں نے ایک دفعہ اسے گود میں اٹھا لیا اور خوب چوم لئے ۔ ہوا کے جھونکے سے اس وقت ہار سنگھار کے بہت سے پھول سعیدہ کی ماں کی گود میں گرے ۔ دیوار پر قمری نے حق سرہٗ کا گیت گایا ۔ اسی دن سے سعیدہ کی ماں کی طبیعت اچھی ہونے لگی اور اب وہ اچھی چنگی بھلی ہے ۔

راقمہ رقیہ ریحانہ

بندر اور مگر کی کہانی

کسی سمندر کے کنارے ایک جامن کا درخت تھا جس میں ہمیشہ جامن لگے رہتے تھے۔ اسی درخت پر ایک بندر بھی رہتا تھا۔ ایک بار اس درخت کے نیچے ایک مگر سمندر کے پانی سے نکلکر نرم ریت میں آ بیٹھا۔ اس کو دیکھ کر بندر نے کہا "آپ ہمارے مہمان ہیں۔ آپ ہمارے لذیذ جامن کے پھل لیجئے۔ کیونکہ دوسری تھک کر آئے ہوئے مہمان کی خدمت کرنے سے مرنے کے بعد بہت اجر ملتا ہے۔"

یہ کہہ کر بندر نے اس کو جامن کے کچھ پھل دیے۔ مگر ان کو کھا کر کچھ دیر تک باتیں کرتا رہا پھر اس کے بعد اپنے گھر کو چلا گیا۔ اس طرح ہر روز بندر اور مگر جامن کے سایے تلے بات چیت کرتے اپنا وقت گزارا کرتے تھے۔ اور کھانے سے جو جامن بچ رہتے تھے ان کو بندر اپنی بیوی کے لئے لے جایا کرتا تھا۔ ایک بار اُسکی بیوی نے پوچھا "یہ لذیذ جامن آپ ہر روز کہاں سے لاتے ہیں؟" وہ بولا "ایک بندر میرا دوست ہے وہ مجھکو ہر روز پھل دیدیا کرتا ہے۔" تب اُس نے کہا "جو ہمیشہ ایسے لذیذ پھل کھاتا ہے، وہ خود بھی کتنا اچھا ہوگا۔ بس اگر تم مجھ کو اپنی بیوی سمجھتے ہو تو اسکا دل لاکر مجھے دو تاکہ اُسے کھا کر میں بڑھاپے اور موت سے ہمیشہ کیلئے نجات حاصل کروں۔" اس نے کہا "ایسا مت کہو! وہ غریب ہمارا بھائی ہے۔ وہ ہر روز ہمیں میٹھے میٹھے پھل دیتا ہے۔ تم اس فضول ضد کو چھوڑ دو۔ بعض عقلمندوں نے کہا ہے کہ "ماں ایک حقیقی بھائی پیدا کرتی ہے۔ بات چیت اور گفتگو دوسری قسم کے بھائی پیدا کر دیتے ہیں، اکثر بات چیت اور گفتگو سے پیدا شدہ بھائی حقیقی بھائی سے بھی بڑھ کر ہوتا ہے۔"

یہ سُنکر بیوی نے کہا "اگر تم مجھ کو اسکا دل نہ لاکر دو گے تو تم مجھ کو زندہ نہ دیکھو گے۔" اس کا یہ ارادہ دیکھ کر مگر سوچنے لگا کہ کیا کروں کس طرح سے اس بندر کو ماروں اور اس کا دل لاکر بیوی کے دل کو خوش کردوں" وہ انھی خیالات کو سوچتا ہوا بندر کے پاس گیا۔ اسکو دیکھتے ہی بندر بولا "میرے پیارے دوست! آج تم دیر سے کیوں آئے؟ اور تم غمگین کیوں ہو؟ اچھی طرح سے کیوں نہیں بولتے"؟ مگر بولا "کیا بتاؤں، مجھکو تمہاری بھابھی نے آج یہ دھمکی دی ہے کہ اگر تم اپنے دوست کو اس کے احسانات کا بدلہ دینے کے لئے گھر نہ لے آئے تو تم مجھکو دوسری دنیا میں دیکھو گے اسی وجہ سے آنے میں دیر ہوئی۔ اب تم میرے ساتھ گھر چلو۔" بندر نے کہا "دوست! تمہاری بیوی نے ٹھیک کہا ہے مگر ہم جنگل کے پھرنے والے۔ اور تم پانی میں رہنے والے۔ ہمارا تمہارا ساتھ کیسے ہو سکتا ہے۔ اور میں تو ہاں کسطرح جا سکتا ہوں ایک کام کرو تم اپنی بیوی کو یہیں لے آؤ۔ مجھ سے جو کچھ خدمت ہوسکیگی بجا لاؤں گا" وہ بولا "دوست! سمندر کے اُس پار کنارے پر ایک نہایت خوب صورت جگہ میں ہمارا گھر ہے۔ آپ میری پیٹھ پر چڑھ کر وہاں چلیں" بندر یہ سُنکر خوشی سے بولا "اگر ایسا ہے تو دیر کرنے کی ضرورت نہیں۔ جلدی کرو۔ میں تمہاری پیٹھ پر چڑھتا ہوں" مگر کو پانی میں جاتے ہوئے دیکھکر بندر بولا "بھائی! ذرا آہستہ آہستہ چلو۔ پانی کی لہروں سے میرا دل بیٹھا جاتا ہے۔" یہ سُن کر مگر سوچنے لگا کہ اب تو اتنے گہرے پانی میں آکر بندر میرے قابو میں آگیا ہے۔ اب یہ ایک تل بھر اپنے اختیار سے نہیں چل سکتا۔ اس سے اپنا مطلب کہہ دینا چاہیئے۔ مگر اس سے بولا "دوست! میں تم کو اپنی بیوی کے کہنے سے تمہاری جان لینے کے لئے یہاں لایا ہوں۔" وہ بولا "بھائی! میں نے تمہارا یا اسکا کیا نقصان کیا ہے جو تمہارا ارادہ ایسا ہو رہا ہے۔" مگر نے کہا "دوست تمہارے دئے ہوئے لذیذ پھلوں کا رس چکھ کر اس نے تمہارے دل کو کھانے کا ارادہ کیا ہے۔" یہ سُن کر وہ چالاک بندر بولا "بھلے آدمی

اگر ایسا ہی تھا تو تم نے وہیں مجھ سے کیوں نہ کہہ دیا؟ میں نے اپنا دل جامن کی کھوکھلے میں بہت دنوں سے چھپا رکھا ہے۔ وہ تمہاری عورت ان کی نذر کر دیتا۔ میرا دل یہاں نہیں ہے۔ تم مجھے ناحق یہاں لائے؟ یہ سنکر مگر بولا "اگر ایسا ہے تو اپنا دل مجھکو لادو تاکہ میں اسے اپنی بیوی کو نے جاکر دیدوں۔ میں تم کو وہاں لئے چلتا ہوں" یہ کہکر مگر خشکی کی طرف لوٹا بندر بھی جیسے تیسے کنارے پر پہنچتے ہی چھلانگ مارکر جامن کے درخت پر چڑھ گیا اور وہاں بیٹھکر اپنے دل میں کہنے لگا کہ "چلو جان بچی، لاکھوں پائے"

ادھر تو بندر یہ سوچ رہا تھا ادھر مگر نے کہا "دوست! اس دل کو مجھے دے دو تاکہ میں اسے لیجاکر اپنی بیوی کو دوں اور وہ اپنی قسم اتار دے" یہ سنکر بندر ہنسا اور غرّا کر بولا "اے بیوقوف دغاباز! کیا کسی کے دو دل بھی ہوتے ہیں تجھ پر تف ہے۔ جا اس درخت کے نیچے اب کبھی مت آنا۔ ایک بار دشمنی ہونے پر دوست سے جو پھر ملنے کی خواہش کرتا ہے وہ اپنے سے اپنی موت کو بلاتا ہے"۔

یہ سن کر مگر شرم سے پانی پانی ہوگیا اور اپنے دل میں کہنے لگا "ہائے میں نے اپنے دل کی بات کیوں اس سے کہدی اب اگر پھر کسی طرح یہ اعتبار کرلے تو اچھا ہے" یہ سوچ کر وہ اس سے بولا "میرے دوست! میں نے ہنسی ہنسی میں تمہارا امتحان لینا چاہا تھا۔ دراصل میری بیوی کو تمہارے دل سے کچھ غرض نہیں ہے تم میرے مہمان بن کر چلو" بندر نے کہا "ارے پاجی! جا! میں اب تیرے پھندے میں نہیں آنے کا۔ کسی نے سچ کہا ہے :۔

بھروسہ نہ کرنیوالے کا بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے۔ اور بھروسہ کرنیوالے کا بھی بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے۔ بھروسہ سے پیدا ہوا نقصان برباد کردیتا ہے۔ آج میری پیدائش کا نیا دن ہے۔

میر اصغر علی۔ جماعت ابتدائی چہارم (رابعہ)

سمندر کی شہزادی

ایران کا بادشاہ اپنے بڑے کمرے میں بیٹھا تھا۔ وہاں بہت آگ جل رہی تھی اس لئے کہ سردی کا موسم تھا۔ سمندر کے کنارے پہاڑی پر گھر تھا۔ بادشاہ وہاں سے اٹھا اور کھڑکی پاس آیا اور وہ رات ایک بڑی خوفناک رات تھی بارش ہورہی تھی اور پہاڑی کے نیچے سمندر میں بہت شور ہو رہا ہے۔

جس وقت وہ وہاں کھڑا تھا، اس نے ایک رونے کی آواز سُنی "اے بادشاہ کھول۔ دروازہ کھول" بادشاہ دروازے کے پاس گیا اور اسے کھولدیا اس نے ایک شخص دیکھا جسکی آنکھیں نیلی تھیں ایسی جیسی کہ سمندر اور جب وہ بولا تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کہ سمندر کا شور۔ اس نوجوان کے ساتھ ایک لڑکی تھی اسکا چہرہ ایسا تھا جیسے کہ سمندر کے پانی سے دھلا ہوا پتھر۔ اس آدمی نے کہا "اے بادشاہ یہ میری بہن ہے۔ میں اسے اس لئے لے آیا ہوں کہ تیرے ہاں نوکر رکھوا دوں"۔ اس نے یہ کہا اور رات کے اندھیرے میں غائب ہوگیا۔

اس کے جاتے ہی بارش ہونے لگی۔ بادشاہ نے اپنے دروازے پر ایک چھوٹی لڑکی کو کھڑے ہوئے دیکھا۔ اس نے کہا "تم میری نوکر بننا چاہتی ہو؟" لیکن وہ کچھ نہ بولی۔ اس نے پوچھا "اچھا تم کون ہو" لیکن وہ پھر کچھ نہ بولی۔ تب وہ اس کو گھر کے اندر لے آیا۔ اور وہ اسکی نوکر ہوگئی۔ وہ بہت زیادہ کام کرتی تھی لیکن وہ کبھی بولتی نہ تھی۔ کچھ عرصہ بعد لڑکی بڑی ہوکر ایک خوبصورت عورت بن گئی تب بادشاہ اس کے ساتھ بہت زیادہ محبت کرنے لگا۔ اور ایک دن اس نے اس سے کہا "اب تم نوکر نہیں ہو بلکہ ایک شہزادی ہو۔ کیونکہ تمہارا چہرہ ایسا سفید ہے جیسے کہ سمندر سے دھلا ہوا پتھر۔ تم مجھ سے شادی کرلو اور میری ملکہ بن جاؤ" وہ کچھ نہ بولی بلکہ اپنے ہاتھ سے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پس بادشاہ نے شادی کرلی اور وہ اس کی ملکہ بن گئی۔

تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ملکہ کے ایک بچہ ہوا وہ ایک ننھا سا بچہ تھا۔ بادشاہ نے کہا "اب میں خوش ہوں۔ صرف ایک بات کا رنج ہے کہ تم بولتی نہیں ہو۔ کیا تم اب اپنے بچے سے بھی نہ بولو گی"

تب ملکہ نے اپنا بچہ گود میں لیا اور پہاڑی کے نیچے سمندر کے کنارے چلی گئی۔ بادشاہ بھی اس کے ساتھ گیا۔ سمندر کے کنارے پہنچکر اس نے کچھ چھوٹے چھوٹے ٹکرے لکڑی کے چنے اور آگ جلائی۔ اس کے پاس ایک چھوٹا سا سونے کا بکس تھا اس نے کچھ سفوف بکس کے اندر سے نکالا اور اس آگ میں ڈالدیا۔

تب بادشاہ نے بڑا شور سنا۔ سمندر کھلا اور بہت سے آدمی سمندر سے نکلے۔ ان میں سے ایک آدمی ملکہ کے پاس آیا۔ اسکی آنکھیں ایسی تھیں جیسے کہ نیلا سمندر۔ اور جب وہ بولا تو ایسے جیسے سمندر کا شور۔ اس نے ملکہ سے مخاطب ہوکر کہا "میری شہزادی کیا اب تم سمندر میں واپس نہ آؤگی تم سمندر کے بادشاہ سے شادی کرلو اور سمندر کی ملکہ بنجاؤ" تب ملکہ نے جواب دیا "اے میرے بھائی! میں نے اس بادشاہ سے شادی کرلی ہے اور میں کبھی واپس نہیں آسکتی۔"

ملکہ کے بھائی نے کہا "اے فارس کے بادشاہ! ایک وقت تھا جب کہ دوسرے ملک کے سمندر کے لوگ اس کو مجھ سے لینے کے لئے آئے تھے۔ میں ڈر رہا تھا کہ وہ میری بہن کو مار ڈالیں گے میں جانتا تھا کہ تم ایک اچھے بادشاہ ہو۔ پس میں اسکو تمہاری نوکر بننے کے لئے لایا تھا۔ میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ میں تمکو واپس لیجاؤنگا اور جب تک میرا ملک میرے قبضہ میں نہ آجائے۔ اسوقت تک بات مت کرنا جب میں دوبارہ آؤں تب بولنا۔ اب میرا ملک میرا اپنا ہے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ تم واپس آجاؤ۔"

مگر ملکہ نے جواب دیا کہ "نہیں، میں کسی طرح واپس نہیں آسکتی۔"

تب ملکہ کے بھائی نے بچہ اس کی گود سے لے لیا اور سمندر کے اندر کود گیا، پانی اسکے سر سے اوپر آگیا۔ اور وہ اسکو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ انھوں نے انتظار کیا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آیا۔ اور اس نے ملکہ کی گود میں بچہ دیدیا۔ اور کہا کہ یہ سمندر کا بچہ ہے یہ سمندر کا بچہ ہے یہ سمندر میں رہتا ہے۔ اور بالآخر یہ تم کو سمندر میں واپس لائے گا۔"

اس کے بعد ملکہ کے بھائی اور تمام آدمی سمندر میں چلے گئے بہت زمانہ گزر گیا۔ فارس کا بادشاہ بہت خوش خوش رہنے لگا اس کی ملکہ اب اس سے بولنے لگی، اور وہ اس سے بہت زیادہ محبت کرنے لگا۔ آخرش بادشاہ بوڑھا ہوگیا۔ وہ بیمار پڑا۔ ایک دن صبح کا وقت تھا۔ ملکہ اس کے پاس بیٹھی تھی۔ اس نے اپنی آنکھیں کھولکر اس طرف دیکھا اور کہا میں ضرور اب جاؤنگا۔ اس کے بعد اس نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور وہ اس سے رخصت ہوگیا۔

ملکہ نے سنا کہ پہاڑی کے نیچے سمندر میں ایسا شور ہورہا ہے جیسے کہ گھنٹیاں بج رہی ہوں۔ پس اس نے اپنے لڑکے کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے سمندر کے اندر چلے گئے۔

مسعود حسین خاں۔ طالب علم ابتدائی چہارم۔ جامعہ

پڑھو اور ہنسو

دو دوست چلے جارہے تھے۔ راستہ میں ایک روپیہ پڑا پایا۔ ایک دوست دوسرے سے کہنے لگا "یہ میرا ہے"

دوسرا۔ "اس کا کیا ثبوت؟ شاید کسی اور کا ہو"

پہلا (اپنی پھٹی ہوئی جیب دکھاکر) "یہ دیکھو میری جیب پھٹی ہوئی ہے۔"

ایک مسافر۔ "کیا میں ساڑھے پانچ کی گاڑی میں سوار ہوسکونگا"

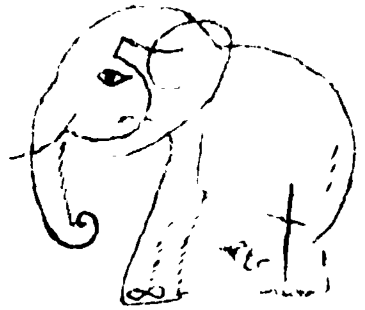
شریر قلی۔ "جناب یہ آپ کی تیز رفتاری پر منحصر ہے۔ کیونکہ گاڑی کو روانہ ہوئے تین منٹ ہوچکے۔"

نبی احمد انصاری۔ طالب علم۔ جامعہ دہلی

کھیل کا کھیل اور ڈرائنگ کی ڈرائنگ

ہندسوں کا ہاتھی

"پیام" بھائیو - آج میں تمہیں ایک ایسا کھیل بتانا چاہتا ہوں جو کھیل کا کھیل ہے اور سبق کا سبق - نیچے کی شکل کو دیکھو، یہ ایک ہاتھی کی تصویر ہے اس میں عجیب بات یہ ہے کہ یہ صرف ایک سے لیکر نو تک کے ہندسوں سے بنایا گیا ہے اچھا اس کے بنانے



کی ترکیب سنو سب سے پہلے ایک 3 کا ہندسہ بناؤ، یہ ہاتھی کا سر اور کمر کا کام دیگا اب 3 کے سرے پر 6 کا ہندسہ لگاؤ، یہ سونڈ بنگئی - اب ٹانگ بنانے کے لئے 2 کا ہندسہ استعمال کرو اور پاؤں دکھانے کے لئے 8 بناؤ - دوسری ٹانگ 4 سے بناؤ اور نیچے 7 کا ہندسہ لگا دو - کان وغیرہ بنانے کے لئے 9 اور 5 کے ہندسے استعمال کرو - نمائشی دانت بنانے کے لئے 1 کا ہندسہ لگاؤ - اب صرف تمہیں آنکھ بنانی رہ گئی ہے وہ اپنے سے بنا دو - بس دم کی کسر ہے ورنہ تمہارا ہاتھی تیار ہوگیا۔

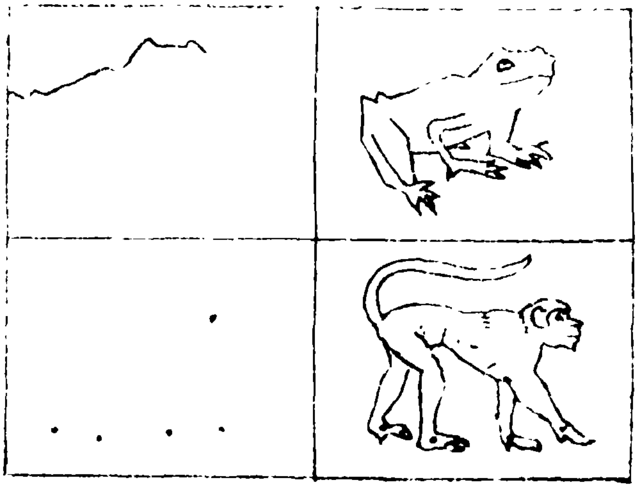
بی ایم انصاری

متعلم ثانوی اول - جامعہ

لکیروں اور نقطوں کا کھیل

اکثر بچے چھٹی کے دنوں میں بیکار اپنا وقت ضائع کرتے ہیں اس بیکاری کے وقت میں کھیلنے کے لئے ہم تمہیں ایک کھیل بتائیں جو کھیل کا کھیل ہوگا اور کام کا کام۔

ہر ایک لڑکا اپنے اپنے ہاتھ میں ایک ایک پنسل اور کاغذ لے لے۔



ان میں سے ایک لڑکا ایک، دو، تین کہے اور تین کے لفظ پر سب لڑکے اپنے اپنے کاغذ پر کوئی ٹیڑھی بیڑھی لکیر بنا دیں، اس کے بعد ہر لڑکا اپنا اپنا کاغذ اپنے دائیں بازو والے لڑکے سے بدل لے اور کوشش کرے کہ کاغذ کی اس بے معنی لکیر سے کوئی شکل پیدا کر دے۔ مثال کے طور پر اس شکل کو دیکھو، اس بے معنی لکیر سے کیسی اچھی مینڈک کی تصویر بن گئی ہے۔

دوسری صورت نقطوں کی ہے۔ کچھ نقطے لو اور انھیں باہم اس طرح ملاؤ کہ کوئی شکل بنجائے، دیکھو ان پانچ نقطوں سے کون کہہ سکتا ہے کہ ایسا اچھا بندر بن جائے گا۔

گھر بیٹھے سینما

بچوں کو دن میں کھیلنے کے لئے تو بہت سے کھیل مل جاتے ہیں لیکن جب وہ اپنے بستروں پر سونے کے لئے جاتے ہیں تو وہ یہ چاہتے ہیں کہ جب تک نیند نہ آئے اس وقت تک کوئی مشغلہ ہو تو اچھا ہے۔ اکثر بچے اپنا وقت قصے کہانیوں میں صرف کرتے ہیں اور نیند آنے کے وقت یہ مشغلہ جاری رہتا ہے

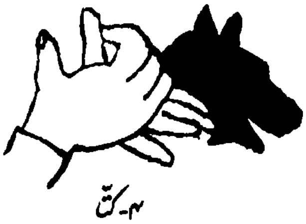
لیکن ہم ایک ایسا کھیل پیام بھائیوں کو بتاتے ہیں جسے وہ

ہیں جو بجلی روشنی سے پردہ پر ڈالی جاتی ہیں۔ اور حرکت کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ اب تم بھی چاہو تو گھر بیٹھے سینما دیکھ سکتے ہو اچھا ایک چراغ لو اور اس کے ذریعہ سے اپنے ہاتھوں کا سایہ دیوار پر ڈالو مگر دیوار بالکل ہموار ہو اس لئے کہ دیوار اگر ہموار نہ ہوگی تو سایہ ٹھیک نہیں پڑیگا۔ سب سے ضروری چیز یہ ہے کہ تمہارے ہاتھ ہمیشہ چراغ اور دیوار کے درمیان ہوں اگر چراغ ہاتھوں کے مقابل میں ہوگا تو سایہ لمبا ہو جائیگا


۱۔ ہاتھی


۲۔ تتلی


۳۔ اونٹ


۴۔ کتا


۵۔ خرگوش

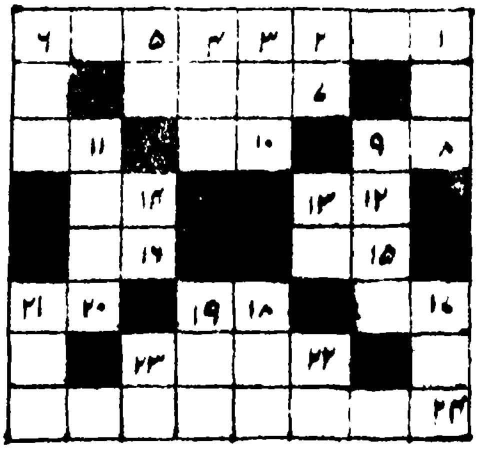

۶۔ بیل

رات کو کھیل سکتے ہیں اور قصے کہانیوں سے زیادہ لطف اٹھا سکتے ہیں ان تصویروں سے تم سمجھ سکتے ہو کہ یہ ہاتھ کے عکس یا سائے ہیں۔ اور ان سے مختلف شکلیں بنجاتی ہیں۔ پیام بھائیوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ عکس یا سایہ بہت ہی اہم چیز ہے۔ میرا خیال ہے کہ سنیما وغیرہ بھی اسی سے بنایا گیا ہے۔ سنیما میں بھی صرف تصویریں ہی تصویریں

اس لئے ہمیشہ ہاتھ چراغ اور دیوار کے درمیان میں رکھو۔ اور اس کے بعد اپنے ہاتھوں اور انگلیوں کے ملانے سے مختلف شکلیں حرکت کرتی ہوئی معلوم ہوں۔ تم اپنی انگلیوں اور ہاتھوں کو حرکت دو تو یہ معلوم ہوگا کہ جانور کچھ کھا رہا ہے یا کان ہلا رہا ہے اسکے علاوہ تم یہ بھی کر سکتے ہو کہ جس جانور کی شکل تم نے بنائی ہے اسکے ساتھ تم اسکی بولی بھی بولتے جاؤ۔

انعامی معمے

پہلا معما



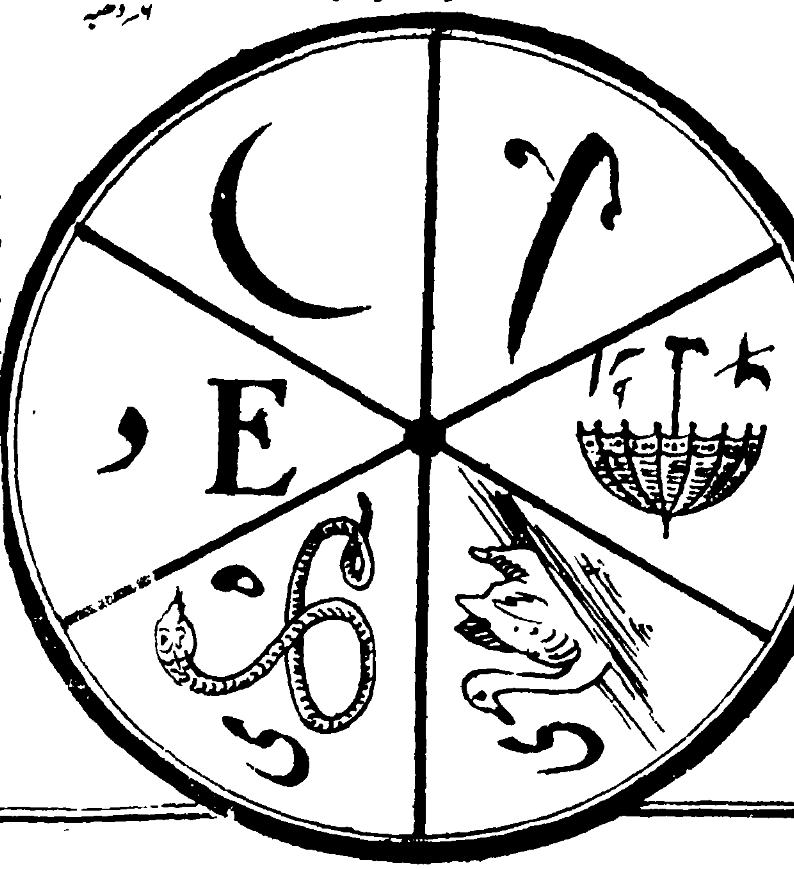
دائیں سے بائیں

۱۔ مہاتما گاندھی کا وطن
۷۔ ندی
۸۔ چہرہ
۱۰۔ گیارہ
۱۱۔ آتش پرست
۱۲۔ نس
۱۴۔ اوپر
۱۵۔ ایک پھل
۱۶۔ لینا بشکل ماضی
۱۷۔ پانی
۱۸۔ سانس
۲۰۔ ؛ د ؛ لگا دینے سے ضد کے معنی۔
۲۲۔ فرانس کا دارالسلطنت
۲۴۔ جنوبی ہندوستان کی ایک مشہور پہاڑی تفریح گاہ ہے۔

اوپر سے نیچے

۱۔ شمال۔
۲۔ حرکت جو کھینچ کر پڑھی جائے۔
۳۔ اقبال کی ایک مشہور کتاب کے نام کا نصف آخر۔
۴۔ آنا بشکل ماضی
۵۔ دہرا دو تو باپ کا نام ہو جائے
۶۔ دھبہ
۹۔ بڑیا
۹۔ حضرت عیسیٰ کی ماں کا نام
۱۳۔ کھویا ہوا۔
۱۴۔ ایک سکے کا ساٹھواں حصہ
۱۵۔ اڑنا کا ماضی
۱۸۔ چراغ۔
۱۹۔ ایک مرکز بڑھا دو تو موت کے معنی دے۔
۲۱۔ پیار۔
۲۲۔ کواڑ۔ ۲۳۔ زہر

دوسرا معما



ھدایات

ایک مصرعہ ہے جو اس دائرے کے اندر تصویروں کی صورت میں ظاہر کیا گیا ہے۔ بتاؤ کہ وہ مصرعہ کیا ہے؟

شرائط

(۱) ہر ایک معمے پر ڈھائی ڈھائی روپے کا انعام ہے اور دونوں کے صحیح آنے پر ۵ کے انعام کا مستحق ہوگا۔

(۲) ہر حل کے ساتھ ۱ کا ٹکٹ آنا ضروری ہے اور دونوں کے ساتھ ۱ کے ٹکٹ آنے چاہئیں

(۳) ایک سے زاید حل آنے کی صورت میں فیصلہ بذریعہ قرعہ اندازی ہوگا

(۴) ہر دو معموں کا حل ن۔م بتوسط ایڈیٹر صاحب "پیام تعلیم" کے پاس ۲۰ جون سنہ ۳۰ء تک پہونچ جانا چاہیے۔

---

۱۵ چھٹیوں میں یکم جون لغایت ۳۱ جولائی سنہ ۳۰ء ایڈیٹر سے متعلق تمام مراسلت مندرجہ ذیل پتہ پر ہونی چاہیے۔

سید انصاری بی اے ادیب ماہر
آصف گنج۔ اعظم گڈھ

پیامِ تعلیم کے انعامات

انعامی مضامین کا فیصلہ

اعلان پیامِ تعلیم مورخہ ۰، جولائی ۱۹۲۹ء کے مطابق حسب ذیل اشخاص کو بہ تفصیل ذیل انعامات دیئے جانیکا فیصلہ ہوا ہے۔

۱۔ مذہب میں پانچ روپے کا انعام "اسلام۔ اصولی حیثیت سے" اور "اسلام عملی حیثیت سے" کے مضمون پر دیا جانا قرار پایا ہے لیکن افسوس ہے کہ مسودہ پر صاحب مضمون کا نام و پتہ کچھ نہیں درج تھا جن صاحب کا یہ مضمون ہو وہ دفتر پیامِ تعلیم سے صہ کی کتابیں وصول کر سکتے ہیں۔

۲۔ سائنس میں انعام کے قابل سید نصیر احمد صاحب دہلی کا مضمون قرار دیا گیا ہے جو "خادمہ بجلی" کے عنوان سے تین نمبروں میں شائع ہوا ہے، لیکن موصوف چونکہ شرائط کے خلاف کالج کے طالب علم ہیں، اس لئے شاید وہ ان انعامات کو قبول کرنا پسند نہ فرمائیں۔

۳۔ تیسرا انعام دنیا کے کسی بڑے مفتش کے حالات بہترین انداز میں لکھنے پر تھا۔ اس عنوان پر سوائے سید نصیر احمد صاحب، دہلی کے اور کسی نے نہیں لکھا آپ کا مضمون "کولمبس" پر تھا جو اگرچہ معیار کے کچھ بہت مطابق یا اس پایہ کا نہیں ہے جو انھوں نے سائنس پر لکھا ہے پھر بھی اگر موصوف پسند فرمائیں تو دونوں مضامین کے عوض ایک انعام پانچ روپیہ کا دیا جا سکتا ہے۔

۴۔ تاریخی موضوع پر افسوس ہے، کوئی اچھا مضمون مقابلہ میں نہیں آسکا۔ جہاں کی نظر میں اگر کوئی مضمون قابل انعام قرار پایا تو وہ "اکابرین ہند" کے سلسلہ میں سے تھا جو سعید انصاری صاحب اس زمانہ میں نکل رہے تھے لیکن شرائط کے مطابق نہ ہونیکی وجہ سے اس پر کوئی انعام نہیں دیا جا سکتا۔

۵۔ نتیجہ خیز کہانیوں میں سب سے بہتر کہانی "افتخار" کے عنوان سے شائع ہوئی ہے جو انوار خاتون صاحبہ کی ہے افسوس ہے کہ عزیزہ بہن کا پتہ ہمارے پاس محفوظ نہیں ہے۔ بہن موصوفہ کو دفتر "پیامِ تعلیم" سے پانچ روپیہ کا انعام طلب کرنے پر بھیجا جا سکتا ہے۔

آیندہ ششماہی کے انعامات

"پیامِ تعلیم" کی نویں جلد ختم ہونے پر ہم نے ارادہ کیا ہے کہ اپنے تمام مضمون نگاران کی عنایات و خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انھیں قیمتی انعامات دیں۔ لہذا اعلان کیا جاتا ہے کہ "پیامِ تعلیم" کے ہر ہر شعبہ میں جن صاحب یا صاحبہ کے مضامین بہتر اور سب سے زیادہ تعداد میں وصول ہونگے، ان میں سے علیحدہ علیحدہ ہر ایک کو پانچ پانچ روپے کے انعامات دیے جائیں۔ "پیامِ تعلیم" کے شعبے یہ ہیں۔

(۱) والدین اور اُستادوں کا صفحہ (۲) مذہب (۳) سائنس (۴) تاریخ (۵) جغرافیہ (۶) نظم (۷) افسانے (۸) بچوں کیلئے قصے کہانیاں۔

نوٹ:۔ مواد اور زبان دونوں کے اعتبار سے پیامِ تعلیم کے معیار کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ مضامین معیار سے نہ بہت بلند ہوں اور نہ پست۔

نتیجہ انعامی معمے مورخہ ۲۱ اپریل ۱۹۳۰ء

پہلے معمے کا انعام جن صاحب کو ملا ہے ان کا نام و پتہ موجود نہیں ہے، لہذا جن جن صاحبوں نے اس معمے کا حل بھیجا ہے وہ اپنے اپنے نام و پتہ سے دوبارہ مطلع فرمائیں۔

دوسرے معمے کے کل ۲۰ حل وصول ہوئے جنمیں اول انعام کے مستحق شیخ عبد الحکیم ولد شیخ عبد الحفیظ صاحب ساکن پرتاب گڑھ اور دوم انعام کے مستحق عبد المجید صاحب ساکن بمبئی قرار پائے ہیں۔ انعامات ہر دو صاحبان کو بھیجدیئے گئے ہیں۔

نظم

دعا

ش۔ ب صاحبہ "فیضی" "پیام تعلیم" کی جدید معاونین میں ہیں۔ آپ نے یہ منظوم دعا ہمارے پرچے کے لئے عنایت کی ہے جسے ہم شکریہ کے ساتھ اس خاص نمبر میں شائع کرتے ہیں۔

تو ہی اول، تو ہی آخر — تو ہی باطن، تو ہی ظاہر
تو ہی واحد، تو ہی جامع — تو ہی ذاکر، تو ہی سامع
غفّار ہے تو، ستّار ہے تو — جبار ہے تو، قہار ہے تو
رحمان تو ہی، رحیم تو ہے — منان تو ہے، کریم تو ہے
ہر ذرے میں تیری چمک ہے — ماہ مبیں میں تیری دمک ہے
تجھ سے پھولا پھلا ہے گلشن — تجھ سے اختر سارے روشن
قادر تو، میں عاجز انساں — تو دانا ہے میں ہوں ناداں
تو حاکم میں بندی تیری — تو آقا میں چیری تیری

میرے آقا رحمت والے — میرے مولا برکت والے
یارب سیدھی راہ چلا تو — شرک سے ہر دم مجھکو بچا تو
ایسی دکھا تو راہ ہدایت — پاس بھٹکنے پائے نہ بدعت
فخر رسل کے جاؤں میں قرباں — جن پہ ہوا ہے نازل قرآں
حشر میں یارب اُنکی شفاعت — فضل سے اپنے کیجو مرحمت
نزع میں جیدم جان ہو اٹکی — تیرا ہی کلمہ لب پہ ہو جاری
اسلام کی دولت مجھکو عطا کر — کونین میں عزت مجھکو عطا کر
جی بیکل ہے یارب کل دے — راحت سے کلفت کو بدل دے

فیضی کی دعا ہے میری مولیٰ
ہر سمت بجے اسلام کا ڈنکا

جس وقت آخری کاپی پریس میں جا رہی تھی کہ جامعہ کی ایک سب سے بڑی محسن ذات علیا حضرت سلطان جہاں بیگم سابق فرمانروائے بھوپال کے ہم سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جانے کی روح فرسا خبر پہونچی، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ
خدائے تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحومہ کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور قیامت تک رحمت نازل کرتا رہے۔

آمین ثم آمین

ہر بچہ کی پاس ایک علیحدہ کتب خانہ ہونا چاہئی

حسن مین

پیام تعلیم یا کوئی دوسرا اخبار آتا ہو اور ہر مہینی چند نئی کتابوں کا اضافہ ہوتا ہو۔

(۱) اس فہرست کی سب [illegible] کی قیمت [illegible] ۲۰ روپیہ ہی جو [illegible] صرف [illegible] اس [illegible] دو روپیہ [illegible] کی [illegible] ہی خرید سکتی ہیں [illegible]

(۲) اگر کوئی بچہ [illegible] کتابیں [illegible] چاہتی ہی تو [illegible] درخواست [illegible] کی فہرست [illegible] علاوہ [illegible] ہو [illegible]

مکتبہ کی ۳ نئی [illegible]

کہانیاں

(۱) [illegible] کی کہانی	قیمت	۲
(۲) [illegible]	»	۲
(۳) [illegible]	»	٤
(۵) [illegible]	»	٤
(٦) [illegible] کی سرگذشت	»	٤
(۷) [illegible] کی کہانیاں	»	٤
(۷) [illegible]	»	۳
(۸) [illegible]	»	٦
(۹) [illegible] ماموں	»	۳
(۱۰) شہر شہری [illegible]	»	٥
(۱۱) [illegible]		٦
(۱۲) حکایات [illegible] جلد اول ٦ آنہ ۹ پائی		
(۱۳) جلد دوم	»	۲۰
(۱٤) جلد سوم	»	۲۰
(۱٥) جلد چہارم	»	۲۰
(۱٦) [illegible]	»	۱۲

(۱) [illegible]

(۲) [illegible] ۳ آنہ

(۳) [illegible] ۲ آنہ

عربی [illegible] کتابیں

عربی کی [illegible] حصہ اول		۳
» دوسری	»	۳ ٤ ۰
» تیسری	»	٥ ۰
عربی [illegible] حصہ اول [illegible]		
[illegible] حصہ اول		۱۲ آنہ
» حصہ دوم		۱۲ آنہ

نظمیں

(۱) [illegible]	قیمت	٤
(۲) [illegible]	»	۳
(۳) [illegible]	»	۲
(٤) [illegible]	»	۷
(٥) [illegible]	»	۲
(٦) [illegible]	»	٥
(۷) [illegible]	»	۱
(۸) [illegible]	»	۳
(۹) [illegible]	»	۳
(۱۰) [illegible]	»	٤
(۱۱) [illegible]	»	۲
(۱۲) [illegible]	»	٤
(۱٤) [illegible]	»	۱
(۱۳) [illegible]	»	۸
(۱٥) [illegible]	»	۱
(۱٦) [illegible]	»	۱۱

قلم گوید کہ من شاہ جہانم
قلم کسرا بدولت می رسانم

زنگی قلم

[illegible] ۱۹۱۶ء سے ہندوستان [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ہر وقت [illegible]

[illegible]

[illegible]

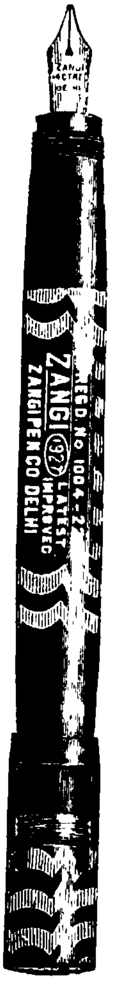
[illegible]

[illegible]

[illegible]

۱ [illegible] | [illegible]
۲ [illegible] | [illegible] ۱۲ آنہ [illegible] قیمت ٦ آنہ
۳ [illegible]

جس قسم کا چاہیں طلب فرمائیں قیمت صرف چھ ٦ روپیہ ٤ آنہ



زنگی قلم کمپنی

متصل سو گوردوارہ چاندنی چوک دہلی

ZANGI PEN & INK Mfg: Co,

New Sikh Temple Chandni Chowk, Delhi.


رجسٹرڈ ایل ۱۹۷۱
پیام تعلیم
جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی
پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ

فہرست مضامین

ایڈیٹر سعید انصاری بی اے (علیگ) پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر عابد حسین ایم اے پی ایچ ڈی

جمہوریت مدرسہ

سید نصیر احمد صاحب ہمارے "پیامِ تعلیم" کے اُن چند قلمی معاونین میں ہیں جنکے مضامین سے نہ صرف ہمارے چھوٹے بھائی مستفید ہوتے ہیں بلکہ بڑوں کے لئے بھی آپ کے مضامین دیسے ہی دلچسپ اور مفید ہوتے ہیں۔ یہ مضمون آپ نے "خاص نمبر" کے لئے عنایت فرمایا تھا جو کسی قدر دیر میں ملنے کی وجہ سے اس نمبر میں نہ جاسکا۔ اب بہرحال وہ ہدیۂ قارئین ہے۔ (اڈیٹر)

دنیا میں مختلف ممالک ہیں اور ہر ملک میں مختلف قسم کی حکومت ہے۔ دنیا میں دو طرح کی حکومتیں بہت مشہور ہیں۔ ایک تو ایسے ممالک ہیں جن پر بادشاہ حکومت کرتا ہے۔ وہ سیاہ وسفید کا مالک ہوتا ہے' جو جی میں آتا ہے' کرتا ہے۔ اگر بادشاہ اچھا اور قابل ہو تو رعیت خوش رہتی ہے اور ملک ترقی کرتا ہے لیکن اگر بادشاہ نالائق اور ظالم ہو تو رعیت کی حالت بھی بُری ہوتی ہے' دوسرے ایسے ممالک ہیں جنپر خود وہاں کی رعایا حکومت کرتی ہے یعنی تین یا پانچ سال کے بعد اسی ملک کے لوگ اپنے میں سے چند ایسے لوگوں کا انتخاب کرلیتے ہیں جو قابل اور منتظم ہوتے ہیں اور یہی لوگ ملک کا انتظام کرتے ہیں۔ ایسی حکومت کو "جمہوری" کہتے ہیں۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کہ ہر مدرسہ میں کوئی "بزم" یا "انجمن" ہوتی ہے جس میں طلبہ خود اپنے میں سے نائب صدر' ناظم وغیرہ کا انتخاب کرتے ہیں اور خود ہی قوانین وضوابط بناتے ہیں۔ اگر کوئی عہدہ دار اچھا کام نہ کرے تو اُسے علیحدہ بھی کرسکتے ہیں۔ پس جمہوریت اس طرز حکومت کو کہتے ہیں جسمیں رعیت خود قوانین بناتی اور ان پر عمل کرتی ہے۔

جس طرح ایک بڑے ملک کا نظام حکومت جمہور یعنی عام لوگ بناسکتے ہیں اسی طرح مدرسہ کا نظام جمہور یعنی اساتذہ وطلبا بنا سکتے ہیں اس سے آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ "جمہوریت مدرسہ" کسے کہتے ہیں۔ جمہوریت مدرسہ اس نظام کو کہتے ہیں جس میں طلبا واساتذہ قواعد وقوانین بناتے ہیں اور جب کوئی طالبعلم خود اپنے ہی بنائے ہوئے قانونوں کو توڑے تو طلبا ہی تفتیش کرکے اسے سزا دیں۔ امریکہ اور یورپ کے کئی اسکولوں میں اسی قسم کا نظام قائم ہوچکا ہے اور یہ دن بدن ترقی کررہا ہے۔

جنگ عظیم نے لوگوں کی توجہ حکومت کی اصلاح کی طرف کرائی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایسے ممالک جہاں بادشاہ حاکم ہوتا ہے وہاں رعایا حکام کی غلطیوں پر نکتہ چینی نہیں کرسکتی۔ اس سے نہ صرف رعایا بلکہ حکومت کو بھی نقصان پہونچتا ہے۔ کیونکہ حکومت اپنی غلطیوں سے واقف نہیں ہوتی اور ان کی اصلاح نہیں کرسکتی۔ اسی لئے ہر قوم کو آزاد اور خودمختار ہونا چاہئے اور اس کے لئے بہترین صورت حکومت جمہوری ہے لیکن یہ صورت ہر حالت میں درست نہیں خاصکر ایسے ملکوں میں جہاں کے لوگوں میں اسکی صلاحیت نہ ہو۔

آپ خوب جانتے ہیں کہ بغیر سیکھے کوئی کام نہیں چل سکتا۔ حکومت تو ایک طرف رہی' بغیر سیکھے آپ ہاکی اور کرکٹ نہیں کھیل سکتے۔ اسی لئے جن ملکوں میں جمہوری حکومت ہے یہ ضروری نہیں کہ وہاں کی رعیت بھی خوشحال ہو کیونکہ یہ ممکن ہے کہ وہاں کے لوگ حکومت کی طرز سے واقف نہ ہوں اور لائق وقابل نمائندوں کا انتخاب نہ کرسکیں۔

بڑوں کو ہمیشہ یہ شکایت رہتی ہے کہ بچے نظم وضبط (ڈسپلن) قائم نہیں رکھ سکتے۔ ان میں دوراندیشی نہیں۔ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بچوں میں یہ کمزوریاں موجود ہیں لیکن اس کے ذمہ دار بڑے ہیں۔ بچے تو موم کے کھلونے ہوتے ہیں جدھر چاہا' موڑ دیا۔ جب بڑوں نے خود ہی ان کی تعلیم وتربیت کی پوری طرح کوشش نہ کی اور انہیں صراط مستقیم پر نہ چلایا تو اس میں اُنکا کیا قصور!

جس طرح خودمختار سلطنت کے بادشاہ اپنے ملک میں آزاد ہو تا ہے اسطرح مدرسہ میں استاد جو چاہتا ہے کرتا ہے اور رعیت یعنی طلبہ کو حرف گیری کا مطلق حق نہیں ہوتا۔ اگر حاکم یعنی مدرس سخت ہے تو نظام اچھا قائم رہتا ہے ورنہ سخت ابتری پھیل جاتی ہے۔

ان تمام باتوں پر غور کرنیکے بعد امریکہ کے ایک شخص کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ مدرسہ کے طلبہ کو کیوں نہ شروع ہی سے جمہوری حکومت کی طرز

سے واقف کیا جائے تاکہ وہ بڑے ہوکر اپنے ملک کی حکومت میں سرگرم حصہ لے سکیں۔ چنانچہ جب اس نے یہ خیال ظاہر کیا تو اس کی خوب ہنسی اڑائی گئی۔ لوگوں نے کہا مدرسوں کو کیوں خراب کر رہے ہو۔ تمہاری یہ تجویز کبھی پھل پھول نہیں سکتی۔ اس سے مدرسہ میں طوفانِ بے تمیزی پیدا ہو جائیگا کیونکہ بچے فطرتاً شریر ہوتے ہیں۔ ان میں شوخی اور شرارت کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے اگر انہیں آزاد چھوڑ دیا گیا تو مدرسہ میں قیامت آجائیگی لیکن اس شخص نے ان باتوں کی کچھ پروا نہیں کی اور برابر کوشش کرتا رہا یہانتک کہ بعض مدرسوں کے ہیڈ ماسٹروں اور منتظموں نے اس تجویز کا اپنے ہاں تجربہ کرنا منظور کر لیا۔ غرض قوانین بنائے گئے۔ انتخابات ہوئے۔ جمہوریت مدرسہ کے اصولوں کے ماتحت کام شروع کیا گیا۔ لیکن برے نتائج پیدا ہونے کی بجائے مدرسہ کے حالات روز بروز اچھے ہوتے گئے اور اخلاقی اور تعلیمی حالت درست ہونے لگی۔

ایک مدرسہ میں ایک صدر، ایک پولیس افسر، ایک جج اور ایک افسر صحت منتخب کیا گیا۔ قواعد و قوانین بنائے گئے۔ ایک انتظامی مجلس قائم ہوئی کثرت رائے سے جو فیصلہ ہوا وہی قانون سمجھا گیا اور سب نے ان قوانین پر کاربند ہونیکا فیصلہ کر لیا۔ اس طرح ایک چھوٹی سی گورنمنٹ قائم ہو گئی۔ اس گورنمنٹ کے متعلق چھوٹے چھوٹے معاملات مثلاً جماعت کی نشست و برخاست، کھیل کود کے میدان کا انتظام، دیواروں، ڈسکوں اور کپڑوں کی صفائی، دھوکا، نقل، فساد اور اسکول سے غیر حاضری وغیرہ تمام جرائم کی اصلاح تھی۔ ان تمام حکام کو چھوٹے پیمانہ پر وہ تمام حقوق حاصل تھے جو اعلیٰ پیمانہ پر حکام سلطنت کو حاصل ہوتے ہیں۔

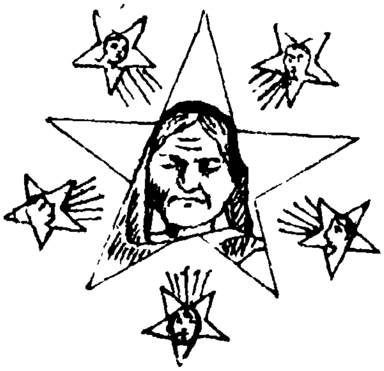
جمہوریت مدرسہ میں سزائیں بھی مختلف قسم کی ہوتی ہیں۔ بعض جرائم کی سزا تمام طلبہ کی موجودگی میں دی جاتی ہے۔ یہ صرف اسی وقت ہوتا ہے جب کوئی لڑکا مدرسہ کے نظام میں خلل انداز ہوتا ہے اور جس سے اسکول کی نیکنامی پر دھبہ آتا ہے مثلاً جھوٹ، نقل، کھیل کود کے میدان میں فساد وغیرہ۔ بعض حالات میں مجرم کو ایک خاص مدت کے لئے کھیل کود سے محروم کر دیا جاتا ہے کبھی مجرم کو طلبہ کی موجودگی میں معافی مانگنا پڑتی ہے۔ اگر کسی سے کچھ گم ہو جائے تو مجرم کو اسکی تلافی کرنا پڑتی ہے کبھی رائے دینے کے حقوق چھین لئے جاتے ہیں بعض حالات میں طلبائے مدرسہ کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ مجرم سے بات چیت اور میل جول ترک کر دیں اور یہ سخت ترین سزا سمجھی جاتی ہے۔ جہاں بھی اس کا تجربہ کیا گیا ہر اعتبار سے یہ مفید ثابت ہوئی۔ چونکہ قوانین خود طلبا ہی کے بنائے ہوئے ہوتے ہیں اس لئے ان کی پابندی کرنا وہ ضروری سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی قانون کو توڑتا ہے تو دوسرے طلبا اس کو بری نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ وہ خوب سمجھتے ہیں کہ جو کوئی قانون کی پابندی نہیں کرتا وہ نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ اپنے مدرسہ کو بھی بدنام کرتا ہے۔

مندرجہ بالا طریقے چھوٹے چھوٹے مدرسوں میں بخوبی عمل پذیر ہو سکتے ہیں لیکن جہاں طلبہ کی تعداد بہت ہو وہاں ہر جماعت یا کمرہ کو اپنا حلقہ انتخاب علیحدہ بنانا پڑتا ہے اور ہر کمرہ یا جماعت کے طلبا دو یا تین رکن کونسل منتخب کر لیتے ہیں۔ اور ان اراکین کا بورڈ قوانین بناتا ہے۔ تمام مدرسوں کا ایک صدر اور ایک پولیس افسر ہوتا ہے۔ لیکن بڑے بڑے مدرسوں میں کئی جج اور کئی پولیس افسر وغیرہ ہوتے ہیں۔ بڑے مدرسوں میں ایک قومی وکیل بھی ہوتا ہے۔ جب کسی طالبعلم پر کوئی الزام لگایا جائے تو وہ اسکی طرف سے عدالت میں پیش ہو کر صفائی کے ثبوت پیش کرتا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ جمہوریت مدرسہ میں استاد کے اختیارات کہانتک ہیں، اسے مدرسوں کے انتظام میں کہاں تک دخل رہتا ہے۔ جمہوریت مدرسہ میں استاد کے اختیار و حقوق میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ فرق صرف اسقدر ہے کہ اب وہ اپنے اختیارات طلبہ کی معرفت کام میں لاتا ہے۔ پہلے تو وہ جمہوریت مدرسہ کے قوانین کو منظور کرتا ہے اور اکثر اوقات ان قوانین میں یہ بات بھی شامل ہوتی ہے کہ استاد کو ضروریات وقتی کے لحاظ سے قوانین میں مداخلت کا پورا پورا حق حاصل ہے۔

چونکہ قوانین خود طلبہ بناتے ہیں اس لئے ان پر عمل کرنا انہیں گراں نہیں گزرتا۔ وہ اندازِ حکومت سے آگاہ ہو جاتے ہیں۔ انہیں کثرت رائے کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ وہ افسری و ماتحتی کے فرائض سمجھنے لگتے ہیں اور اس قسم کے کئی فرائض سے آگاہی حاصل کر لیتے ہیں۔ یہ طریقہ دنیا میں بہت سرعت کے ساتھ ترقی کر رہا ہے۔ امریکہ، یورپ، جاپان، اور افریقہ میں اس جدید طریقہ کو بہت پسند کیا جا رہا ہے۔ دیکھئے ہندوستان اس کی طرف کب توجہ کرتا ہے؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ جامعہ جہاں اور بہت سی مفید باتوں میں پیشقدمی کر رہا ہے اس طریقہ کو بھی اپنے ہاں رائج کر کے دیکھے۔

(ماخوذ از کتاب المعلومات)



قصے کہانیاں

آدمی کی کہانی
ایک ستارہ کی زبانی



(گزشتہ سے پیوستہ)

ایک ننھا سا تارہ بیچ میں بولا" اور نانی اماں، یہ لوگ اس پر کب سے بستے ہیں؟"

"شاباش! یہ بات تونے اچھی یاد دلائی۔ ان دو پانوں والوں کو خود اس بات کی بڑی فکر تھی کہ پتہ چلے کہ ان کی زمین کب سے آباد ہے بہت دنوں تک تو یہ نادان نہ جانے کیوں سمجھتے رہے کہ ان کی زمین کی کل عمر ۶ ہزار برس ہے مگر میری پرنانی کہا کرتی تھیں کہ کوئی ۲ ارب برس سے اوپر ہوئے ہیں نے اس طرف کو جدھر یہ زمین اور اسکے سورج چاند اور زہرہ مشتری، اور جانے کیا کیا نام لیتی تھیں، وہ ہیں۔ اُدھوایک روئی کے گالے جیسی بے شکل صورت مگر آگ سی دہکتی چمکتی چیز تھی۔ پھر ان کے دیکھتے دیکھتے اس بے شکلے گالے کے ٹکڑے ٹکڑے الگ الگ ہوگئے اور گول گول سے چھوٹے بڑے گیند بن گئے جو سب کے سب اس خالی جگہ میں بڑی تیزی سے گھومتے تھے۔ انھیں گیندوں میں یہ زمین بھی تھی۔ پہلے تو یہ گیند بھی آگ کی طرح دہکتی تھی۔ مگر ہوتے ہوتے ذرا ٹھنڈی پڑی۔ پھر بھی کروڑوں برس اس کی گرمی ایسی تھی کہ کوئی جاندار چیز اس پر بھلا کیا ٹھہرتی۔ روز اندر کی گرمی سے کہیں بڑے بڑے پہاڑ ابھر آتے تھے، کہیں زمین دھنس کر بڑے بڑے غار پڑ جاتے تھے۔ روز آگ کے پھٹ نکلنے سے مصیبت رہتی تھی۔ زلزلے آئے دن کی بات تھے۔ اس طرح نہ جانے کتنا زمانہ گذر گیا۔ میری اماں کے وقتوں میں، اسے کوئی دس کروڑ برس ہوئے، یہ اتنی ٹھنڈی ہوگئی کہ اس پر زندگی قائم رہ سکے۔ چنانچہ اللہ میاں نے اس پر ننھی ننھی سی جاندار چیزیں پیدا کر دیں۔ ان ننھی ننھی چیزوں سے بدل بدل کر اور بڑھ بڑھکر کوئی ۲ ½ لاکھ برس ہوئے میرے سامنے کی بات ہے کہ اس زمین پر پہلا آدمی پیدا ہوا۔ ان چھوٹی بے شکل جاندار چیزوں سے کروڑوں برس میں آدمی کا بننا یہ خود ایسی کہانی ہے کہ کیا بتاؤں!"

وہی ننھا سا تارا جس نے پہلے پوچھا تھا کہ آدمی دنیا پر کب سے بستے ہیں، پھر بات کاٹ کر بولا: "تو یہ کیا یہ دو پانوں والا جو دن رات ہمیں طرح طرح کے تماشے دکھاتا ہے، ننھے ننھے سے بے شکل جانداروں کی اولاد ہے۔ اور وہ ہزاروں طرح کے جانور، درخت، پھول، سب جو ہم اس گولہ پر دیکھتے ہیں وہ بھی میں تو جانوں، اللہ میاں نے انہیں سب کو الگ الگ بنایا ہوگا۔ ان کے تو سب کے سانچے ڈھانچے الگ ہونگے؟"

نانی اماں مسکرائیں اور بولیں "بڑا تیز بچہ ہے۔ اللہ عمر میں برکت دے۔ ہاں بیٹا۔ اللہ میاں چاہتے تو انھیں الگ الگ سانچوں سے تیار کر دیتے۔ وہ تو جو چاہتے کرتے اور جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ انہوں نے کیا کیا۔ وہ چاہتے تو آدمی ہی کو پہلے پیدا کر دیتے چاہتے تو زمین آجتک دہکتی ہوئی آگ کا گولہ ہوتی جیسے ہم ابتک ہیں مگر اس نے اپنی قدرت کا یہی تماشا دکھانا چاہا کہ پہلے زندگی کو ذرا ذرا سے بے شکل جسموں میں ڈالا اور اپنی حکمت اور قدرت سے ایسے قانون بنا دے کہ یہ چھوٹا سا زندہ ذرہ ترقی کرتے کرتے آدمی بن گیا اور کون جانتا ہے کہ یہ سلسلہ ابھی اور کہاں تک جائے۔ اس ترقی کا جو ذکر میں نے تم سے کیا اس کا حال کچھ میرا دیکھا ہوا کچھ پرنانی اماں سے سنا ہوا ہے۔ آدمی کو خود اپنے اس حال کی خبر نہ تھی۔ اب کچھ دنوں سے اسے اس کا خیال ہوا ہے۔ جیسے جیسے زمانہ گذرا زمین کی سطح پر کہیں کہیں تہیں جمتی گئیں۔ اب ان آدمیوں میں سے بعض ایسے ہوشیار نکلے ہیں کہ ان تہوں کی عمر کا پتہ چلا لیتے ہیں ان تہوں میں پرانے زمانے کے جانداروں کے نشان، انکی ہڈیاں، نقش وغیرہ ملتے ہیں۔ اور ان نشانوں سے آدمی خود اپنی کہانی کو ذرا ذرا جان گیا ہے لیکن یہ نشان اسی وقت ملتے ہیں جب اس زمین پر ہڈیوں کے ڈھانچے والے جانور

پیدا ہوئے۔ شروع والے بے ہڈی کے جانوروں کا تو اب کوئی نشان تک نہیں۔ آدمیوں کو زمین کی تہوں میں جو پچھلے جانور ملے ہیں ان میں سب سے پرانے تو وہ ہیں جن کے ریڑھ کی ہڈی نہیں تھی اور جو سب پانی میں رہتے تھے۔ ان کے بعد ان جانوروں کے نشان ہیں جن کے ریڑھ کی ہڈی تھی جانوروں میں اول بدل میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے۔ بات یہ ہے کہ ہر زندہ چیز اپنے کو اردگرد کی حالتوں کے مطابق بناتی ہے۔ جو چیزیں اس بات میں اوروں سے اچھی ہوتی ہیں وہ پھلتی پھولتی ہیں اور جو اردگرد کے حال سے گھبرا کر گھٹ جاتی ہیں وہ ختم ہو جاتی ہیں۔ اردگرد کے حال کے مطابق ہونے میں ہر جانور ہمیشہ تھوڑا تھوڑا بدلتا رہتا ہے اور جب یہ تبدیلیاں لاکھوں کروڑوں برس تک چلتی ہیں تو ایک بالکل نئی شکل کا جانور پیدا ہو جاتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ شروع زمانہ میں اس گولے کی حالت میں بہت جلد جلد تبدیلیاں ہو رہی تھیں۔ جتنے دن میں یہ سورج کے گرد گھوم جاتا تھا وہ مدت بدل گئی یہ خود اپنے محور پر جتنے گھنٹے میں گھوم لیتا تھا وہ بدل گئی، سب ہی کچھ بدلا گیا۔ کبھی سمندر کا پانی گھٹا کبھی بڑھا۔ کبھی بہت گرمی پڑی کبھی سخت سردی غرض بڑی بڑی تبدیلیاں رہیں اور ان تبدیلیوں کی وجہ سے جانوروں کی شکل صورت میں بھی تبدیلی ہوتی رہی۔

سمندر میں کچھ مچھلیوں کو اس زمین کی کھلی ہوا اور سورج کی روشنی اتنی بھائی کہ جب دیکھو کنارے پر لوٹتی رہتیں پانی کی موج آتی تو یہ اکثر خشکی پر جا پڑتیں۔ اس طرح ہوتے ہوتے نہ جانے کتنے برسوں میں ایسے جانور بن گئے جو تری خشکی دونوں میں زندہ رہ سکتے تھے

پھر ہوتے ہوتے ایسے جاندار بھی پیدا ہو گئے جو صرف خشکی پر جی سکتے تھے۔ نانی اماں بتایا کرتی تھیں کہ یہ اکثر رینگنے والے جانور تھے جنکے بچے انڈوں سے نکلتے تھے۔ لیکن یہ انڈوں پر بیٹھتے نہ تھے یونہی سورج کی گرمی میں رہنے سے انہیں سے بچے نکل آتے تھے۔ اس وضع کے جانور اب بھی دنیا میں ہیں۔ تم روز دیکھتے ہی ہوگے۔ مگر وہ پہلے والے اب سے بہت بڑے ہوتے تھے۔ بعض تو کہتے ہیں کہ سر سے دم تک کوئی ۴۰ گز کے ہوتے تھے۔ ان میں سے بعض کو دنیا کے پیڑوں پر اڑ کر بیٹھنے کا شوق ہوا تو اس شوق اور کوشش سے انکے پر ہو گئے۔ بعض کے تو ویسے پر جیسے چمگادڑ کے ہوتے ہیں، چمڑے کے، تم نے نہ دیکھے ہوں تو کسی دن دھیان دیکر رات کو دیکھنا یہ جانور رات کو اڑتا پھرتا ہے۔ اور بعض کے تو سچ مچ چڑیوں کے سے پر نکل آئے۔ ہاں میاں شوق اور کوشش بڑی چیز ہے۔ ان سے سب کچھ ہو جاتا ہے

مجھے اب اچھی طرح یاد نہیں۔ جانے کیا بات ہوئی کہ اس زمین کی آب و ہوا ایسی بدلی اور ایسا کال پڑا کہ یہ بڑے بڑے رینگنے والے جانور تقریباً سب کے سب مر گئے اور انکی جگہ دودھ پلانے والے جانوروں اور چڑیوں نے لی۔ ان جانوروں میں اوروں سے زیادہ سمجھ تھی۔ اور ہوتے ہوتے یہ سمجھ بہت بڑھ گئی۔ یہ سب دیکھتے دیکھتے ان دودھ پلانے والوں میں سے ایک اور سب پر اپنی سمجھ کے مارے بازی لے گیا۔ اس کی چھوٹی سی کھوپڑی میں نہ جانے نہ جانے اتنی عقل کہاں سے آگئی چاروں اگلے پچھلے پاؤں پر چلتے چلتے میری آنکھوں دیکھی بات ہے، یہ ایک دن پیروں پر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اور اگلے پاؤں سے ہاتھوں کا کام لینے لگا۔ اسی کی اولاد میں یہ سب دو پاؤں والے ہیں جنکے کھیل تماشوں، لڑائی جھگڑوں کو تم نے تین دن سے نہیں دیکھا تو کل نہیں پڑی اور مجھ سے یہ کہانی کہلوائی ...... لو میری پوری ختم ہوئی۔ اب ذرا دم لے لوں۔

تاریخ

ایک حبشی غلام کی سرگزشت

مرغیوں کے ڈربے میں اسکول

حبشیوں کے جو حالات مجھ کو اُس ایک ماہ کی سیر و سیاحت اور مختلف تحقیقات سے معلوم ہوئے ان سے میرے دل پر سخت چوٹ لگی اور نہایت ہی متاثر ہوا۔ اور ان لوگوں کو قعر ذلت سے نکال کر معراج ترقی پر پہنچانا سخت کٹھن اور نہایت دشوار نظر آیا۔ زیادہ تر میرے ہراساں ہونے کی یہ وجہ تھی کہ میں اس وقت تن تنہا تھا اور میری دلی اور ناچیز کوششوں سے نہ ہر چند اب مفید اور بار آور نتائج نکلتے نظر نہ آتے تھے بلکہ نہایت ششدر اور حیران تھا کہ یہ بار عظیم مجھ سے اُٹھ بھی سکیگا اور اس میں میری مددگاری کا کچھ متحمل بھی ہوگا۔ ہاں اسی حالت میں اس امر کا مجھ کو یقین ہوگیا تھا کہ محض آجکل کے مروجہ طریقہ تعلیم کی تقلید سے ان حبشیوں کی ترقی ناممکن ہے۔ ان بچوں کو روزانہ چند گھنٹے محض کتابی تعلیم دینا ایک قسم کی تضیع اوقات ہے بلکہ جنرل آرمسٹرانگ نے جو طریقہ تعلیم ہیمپٹن میں جاری کر رکھا ہے اس کا استعمال نہایت مناسب اور موزوں ہوگا۔ الغرض باشندگان ٹسکیگی کی صدر سے یہ بات قرار پائی کہ ۴ جولائی ۱۸۸۱ء کو ایک چھوٹے سے گرجا گھر میں اسکول کھولا جائے۔ حبشی اور گورہ ہر دو قوموں نے اس جدید اسکول کے افتتاح میں گہری دلچسپی کا اظہار کیا اور نہایت سرگرمی اور کمال اشتیاق سے یوم افتتاح کا انتظار کرنے لگے۔ ٹسکیگی کے نواح میں بہت سے گورے ایسے بھی موجود تھے جو اس کام کو اچھی نگاہ سے نہ دیکھتے تھے اور حبشیوں کے حق میں اس کو مفید نہ سمجھتے تھے۔ نیز یہ بھی خیال تھا کہ مبادا اس سے دونوں قوموں میں باہم رنجش کا مادہ پیدا نہ ہو جائے۔ بعض کی یہ رائے تھی کہ حبشی جوں جوں تعلیم یافتہ ہوتے جائیں گے اسی قدر حکومت کی تمدنی حالت پست ہوتی جائیگی اور یہ بھی ڈر تھا کہ حبشی تعلیم پاکر کھیتوں میں کام کرنا چھوڑ دینگے اور ان سے گھر کا کام لینا مشکل ہو جائے گا۔ وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ حبشی لوگ پڑھ لکھ کر خاصے جنٹلمین بنجائینگے، اونچی اونچی ٹوپیاں سر پر رکھی ہونگی، نقلی سونے کی عینکیں آنکھوں پر لگائے، بانکی چھڑیاں ہاتھ میں لئے اور چمڑے کے دستانے پہنے ہونگے، نفیس نفیس بوٹ پاؤں میں چڑھے ہونگے

وہ اپنی ذاتی لیاقت کے بھروسے پر زندگی بسر کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے اور یہ امر ان کے خیال میں آنا ذرا مشکل تھا کہ تعلیم سے اس کے سوا اور کسی طرز پر بھی حبشیوں کو مہذب و شائستہ اور کام کا آدمی بنایا جا سکتا ہے یا نہیں۔

ان تمام مشکلات اور اس کے بعد متواتر انیس برس تک جملہ امور و مہمات میں معاونین ٹسکیگی میں سے دو شخص خصوصاً ہر وقت میرے معین و مددگار رہے ہیں اور اس امر اہم میں میری کامیابی بہت کچھ انہیں کی اعانت کا نتیجہ ہے۔ ان میں سے ایک تو گورہ تھا جس کے ہاں غلام رہا کرتے تھے اس کا نام مسٹر جارج کیمبل تھا۔ دوسرا حبشی تھا جو خود غلام رہ چکا تھا اس کا نام مسٹر لیوس ایڈمس تھا۔ انہی صاحبان نے جنرل آرمسٹرانگ سے استاد کی درخواست کی تھی۔ مسٹر کیمبل ایک سوداگر اور شریف آدمی تھا اور تعلیمی معاملات میں چنداں دسترس نہ رکھتا تھا اور مسٹر ایڈمس ایک کاریگر تھا جس نے غلامی کے دنوں میں جوتے اور ساز بنانا اور ٹین کے سامان تیار کرنا سیکھا تھا۔ وہ عمر بھر میں ایک دن بھی کسی مدرسے میں داخل نہیں ہوا لیکن تاہم کسی نہ کسی طرح لکھنا پڑھنا ضرور سیکھ لیا تھا۔ یہ دونو ابتدا ہی میں میرا تعلیمی خاکہ دیکھ کر اس قدر مائل ہوئے کہ ہمیشہ میرے معین و مددگار اور ہر کام میں میرے ہمدرد اور غمگسار رہے۔ اسکول کی مالی حالت کے خراب ہونے کے زمانہ میں جب کبھی مسٹر کیمبل سے امداد کی درخواست کی جاتی تو کبھی انکار نہ کرتا اور بقدر وسعت کچھ نہ کچھ ضرور دیتا۔ میں نے کوئی دو شخص جن میں سے ایک تو غلاموں کا آقا اور دوسرے نے خود غلامی کی تکالیف جھیلی ہوں ایسے نہیں دیکھے جنکی نصیحت اور مشورہ پر ٹسکیگی اسکول کی ہستی اور بہبودی کے باب میں ان سے بڑھ کر تقلید کرنے کے لئے کبھی آمادہ ہوا ہوں۔

میں ہمیشہ محسوس کرتا رہا ہوں کہ مسٹر ایڈمس کی دستکاری و حرفت و صنعت کی تعلیم ہی اس کی غیر معمولی ذہانت کا باعث تھی جس کی بدولت وہ ایام غلامی میں تین پیشوں پر حاوی ہو گیا تھا۔ اگر آج کل کوئی شخص کسی جنوبی شہر میں جا کر پوچھے کہ حبشیوں میں سب سے معتبر اور قومی لیڈر کون ہے تو میں نہایت وثوق [illegible]

سے کہہ سکتا ہوں کہ پچاس فیصدی حالات میں اس حبشی کا نام لیا جائیگا جو زمانۂ غلامی میں کسی نہ کسی صنعت پر قادر تھا۔

اسکول کھلتے ہی پہلے دن تیس طلبا داخل ہوئے جنہیں نصف عورتیں تھیں اور استادوں میں صرف اکیلا ہی تھا۔ صرف وہی طلب داخل کئے جاتے تھے جن کی عمر ۱۵ سال سے اوپر ہو اور جو کچھ نہ کچھ لکھنا پڑھنا جانتے ہوں۔ اگر یہ شرط نہ ہوتی تو طلبا کی تعداد بہت بڑھ جاتی۔ ان میں سے اکثر طلبا اسکولوں کے استاد رہ چکے تھے اور بعض کی عمر چالیس برس کی تھی۔ بعض کے ہمراہ اُن کے چند پرانے شاگرد بھی تھے۔ تعجب کا مقام ہے کہ جب داخلے کے لئے ان کا امتحان لیا گیا تو بعض شاگرد اپنے استادوں سے اعلیٰ جماعتوں میں داخل ہوئے۔ بعض بعض بہت سی کتب کا مطالعہ بھی کر چکے تھے اور بعض اس امر کے مدعی تھے کہ بہت سے طویل العنوان اور کثیر المنفعت مضامین ہماری نظر سے گزر چکے ہیں۔ بڑی بڑی کتابوں اور لمبے لمبے نام کے مضامین اپنی لیاقت اور فخر کے اظہار میں پیش کرتے تھے۔ بعض لاطینی بھی جانتے تھے اور ایک دو یونانی زبان سے بھی واقف تھے اور اس سبب سے اپنے آپ کو خاص درجہ کا حقدار اور سزاوار خیال کرتے تھے۔ یہ طالب علم گرامر اور حساب کے لمبے لمبے اور پیچیدہ قاعدوں کو رٹنے کے نہایت شائق تھے لیکن ان قاعدوں کو اپنے روزانہ کاروبار زندگی میں استعمال کرنے کا کبھی ان کو خیال تک بھی نہ آتا تھا۔ اور نہ ہی ان کو یہ علم تھا کہ یہ کیونکر روزمرہ کے کاموں میں برتے جا سکتے ہیں اور جس مضمون کا مجھے ذکر کرنا اور اس میں اپنا ماہر ہونا نہایت آرزو و شوق سے جتانا چاہتے تھے وہ یہی کماتہ کا علم تھا لیکن مجھے اُسی وقت معلوم ہوگیا کہ نہ خود ان کا اور نہ ان کے گرد و نواح میں کسی اور شخص کا کبھی کسی بنک سے لین دین رہا جس میں اس کا استعمال کیا گیا ہو۔ ہر ایک طالب علم کے نام میں ایک یا دو حرف زائد بھی ہوتے تھے۔ چنانچہ میں نے ایک سے سوال کیا کہ جان۔ جے۔ جونس میں جے سے کیا مراد ہے۔ بولا یہ اس کے القاب کا ایک جزو ہے۔ بہت سے طلبا محض اس غرض سے پڑھنے آئے تھے کہ استاد بن کر زیادہ روپیہ کما سکیں گے۔

بایں ہمہ ان طلبا سے بڑھکر زن و مرد کی کوئی جماعت میری نظر سے نہیں گزری جو تعلیم میں اسقدر سرگرم اور تحصیل علم کی اس درجہ متمنی اور خواہشمند ہو۔ جب ان کو کسی مضمون کا مفہوم ٹھیک طور پر سمجھا دیا جاتا تھا تو وہ اُس کے سیکھنے کے لئے نہایت آرزو اور کمال تمنا سے آمادہ ہو جاتے تھے۔ میں چاہتا تھا کہ نہایت مکمل طریقے اور خوش اسلوبی سے کتابیں پڑھاؤں۔ چند ہی روز میں معلوم ہوگیا کہ طویل العنوان مضامین جو اکثر طلبا کے مطالعہ میں آ چکے تھے ان سے بہت ہی کم واقفیت رکھتے ہیں۔ نقشے پر کسی صحرا یا ریگستان یا شاہ چین کا دار الخلافہ تو اچھی طرح بتلا سکتے تھے لیکن اتنی تمیز نہ تھی کہ میز پر چھری کانٹے اور گوشت روٹی کا مناسب مقام کہاں ہے۔ مجھے ایک طالب علم کو جو حساب میں مکعب و نفع و نقصان کے قاعدے سیکھنا چاہتا تھا نہایت دلیری سے یہ کہنا پڑا کہ اول پہاڑے یاد کرنا تمہارے حق میں زیادہ مفید ہے۔

طلبا کی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی تھی حتیٰ کہ پہلے ماہ کے اختتام پر پچاس کے قریب ہوگئے۔ اکثر طلبا چاہتے تھے کہ دو تین مہینے بعد اعلیٰ جماعت میں داخل ہو کر پہلے ہی سال میں ڈپلوما حاصل کر لیں۔

چھ ہفتے گزرنے پر مس ڈیویڈسن نام ایک جدید اور نادر الوجود عورت اُستانی بن کر یہاں آئی۔ جس سے بعد ازاں ۱۸۸۶ء میں میری شادی ہوگئی۔ یہ اوہایو میں پیدا ہوئی اور اس ضلع کے سرکاری اسکول میں تعلیم پائی۔ ابھی لڑکی ہی تھی کہ اس کو جنوبی علاقے میں استادوں کی ضرورت کا حال معلوم ہوا۔ اور ضلع مسیسپی میں جا کر مدرسی کا کام کرتی رہی۔ وہاں ایک طالب علم کو چیچک نکل آئی۔ اس کا کوئی عزیز ڈر سے اُس کے نزدیک نہ جاتا تھا۔ مس موصوف نے اسکول بند کر دیا اور اُس کی خدمت کے لئے کمربستہ ہوگئی اور تا صحت نہایت مستعدی سے خدمت کرتی رہی۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایام تعطیلات میں جب وہ اپنے وطن میں تھی اس نے سنا کہ ممفس میں ایک قسم کا سخت وبائی بخار پھیلا ہوا ہے۔ سنتے ہی وہاں کی کمیٹی کے افسر کو تار دیا کہ اگر اجازت ہو تو بیماروں کی تیمارداری کے لئے حاضر ہوں؟ اس سے پہلے وہ یہاں استانی بھی رہ چکی تھی۔

جنوب میں رہ کر مس ڈیویڈسن یہ معلوم کر چکی تھی کہ کتابی علم کی نسبت اور تعلیم کی لوگوں کو زیادہ تر ضرورت ہے۔ جب ہیمپٹن کا طریقۂ تعلیم اس کے گوش زد ہوا تو نہایت پسند آیا اور ارادہ کیا کہ اس پیشے کو زیادہ تر مفید اور کارآمد بنانے کے لئے وہاں پر جانا اور تعلیم حاصل کرنا نہایت ضروری ہے۔ اس کی نادر لیاقت اور خداداد قابلیت نے مسز ہیمنوے ساکن بوسٹن کی توجہ کو اپنی طرف مائل کر لیا اور اس کی مہربانی اور فیاضی کی بدولت ہیمپٹن سے گریجویٹ ہو کر نکلی اور بعد ازاں فرامنگم نارمل اسکول میں دو برس تک اُستانی کا کام سیکھتی رہی۔ یہاں داخل ہونے سے پیشتر کسی نے مس ڈیوڈسن کو یہ صلاح دی تھی کہ تمہارا رنگ گورا ہے۔

اگر اپنا حبشی ہونا نہ ظاہر کرو تو خوب آرام سے رہو گی۔ اُس نے فوراً صاف جواب دیا کہ "میں کسی حالت میں یا کسی فائدے کی غرض سے اپنی قومیت کی نسبت کسی کو دھوکہ دینا گوارا نہیں کر سکتی"

فرامنگم سے گریجویٹ ہو کر نکلنے کے کچھ مدت بعد مس ڈیوڈسن ٹسکیگی میں آئی۔ طریقۂ تعلیم میں اس کے خیالات نہایت کار آمد۔ جدید اور قابل قدر تھے اور اخلاق حسنہ اور خصائل پسندیدہ سے آراستہ و پیراستہ ہونے کے علاوہ ایثار نفس میں بھی کمال رکھتی تھی۔ ٹسکیگی اسکول کو کامیاب بنانے میں جس قدر حصہ مس ڈیوڈسن نے لیا شاید ہی کسی کو نصیب ہوا ہو۔

ابتدا ہی سے ہم دونوں نے مل جل کر اسکول کے مستقبل کی نسبت غور کرنا شروع کر دیا۔ اگرچہ طلبا کتابیں پڑھنے اور اپنے دماغوں کی تربیت کرنے میں خاص ترقی کر رہے تھے لیکن ہمیں فوراً ہی معلوم ہو گیا کہ اگر ہم انکے دماغوں پر کوئی دائمی اثر پیدا کرنا چاہیں تو کتابی تعلیم کے سوا اور بھی کچھ کرنا لازم ہے۔ طلبا کو اپنے گھروں میں جسم کو صاف رکھنے کی ہدایت بھی کبھی نہ ہوئی تھی اور ٹسکیگی کے مکانات جہاں وہ رہتے تھے اُن کے گھروں سے چنداں بہتر نہ تھے۔ اسلئے ہم کو انہیں نہانے دھونے، بدن اور کپڑے صاف رکھنے، کھانا کھانے اور کمرے کو صاف رکھنے کی تعلیم بھی دینی پڑتی تھی۔ اس کے علاوہ کسی نہ کسی صنعت کا سکھانا بھی ضروری تھا تاکہ وہ اسکول چھوڑنے پر محنت و کفایت شعاری سے اپنی روزی کمانے کے قابل ہو جائیں۔ ہماری غرض یہ تھی کہ وہ محض کتابیں ہی نہ رٹتے رہیں بلکہ دنیوی اشیا کی اصلیت اور ماہیت سے بھی بخوبی واقف ہو جائیں۔

اکثر طلبا ایسے اضلاع سے آتے تھے جہاں کھیتی باڑی پر اُن کا گزارہ ہوتا تھا اور ۸۵ فی صدی حبشی صرف زراعت ہی پر گزران کرتے تھے۔ اس لئے ہم ایسی تعلیم دینا پسند نہ کرتے تھے جس سے وہ زراعت سے متنفر ہو جائیں، اور دیہات چھوڑ کر شہروں میں بود و باش اختیار کریں اور محض عقل ہی کے زور سے روزی کمانا چاہیں بلکہ اس قسم کی تعلیم دینا چاہتے تھے جس سے وہ استاد بن سکیں اور اپنے دیہاتی گھروں کو واپس جا کر لوگوں میں زراعت کو ترقی دیں اور ان کی عقلی، اخلاقی اور مذہبی زندگی میں روح پھونکیں اور جدید خیالات پھیلائیں۔ ان خیالات اور ضروریات نے ہمیں سخت متفکر اور متردد کر رکھا تھا۔ ہمارے پاس صرف ایک ٹوٹا پھوٹا گرجا تھا جو باشندگانِ ٹسکیگی نے عارضی طور پر اسکول کے لئے ہمارے حوالے کر دیا تھا۔ طلبا کی تعداد روز بروز بڑھ رہی تھی۔ اکثر نو وارد طلبات دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اُن کا منشا تعلیم سے صرف یہی ہے کہ وہ دستی محنت و مشقت کے ساتھ روزی کمانے سے نجات پا جائیں۔

اسکول کھلنے کے تین ماہ بعد جبکہ ہم کو اپنے کام کے متعلق ازحد تشویش تھی تو معلوم ہوا کہ ایک پرانا باغ بکنے والا ہے جو شہر ٹسکیگی سے ایک میل کے فاصلے پر ہے۔ وہاں جا کر خوب غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ یہی جگہ ہمارے کام کو مفید اور دیرپا بنانے کیلئے موزوں ہے۔ لیکن اب خریداری کا سوال پیدا ہوا۔ اگرچہ ۵۰۰ ڈالر کچھ اتنی بڑی قیمت نہ تھی لیکن ہمارے پاس تو ایک سینٹ بھی موجود نہ تھا۔ اس کے علاوہ ہم اجنبی بھی تھے اور کسی سے ہمارا لین دین نہ تھا۔ تاہم مالک زمین نے اس شرط پر یہ زمین ہم کو دینی منظور کر لی کہ ۲۵۰ ڈالر تو فوراً ادا کر دیں اور باقی ۲۵۰ ایک سال کے اندر۔ اگرچہ ۵۰۰ ڈالر میں یہ زمین نہایت سستی تھی لیکن جس کے پاس ایک سینٹ بھی نہ ہو اس کو تو نہایت مہنگی معلوم ہوگی۔ میں نے اس آڑے وقت میں کمر ہمت باندھ لی اور اپنے مکرم مہربان جنرل مارشل کو جو ہمپٹن کا خزانچی تھا تمام ماجرا لکھ بھیجا اور اپنی ذمہ داری پر ۲۵۰ ڈالر قرض طلب کیا۔ چند روز بعد جواب آیا کہ مجھے اُس درسگاہ کے فنڈ سے تو قرض دینے کا اختیار نہیں ہے لیکن اپنے پاس سے یہ رقم بخوشی تم کو قرض دے سکتا ہوں۔ اس طرح اس رقم کا حاصل کرنا میرے واسطے نہایت حیرانی اور کمال خوشی کا باعث ہوا کیونکہ اس وقت تک کمشت سو ڈالر کبھی میرے ہاتھ میں نہ آئے تھے اور ذاتی ذمہ داری پر جو قرض جنرل مارشل سے لیا گیا تھا وہ الگ متردد اور متفکر رکھتا تھا۔

میں نے اسکول کو فوراً نئے مکان میں تبدیل کر دیا۔ جب اس زمین پر ہمارا قبضہ ہوا تو اس وقت وہاں ایک تو جھونپڑا تھا جس میں کبھی کھانا کھایا جاتا تھا اور ایک پرانا باورچی خانہ، ایک اصطبل، اور ایک ٹوٹا پھوٹا مرغیوں کا ڈربہ۔ چند ہی ہفتوں میں یہ سب جگہیں ہمارے استعمال میں آنے لگیں۔ اصطبل اور مرغیوں کا ڈربہ تھوڑی بہت مرمت کے بعد پڑھائی کے کمرے بنا لئے گئے۔

دوپہر کو جب چھٹی ہو جاتی تھی تو اس نئی جگہ کو طلبا سے صاف کرایا جاتا تھا تاکہ اسکول کے کام میں آسکے۔ جب کمروں کی صفائی سے فراغت ہو چکی تو کھیتی کے لئے کچھ زمین درست کرانے کا ارادہ کیا۔ جب یہ تجویز طلبا کے سامنے پیش کی گئی تو انہوں نے اس کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہ دیکھا اور تعلیم اور جنگل (دیکھو صفحہ ۱۲)

نظم

باز اور بلبل

(ماخوذ از نظامی)

پھول پھولے تھے جب گلستاں میں
باز اک اڑ رہا تھا میداں میں

تھک کے اک شاخ پر چلا آیا
اور اپنے پروں کو سلجھایا

ایک بلبل بھی تھی وہاں بیٹھی
دیکھ کر باز کو وہ یوں بولی

"سب پرندوں میں اے مرے ذی ہوش
کس لئے اس قدر ہے تو خاموش

بند رہتا ہے تیرا منہ ہر وقت
ہے تری اس ادا پہ حیرت سخت

پھر بھی تیرے بڑے عروج میں باز
بادشاہوں کا تو ہے مایۂ ناز

تیری بیٹھک ہیں ہاتھ شاہوں کے
ہاتھ کس کے؟ جہاں پناہوں کے!

مجھ کو دیکھو کہ نغمہ گاتی ہوں
درد دل پھول کو سناتی ہوں

میرا صیاد ہوگیا دشمن
چاہتا ہے کہ چھوڑ دوں گلشن

گو ہے خاروں میں آشیاں اپنا
پھر بھی دشمن ہے باغباں اپنا

گھورتا ہے مرے نشیمن کو
یوں بڑھاتا ہے دل کی الجھن کو

باز بولا کہ "سن مری اک بات
اس طرح تو بسر نہ کر اوقات

کیونکہ میرا تو تجربہ ہے یہ
لاکھ دیکھے مگر نہ ایک کہے،

لوگ دنیا کے مطلبی ہیں سب
ہیں ہر اک شے میں دیکھتے مطلب

ان کو بھاتی نہیں تری بکواس
اس لئے ہے ترا لحاظ نہ پاس

کام تجھ کو کوئی نہیں آتا
رونے گانے میں وقت ہے جاتا

میں شکاری ہوں بادشاہوں کا
اک کھلونا جہاں پناہوں کا

میں سدا ان کے کام کرتا ہوں
دم غلامی کا ان کی بھرتا ہوں

تب مجھے ہاتھ پر بٹھاتے ہیں
اچھے کھانے مجھے کھلاتے ہیں

آہ مطلب سے کون ہے خالی
بات جو سچ تھی تجھ سے کہہ ڈالی

بلبل زار میں نہیں واعظ
لو چلے پھر کبھی ....! خدا حافظ"

غریب کی دنیا

(ہندوستان کے قومی ڈراما نویس حضرت آغا حشر کشمیری کا تازہ قومی ڈراما)

(خاص پیام تعلیم کے لئے)

یہ ایک نوذنی ڈراما ہے جو حضرت آغا حشر کشمیری شکسپیر ہند کا لکھا ہوا ہے۔ یہ ۲۰ دسمبر ۱۹۲۹ء کو کلکتہ کے اسٹیج پر آیا ہے اور ڈیڑھ مہینے تک کلکتہ میں کھیلے جانے کے بعد شمالی ہند میں چلا گیا ہے۔ اس کی شہرت و مقبولیت بے مثال ہے۔ ہندو مسلم، امیر غریب، عالم جاہل، ہندوستانی اور یوروپین سب اس پر فدا اور قربان ہیں۔ آخر اس کا کیا راز ہے؟ ایک ایک شخص نے اس کو سات سات مرتبہ دیکھا ہے اور کوئی دیکھنے والا ایسا نہیں آیا ہے جو آنسوؤں میں ڈوب کر نہ آیا ہو حتی کہ خود مصنف اور ایکٹرس بے خود و بے اختیار ہو ہو کر رو پڑے ہیں۔ اس کا کیا باعث ہے؟

چونکہ اس سوال کے جواب کا تعلق بچوں سے بھی ہے اس لئے آج میں مختصر اس کا حال لکھتا ہوں۔ پوری کہانی پر لکھنا منظور نہیں ہے، صرف اس کا مختصر مطلب ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔

جیسا کہ ڈرامے کے نام سے معلوم ہو سکتا ہے، یہ ہمارے پیارے وطن ہندوستان کی غربت و افلاس اور مظلومیت و قابل رحم حالت پر ہے۔ اس میں ساہوکار، زمیندار، پروہت، وکیل اور نفرت کے پرچارک لیڈر کے غارت گرانہ اور ظالمانہ کرتوتوں کو دکھلایا گیا ہے۔ پھر غلط مذہب کے مقابلہ میں سچے دھرم کو، سرمایہ پرستی کے مقابلہ میں قربانی کو، ظلم و جبر کے مقابلہ میں رحم و شرافت کو پیش کیا گیا ہے۔ نیکی اور بدی، قوم پرستی اور خود غرضی، عصمت اور گناہ اور روشنی اور تاریکی میں جنگ ہوتی ہے۔ اول روشنی مغلوب ہوتی ہے لیکن پھر تاریکی پر غالب آتی ہے۔ آخر میں ظالم مہاجن، بے رحم زمیندار، فریبی وکیل اور مہاتما نما شیطان اپنے اپنے جال میں گرفتار ہو ہو کر تباہ ہوتے ہیں۔

جو اثر آدمی کے دل پر اس کھیل کو دیکھ کر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے دکھی دیش میں خوزمین پامال ہیں، کسان برباد ہیں، نادار اور غریب (اور ملک کی اصلی آبادی غریب ہی ہیں) انصاف سے محروم ہیں اور ان کی عزت و آبرو، جان و مال تمام تر سیٹھوں، مہاجنوں اور زمینداروں کے رحم و کرم پر موقوف ہے۔ دھرم اور دھرم کے ٹھیکہ دار پروہت بھی اونچ طبقوں اور سرمایہ داروں کا حامی ہے۔ رسم و رواج نے سوسائٹی کو برباد کر رکھا ہے۔ خود دھرم ان کے دباؤ سے بے جان اور بے روح ہو گیا ہے۔ اخلاق، خدا پرستی اور خلق دوستی کی جگہ ریا، رسم پرستی اور سرمایہ دوستی کا دور دورہ ہے۔

ملک کو بڑی ضرورت وطن کے سچے خادموں اور فدائیوں کی ہے جو سچائی اور بے غرضی کے ساتھ ملک و قوم کی بہتری کے لئے کھڑے ہوں، اپنے آپ کو متحد و منظم کریں۔ پھر عقل اور دلیری کے ساتھ سماجی برائیوں کے خلاف جنگ شروع کردیں، اور بہادری کے ساتھ ہر میدان میں قومی بہتری کے لئے جان، مال اور دل و دماغ کے ساتھ مصروف ہو جائیں تاکہ ہمارا دیش بھارت جو دنیا کا سب سے دکھی دیش ہے، دکھ، غربت، نفاق، ظلم، بے انصافی اور غلامی سے نجات پائے۔

ڈراما کے ہیرو "سونا" اور "روپا" دو بھائی ہیں جو ملک و قوم کی خدمت کے لئے ایک "سیوا سمتی" بناتے ہیں۔ یہ دونوں دھرمی بالک (مذہبی لڑکے) ہیں۔ خدمت خلق، آزادی وطن اور اصلاح ملک ان کا دھرم ہے۔ اول ایکٹ کا اول سین جس سے ڈراما شروع ہوتا ہے بہت پر اثر ہے۔ اس میں سونا روپا دونوں دھرمی بالک تمام خدام وطن کے لیڈر کی حیثیت میں سیوا سمتی کے ممبروں کے ساتھ صف بستہ خدا کی رحمت و ربوبیت کا بھجن گاتے ہیں۔ پھر سب ملکر اخلاص سے قوم و ملک کی سیوا کا عہد کرتے ہیں، حلف اٹھاتے ہیں، تقریریں کرتے ہیں اور آخر میں ملکر یہ ترم گان گاتے ہیں:۔

بھارت کی نیّا پار اُتارو : دیش کا دُکھ تارو!

٭ کوئی دو ماہ کا عرصہ ہوا یہ ڈراما دہلی میں بھی آیا تھا اور غالباً اپنی مقبولیت کی وجہ سے آجکل پھر آیا ہوا ہے۔ یہ ڈراما ایک پارسی کمپنی کر رہی ہے اور اس کے کام کرنے والے گجراتی ہیں۔ اپنے عزیز دوست دیویداس گاندھی جی کے تعلق سے ایک دو بار خود راقم الحروف کو بھی اسکے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے اور خود راقم تنقید نگار کے ان خیالات سے بالکل متفق ہے۔

(ایڈیٹر)

کرپا و شبھ نام ! نام !! نام !!!

بدی مو بھارت کی سنتان تو بس سے ہو بھارت کا کلیان

نت کرنا وہ کام ! کام !! کام !!!

کرم نگر میں آئے ہو تو دھرم کا سودا کر لو

دھرم ہی جگ میں سچا دھن ہے'

باقی سارے دھن ہیں کھوٹے دام ! دام !! دام !!!

دنیا کے سارے دیش سکھی ہیں' بھارت دیش دکھی ہے

بھارت کا ادھار کرو تم !

بھارت کی سیوا میں ہے سکھ دھام ! دھام !! دھام !!!

ڈرامے کے کل اشخاص ہندو ہیں لیکن مصنف کی عالی دماغی اور بلند نظری کی داد دینی چاہئے کہ ہندو دھرم کے خلاف ایک لفظ بھی دل آزارانہ نہیں ہے بلکہ پورا ڈراما ہمدردی و اصلاح کے جذبہ میں ڈوبا ہوا ہے۔ کاش ملک کے اخبار رسالے اور مصنف حضرت حشر سے سبق لیں۔ زبان ہندی ہے لیکن بالکل سلیس اور رواں۔ بناوٹ نام کو بھی نہیں، اردو خواں آسانی سے اس کو سمجھ لیتے ہیں۔ واقعی حضرت حشر ہمارے قومی ڈراما نویس ہیں جس طرح حضرت اقبال ہمارے قومی شاعر ہیں

میرا خیال ہے کہ ہندوستانی اسٹیج پر آج تک کوئی ایسا کھیل نہیں آیا ہے اور نہ کسی کھیل نے حاضرین سے اتنا خراج تحسین گہر ہائے اشک کی صورت میں وصول کیا ہوگا۔ یہ پورا ڈرامہ ہندوستان کی موجودہ حالت پر ماتم کناں ہے اور ہر دیکھنے والے کو اس کی حالت پر ماتم کناں بنا دیتا ہے۔ ایک شخص نے حضرت حشر سے جو کھیل کو دیکھ کر زار و قطار رو رہے تھے' پوچھا آپ کیوں روتے ہیں ؟ آپ نے فرمایا میں اس کھیل کے کھیلنے والے اشخاص پر نہیں رو رہا ہوں بلکہ ہندوستان پر رو رہا ہوں جسکی غربت و مظلومیت پر یہ ڈراما رو رہا ہے۔

بچو۔ آج سے تم بھی عہد کرو جیسا سونا اور روپا نے عہد کیا ہے کہ ملک و قوم کی خدمت تمہارا دھرم اور حق کی حمایت تمہارا کرم ہوگا !

(بقیہ نوٹ ۹) کی قطع و برید اور صفائی میں جو اصلی اور حقیقی تعلق ہے اس کی ماہیت اور ضرورت کے سمجھنے سے قاصر رہے۔ نیز یہ بھی وجہ تھی کہ بعض طلبا مدرسی کا کام کر چکے تھے اسو اسطے وہ ذرا اکتراتے اور پہلو تہی کرتے تھے کہ جنگل کا کاٹنا اور زمینوں کا درست کرنا انکے لئے ناموزوں نہیں ہے۔ انکی اس بیجا شرم اور خیال باطل کو رفع کرنے کی

غرض سے میں خود کلہاڑا اٹھا کر سبقت کرتا اور جنگل کاٹنے لگتا۔ جب انہوں نے مجھکو بذات خود درخت کاٹتے اور زمین درست کرتے دیکھا تو اس جھوٹی شرم اور خیالی عزت کو خیرباد کہکر نہایت صدق دلی اور سرگرمی سے میرے ساتھ شریک ہو جاتے اور نہایت محنت اور عرق ریزی سے جنگل کاٹتے اور فصل کے لئے زمین تیار کرتے تھے۔ کئی روز دوپہر کے بعد لگاتار کد و کاوش کرکے ۲۰ ایکڑ زمین ہم نے درست کر لی اور فصل بھی بو دی۔

ادھر مس ڈیویڈسن قرض کی ادائیگی کی فکر میں لگی ہوئی تھی اور اسکے لئے اُسنے مینا بازار لگانے کی تدبیر نکالی اور گھر گھر گشت لگا کر نہایت جد و جہد سے کیک' مرغی' ڈبل روٹی' سموسہ وغیرہ مختلف اشیا جو وہاں فروخت ہو سکتی تھیں لاتی اور انکو مینا بازار میں سجاتی تھی۔ حبشی تو اپنی حیثیت اور استطاعت کے موافق جو کچھ دے سکتے تھے نہایت خوشی اور فراخ حوصلگی سے دیتے ہی تھے لیکن کوئی گورہ خاندان بھی وہاں ایسا موجود نہ تھا جس سے مس موصوف نے کوئی شے طلب کی ہو اور اُسنے دینے میں مضائقہ کیا ہو بلکہ وہ اور مختلف طریقوں سے بھی اس اسکول کے ساتھ اپنی دلچسپی اور قلبی محبت کا اظہار کرتے رہتے تھے۔ الغرض چند بار ایسے بازار لگانے سے ایک کافی رقم پیدا ہوگئی۔ اور دونو قوموں سے اپیل کرنے پر بھی کچھ نقدی وصول ہوئی۔ اکثر اوقات بوڑھے حبشیوں کے عطیات جنکی جوانی غلامی میں بسر ہوئی تھی دردانگیز معلوم ہوتے تھے۔ کبھی وہ ۵ سینٹ دیتے اور کبھی ۲۵ سینٹ۔ کبھی ایک لحاف اور کسی وقت کچھ گنے ہی دیڈالتے تھے۔ مجھے ایک ستر سالہ پھٹے کپڑوں والی بڑھیا جسکو کبھی نہ بھولونگی جو انہی دنوں میں جبکہ ہم قرض اتارنے کے لئے چندہ جمع کر رہے تھے' مجھ سے ملنے آئی اور کہنے لگی " مسٹر واشنگٹن ! خدا شاہد ہے میری جوانی غلامی میں بسر ہوئی۔ میں نہایت مفلس اور ناخواندہ ہوں لیکن اس مقصد کو جو آپ کے اور مس ڈیویڈسن کے پیش نظر ہے' خوب سمجھتی ہوں اور نہایت عزت اور وقعت کی نگاہ سے دیکھتی ہوں۔ آپ حبشی مردوں اور عورتوں کو لائق و فائق بنانے میں نہایت سرگرمی اور مستعدی سے کوشش کر رہے ہیں۔ گو اسوقت میرے پاس نقد تو موجود نہیں لیکن تاہم نہایت عاجزی سے التماس کرتی ہوں کہ یہ چھ انڈے جو میں نے پس انداز کئے ہیں آپ قبول کریں' اور لڑکے لڑکیوں کی تعلیم میں صرف کریں"۔ جب سے ٹسکیگی میں یہ کام شروع ہوا ہے میرے پاس سینکڑوں تحائف اور چندے اسکول کے لئے لوگوں سے وصول ہوئے' لیکن کسی نے میرے دل پر اتنا گہرا اثر نہیں کیا جتنا کہ اُس بڑھیا کے ان چھ انڈوں نے۔

حسد کا پھل

ایک بادشاہ کے دو بیویاں تھیں جن میں ایک بڑی اور دوسری چھوٹی تھی۔ دونوں کے ایک ایک لڑکی تھی۔ بڑی بیوی اور اس کی لڑکی دونوں نہایت خوبصورت، شریف طبیعت اور فرشتہ سیرت تھیں لیکن چھوٹی بیوی اور اس کی لڑکی دونوں نہایت بدصورت، کریہ المنظر اور کم عقل تھیں۔ ایک عجیب بات یہ تھی کہ بادشاہ اپنی چھوٹی بیوی اور اس کی لڑکی سے زیادہ محبت کرتا تھا اور اپنی بڑی بیوی کی لڑکی کو کھیت کی رکھوالی کے لئے مقرر کر رکھا تھا۔ یہ بیچاری لڑکی کھیت میں تمام دن جانوروں کو ہنکاتی پھرتی تھی۔

ایک دن وہ ہنکانے چلانے سے تھک کر زمین پر لیٹ گئی اور درد بھری آواز سے چلا کر کہا "آہ! کون اس بدنصیب لڑکی کی مدد کر سکتا ہے؟" وہ یہ کہہ ہی رہی تھی کہ دفعتہً ایک بہت بڑا اژدہا اس کے سامنے آیا اور اس کو تسلی دیکر کہنے لگا "تم سو جاؤ۔ میں تمہارے کھیت کی حفاظت کروں گا۔ لیکن اس بات کا وعدہ کرو کہ تم مجھ کو اپنے گھر لیجاؤ گی اور اپنے پاس رکھو گی"۔

لڑکی نے دل میں سوچا کہ "اگر میں اس سے وعدہ کر لوں تو اس میں کچھ نقصان نہیں کیونکہ نہ یہ میرے گھر آسکتا ہے اور نہ میرے ساتھ رہ سکتا ہے" اور یہ خیال کرکے اُس نے اژدہے سے وعدہ کر لیا اور سو گئی۔ اژدہا تمام دن کھیت کی حفاظت کرتا رہا۔ اُس کے خوف سے تمام جانور ادھر اُدھر دوسرے کھیتوں میں چلے گئے اور اس کھیت میں آنا چھوڑ دیا۔ شام کو لڑکی خوش خوش اپنے گھر آئی اور اپنی ماں سے تمام واقعہ بیان کیا۔

اب یہ روزمرہ اپنے کھیت میں ادھر اُدھر کھیلتی پھرتی تھی کیونکہ جانوروں کے آنے کا اب بالکل خوف نہیں رہا تھا۔ ایک دن وہ اپنے کمرہ میں اپنی ماں کے ساتھ سو رہی تھی کہ اژدہا اُس کے گھر میں آیا اور دروازہ کے پاس کھڑے ہو کر ایک خوفناک پھنکار ماری، جس سے تمام گھر کے لوگ جاگ اُٹھے اور لڑکی روتی ہوئی بھاگی۔ اُس نے اپنی ماں سے کہا "یہ وہی اژدہا ہے جس سے میں نے وعدہ کیا تھا"۔ اس کی ماں بھی یہ دیکھ کر رونے پیٹنے لگی۔ اتنے میں بادشاہ آگیا اور دروازہ روک کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا "یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک خوفناک اژدہا میری لڑکی سے شادی کرے۔"

اُس کی چھوٹی بیوی دور سے کھڑی یہ تماشہ دیکھ رہی تھی۔ اُس نے یہ حال دیکھکر اپنے دل میں خیال کیا کہ "یہ موقع بادشاہ کی بیوی اور اس کی لڑکی دونو کو نقصان پہنچانے کا اچھا ہے"۔ چنانچہ یہ سوچکر وہ بادشاہ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ "یہ جائز نہیں ہے کہ وعدہ کرنے کے بعد اس کو پورا نہ کیا جائے۔ تم دروازہ پر سے ہٹ جاؤ اور اس کو اندر جانے دو"۔ بادشاہ یہ سن کر فوراً دروازہ پر سے ہٹ گیا اور اژدہا اندر داخل ہو گیا اور شہزادی کے پلنگ کے پاس جا بیٹھا۔ شہزادی بھی چپ چاپ لیٹی رہی۔ صبح کو جب شہزادی اُٹھکر باہر چلی گئی تو اژدہا فوراً ایک نہایت خوبصورت شہزادے کے بھیس میں تبدیل ہو گیا۔ اُس نے اپنی کینچلی کو آگ پر ڈال دیا وہ جل کر راکھ ہو گئی۔

جب شہزادی اندر آئی تو وہ یہ ماجرا دیکھکر نہایت حیران ہوئی اور اُس سے اسکا حال دریافت کیا۔ اُس نے کہا "مجھے ایک جادوگر نے ایسا بنا دیا تھا اور کہا تھا کہ جب تم کسی شہزادی سے شادی کر لوگے اس وقت اپنی اصلی حالت پر آجاؤ گے"۔ یہ سنکر شہزادی بہت خوش ہوئی اور دونوں آرام سے رہنے لگے۔

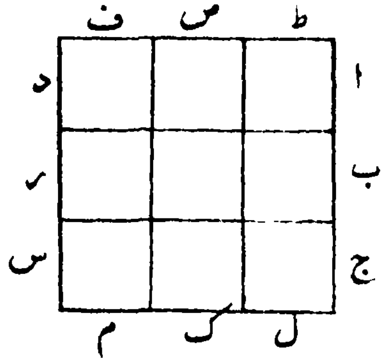
چھوٹی بیوی نے جب یہ حال دیکھا تو اس نے بھی بادشاہ سے اصرار کیا کہ وہ اس کو ایک اژدہا منگا دے۔ چنانچہ بادشاہ نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ "ایک اژدہا پکڑ لاؤ" وہ گئے اور ایک بہت بڑا اژدہا پکڑ لائے۔ رات کو اژدہے کو شہزادی کے ساتھ ایک کمرے میں بند کر دیا گیا۔ اژدہا بھوک سے بیتاب ہو رہا تھا اس نے شہزادی کے کھانے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ اس نے پاؤں کی طرف سے شہزادی کو کھانا شروع کیا۔ شہزادی چلائی "اماں! اماں! مجھے بچاؤ اژدہا میرے پاؤں چبا رہا ہے"۔ لیکن ماں نے باہر سے جواب دیا کہ "بیٹی غل مت مچاؤ وہ تمہارے پاؤں میں سونے کے چھاگل پہنا رہا ہوگا"۔ شہزادی نے اسکا کچھ جواب نہ دیا۔ جب اژدہا کمر تک شہزادی کو نگل گیا تو وہ پھر چلائی "اماں، اماں! میری مدد کرو اژدہا مجھے کمر تک کھا گیا ہے"۔ ماں نے جواب دیا "بیٹی وہ سونے کی پیٹی تمہاری کمر میں باندھ رہا ہوگا۔ تم ڈرو مت"۔ آخرکار صبح تک اژدہے نے شہزادی کو کھا کر ختم کر دیا۔ جب ماں نے دروازہ کھولا تو بیٹی کو نہ پایا۔ بہت روئی پیٹی۔ بالآخر جب اژدہے کا پیٹ چیرا گیا تو اسمیں سے شہزادی مری ہوئی نکلی۔

انعامی معمّہ

ذیل میں چند ہندسے دئے جاتے ہیں۔ ان کو نو خانوں والے مربع میں اس طرح لکھئے کہ اگر ان کو دائیں سے بائیں مقامات ا ، ب ، ج سے علی الترتیب د ، ر ، س تک اور مقامات ط ، ص ، ف سے علی الترتیب ل ، ک ، م تک گنا جائے تو ہر صورت سے ان کا مجموعہ برابر ہو۔ وہ ہندسے یہ ہیں۔

۹۸ ، ۹۹ ، ۱۰۰ ، ۱۰۱ ، ۱۰۲ ، ۱۰۳ ، ۱۰۴ ، ۱۰۵ ، ۱۰۶

اور مربع اس قسم کا ہو۔



شرائط

۱۔ جوابات ۳۰ [illegible] تک مندرجہ ذیل پتہ پر پہنچنے چاہئیں

نجم الدین صاحب،
بتوسط ایڈیٹر صاحب "پیام تعلیم"
قرولباغ - دہلی

۲۔ ہر جواب کے ساتھ ایک آنہ کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔

۳۔ اگر کوئی طالب علم ایک سے زیادہ ایک ایک آنے کا ٹکٹ بھیجیگا تو اس کو اتنی ہی بار مقابلہ میں شریک کیا جائے گا۔

۴۔ انعام صرف ایک ہوگا۔ اگر جوابات زیادہ ہوئے تو دوم انعام بڑھا دیا جائے گا۔

نتیجہ امتحان سالانہ جامعہ ملیہ اسلامیہ

مکتب

ترقی دی گئی

صلاح الدین
محمد علی
احمد
محمد خان

روک لیا گیا

* مرغوب حسن

ابتدائی اول

ترقی دی گئی

سید عبدالودود
مظہر الحق
محمد عمر فاروق
محمد سالم
عبدالرحمن
محمد زبیر
محمد احمد

روک لیا گیا

* مقبول حسن
* منیر الدین

ابتدائی دوم

ترقی دی گئی

عمر الدین
محمد ابراہیم
فضل الرحمن
اقبال احمد
ابوالکلام
عبدالسمیع
سید محمد محمود
سید کاظم علی
عبدالحی
احمد داؤد
محمد بن سالم
احمد بن سالم
رحیم الدین
علی احمد
علی میاں

ابتدائی سوم

ترقی دی گئی

انوار الاسلام
عباس فریدی
شوکت علی
اخلاق الرحمن
رفیق عزیز بیگ
محمد مسلم
محمد ویدی
محمد حسن سبحانی
سیف الدین خالد
عبید الرحمن
محمد عبدالسلام
محسن فریدی
حسین بن احمد
صفی الدین
محمد معظم

روک لیا گیا

خلیل الرحمن
مرزا فرح عزیز بیگ
اسمعیل
واجد رضا

ابتدائی چہارم

ترقی دی گئی

غلام حسن
محمد محمود مدراسی
محمد عمران
اسرار الحق
سراج الحق
ابو خلیل
شفیق احمد
محمد حسین خان
ابراہیم داؤد
عبدالحمید
محمد الحسن
صالح بن احمد
احمد الشکری
محمد عرفان

روک لیا گیا

* اصغر محمد خان
* ملک محمد صدیق
ابوالفرید
محمد صادق
محمد
* میر اصغر علی
محمد ابو بکر
لطف الدین

ابتدائی پنجم

ترقی دی گئی

ابوالبرکات
حافظ ظہیر الدین
عبدالمالک
انیس الرحمن
سلیم الدین
رضی الحق
ریاض الحق
سرتاج ولی
محمد احمد
عبدالرحمان
منظور الحق
محمد ابراہیم
مختار احمد

روک لیا گیا

اللہ
نعمان احمد
ظریف احمد
عبداللطیف

ابتدائی ششم

ترقی دی گئی

عبدالخالق
عبدالماجد
مرزا طاہر علی بیگ
محمد اسماعیل
ممتاز احمد
مختار احمد
مجتبیٰ کریم

روک لیا گیا

علی الدین
*
نور اللہ
رضوان الحق

ثانوی اول

ترقی دی گئی

نعیم طالب
یاس مبین

ثانوی دوم

ترقی دی گئی

محمد شفیع

روک لیا گیا

یعقوب احمد
اشفاق حسین
* اسماعیل داؤد
* یوسف احمد

ثانوی سوم

ترقی دی گئی

امتیاز حسین خان
محمد حنیف
احسان اللہ
صدیق شاہ

روک لیا گیا

عبدالجلیل

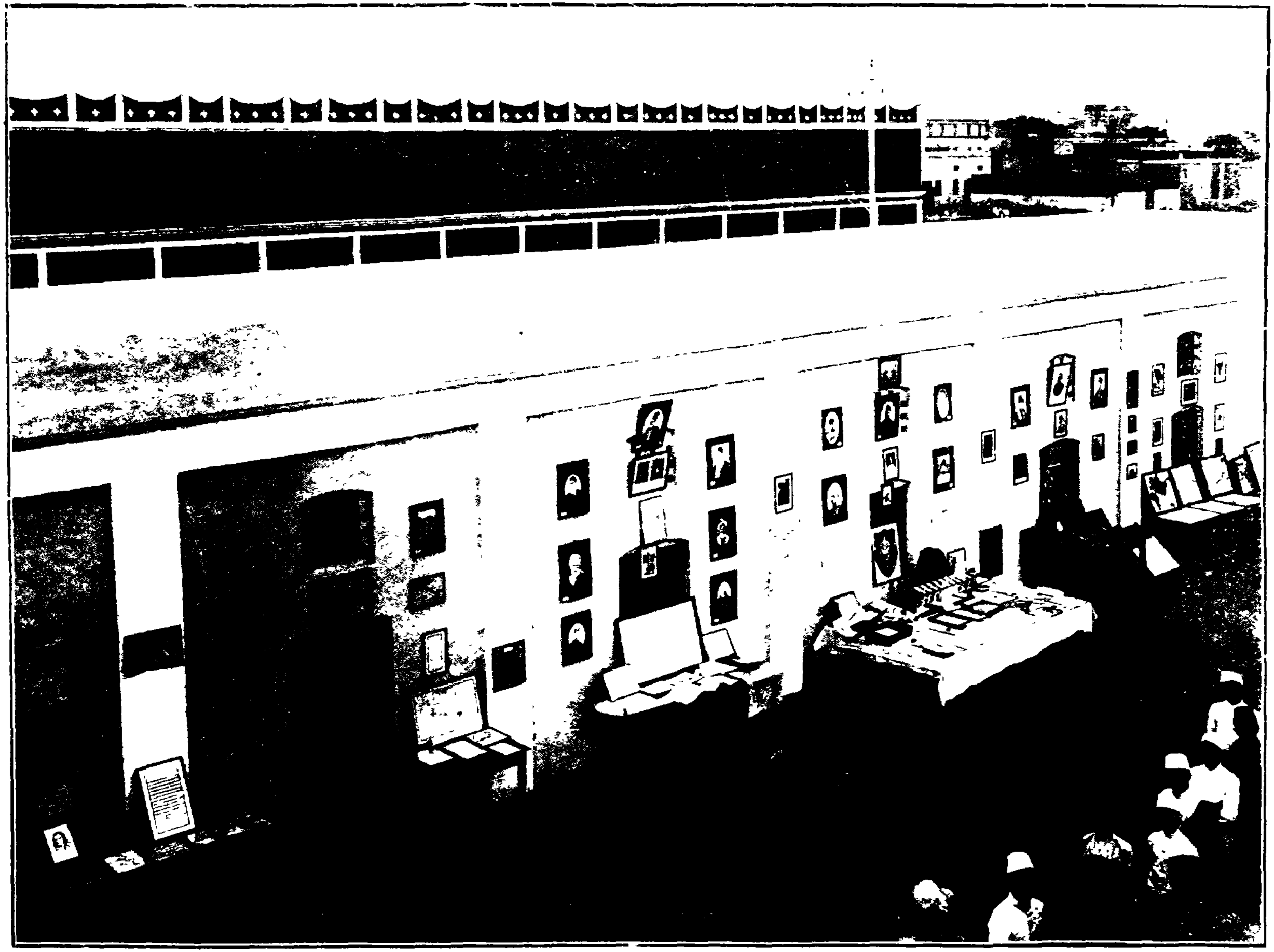
نوٹ جن طلبا کے نام کے سامنے * نشانی ہے وہ غیر حاضر تھے اور ان کا دوبارہ امتحان ہو گا



۱۹۷۱
پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ
جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

فہرست مضامین

جلد ۹ | ۲۱ جون سنہ ۱۹۳۰ء | نمبر ۴



نمائش یوم تاسیس

[illegible]

ہندوستان میں کیا ہو رہا ہے

چونکہ مسٹر جے۔ دی۔ پٹیل نے مجلس مقننہ کی صدارت سے استعفےٰ دیدیا ہے اس لئے گورنر جنرل نے صدر کے انتخاب کی تاریخ ۹ر جولائی مقرر کی ہے۔

سرحدی مہمندان کی دوسری جانب جہاں حاجی ترنگزئی کا لشکر مقیم ہے انگریزوں نے ہوائی تاخت کی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حاجی صاحب کا لشکر ایک حد تک محفوظ رہا۔

اطلاع موصول ہوئی ہے کہ محرم کی تعطیلات کے بعد امرتسر میں بجلی گھر کا دفتر کھلنے پر بل ادا کرنے والوں کا بے حد ہجوم تھا۔ ہر ایک شخص جلد سے جلد اپنا بل ادا کرنا چاہتا تھا۔ اسی کشمکش میں کھڑکیوں کے شیشے وغیرہ ٹوٹ گئے۔ بجلی گھر والوں نے پولس کی امداد طلب کی۔ پولس نے آکر ہجوم پر لاٹھیوں سے حملہ کیا کئی آدمی زخمی ہوئے۔ زخمیوں کا شہر میں جلوس نکالا گیا۔

محرم کے جلوس کے دوران میں ویلور میں ہندو مسلم فساد ہوگیا جس پر پولس نے گولی چلائی۔ دو اشخاص مارے گئے۔ لیکن رہنماؤں کی کوشش سے سمجھوتا ہوگیا۔

سردار سردول سنگھ۔ جنکا مقدمہ لاہور میں چل رہا تھا انکے خلاف فرد جرم عائد کر دیگئی ہے۔ سردار صاحب اپنا تحریری بیان عدالت میں پیش کرینگے۔

کلکتہ میں پچپن رضا کار ویسرائے کے جاری کردہ انسداد تخویف کے آرڈنینس کے ماتحت گرفتار کر لئے گئے تھے۔ ان میں سے سولہ رضا کاروں کو بڑے بازار میں کپڑے کی دکانوں پر پکٹنگ کرنے کے الزام میں ایک ایک ماہ قید محض کی سزا دی ہے۔

دہلی میں حال ہی میں جو خوفناک آتشزدگی ہوئی تھی اور کئی دوکانیں جل گئی تھیں اسکے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ کل نقصان تقریباً ۲۰ لاکھ کا ہوا ہے۔

سائمن کمیشن کی رپورٹ کی جلد اول شایع ہوگئی ہے۔ اس پر مخالفت اور موافقت میں خوب خوب تبصرے ہو رہے ہیں۔

اطلاع موصول ہوئی ہے کہ لائل پور میں ۸ر جون کو ایک جلسہ ہو رہا تھا جس میں مقامی افسر موجود تھے۔ جلسہ گاہ میں ایک بم پھٹا لیکن کوئی زخمی نہ ہوا۔ پولس نے چوبیس آدمیوں کو گرفتار کر لیا ہے۔

لکھنؤ میں تمام باغات اور پارکوں میں فوج نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔ ہر روز پانچ چھ رضا کاروں کا جلوس نکلتا ہے جو گرفتار کر لیا جاتا ہے۔

کانگریس کی مجلس عاملہ نے فیصلہ کیا ہے کہ کانگریس کا پروپگنڈا کرنے کے لئے تمام اخبارات شایع ہو سکتے ہیں۔ اور یہ کہ کسی اخبار پر پکٹنگ لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔

ان فوجیوں کے خلاف مقدمہ شروع ہوگیا ہے جنہوں نے پشاور میں گولی چلانے سے انکار کر دیا تھا۔ تمام ملزموں نے اپنا ایک متفقہ تحریری بیان دیا ہے۔

لاہور میں شراب کی دکانوں پر پکٹنگ شروع ہوگیا ہے

کوائف جامعہ

مدرسہ کے سالانہ امتحانات ۱۷ مئی سے شروع ہوکر ۲۱ مئی ۱۹۳۰ء کو ختم ہوگئے۔ ۲۴ مئی کو نتیجہ سنادیا گیا اور اس سے اگلے دن چھٹیاں ہوگئیں اب جامعہ دو ماہ کے بعد ۲ اگست کو کھلے گی۔

جناب حافظ فیاض احمد صاحب مسجل مندرجہ ذیل اطلاع دیتے ہیں:-
جامعہ کے امتحانات منعقدہ مئی ۱۹۳۰ء میں مفصلہ ذیل طلبا کامیاب ہوئے ہیں۔

جامعہ جونیر (میٹرک)

آزاد اسلامیہ ہائی اسکول اتمان زئی۔ ضلع پشاور

درجہ دوم :- عبدالغفور۔ عبدالحلیم
" سوم :- نورالحق۔ مقرب خاں۔ عبدالسلام۔
عبدالخالق۔ بشیر افضل خاں۔ غلام فاروق

مدرسہ جامعہ ملیہ اسلامیہ قرولباغ۔

درجہ دوم :- نذیر حسین احمد
" سوم :- سراج الہدیٰ

جامعہ سینیر

درجہ دوم :- بدرالدین حسینی
" سوم :- مرزا عزیز اللہ بیگ
کمپارٹمنٹ :- عبدالواحد سندھی کو تاریخ ہند میں ضمنی امتحان دینا ہوگا۔

بی۔ اے

درجہ دوم :- عبدالکریم خاں۔
کمپارٹمنٹ :- ایم عبدالستار پشاوری کو انگریزی میں ضمنی امتحان دینا ہوگا۔

کھیل کی خبریں

آج کل آسٹریلیا کی کرکٹ ٹیم انگلستان کا دورہ کر رہی ہے۔ اور مختلف ٹیموں سے میچ کھیل رہی ہے۔ ابھی تک اس ٹیم نے کہیں بھی شکست نہیں کھائی۔ ۱۳ جون کو ان کا پہلا میچ انگلستان کی منتخب ٹیم سے ہوگا چونکہ دنیا میں جہاں تک کرکٹ کا تعلق ہے صرف یہی دو ٹیمیں ٹکر کی ہیں۔ اس لئے اس کا انتظار بڑی شدت سے ہو رہا ہے۔

ہر سال یورپ میں ٹینس کا ٹورنامنٹ ہوتا ہے جس میں دنیا کے تمام ممالک حصہ لیتے ہیں۔ امسال ہندوستان کی ٹیم جاپان سے ہار گئی۔ اور آسٹریلیا کی ٹیم نے انگلستان کو شکست دی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ آخری مقابلہ آسٹریلیا اور جاپان کے مابین ہوگا۔

کلکتہ میں ہر سال فٹ بال کے میچ ہوتے ہیں۔ جن میں ہندوستانی اور فوجی ٹیمیں حصہ لیتی ہیں۔ بنگالی ان میچوں کو بڑی دلچسپی سے دیکھتے ہیں اس سال عورتوں نے فٹ بال کے میدانوں پر بھی پکٹنگ شروع کر دیا۔ اور ہندوستانی کھلاڑیوں سے درخواست کی کہ وہ فوجی اور انگریزی ٹیموں سے کوئی میچ نہ کھیلیں۔ ہندوستانی ٹیموں نے مجبوراً لیگ سے علیحدگی اختیار کرلی ہے۔

اس سال ہندوستان کا مشہور کرکٹ ٹورنامنٹ ——— کواڈرینگلر کرکٹ ٹورنامنٹ ——— ستمبر کے مہینہ میں پونا میں ہوگا۔

انگلستان کی منتخب کرکٹ ٹیم میں ہندوستان کے ایک مشہور کھلاڑی دلیپ سنگھ جی کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ دلیپ سنگھ جی نے حال ہی میں ایک ٹیم کے خلاف ۳۳۳ دوڑیں بنائی تھیں۔

اُستادوں اور والدین کا صفحہ

ریاضی کا جدید طریقۂ تعلیم

ریاضی کو جو اہمیت نصاب تعلیم میں حاصل ہے اسکا لحاظ کرکے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ماہرین تعلیم اور اساتذہ کرام نے خاص طور پر اس پر توجہ کی ہوگی۔ لیکن افسوس کہ جسقدر بے اعتنائی اس سے برتی گئی وہ اظہر من الشمس ہے۔ اساتذہ بجائے اسکے کہ اسکی اہمیت طلبہ کو بتلائیں اور شوق دلائیں تاکہ وہ ریاضی میں کسی اور مضمون سے کم دلچسپی نہ لیں انہوں نے اسکو مشکل بتا بتاکر انکو بددل کردیا اور انکے دماغوں میں یہ خیال جما دیا کہ ریاضی بالکل خشک اور مشکل مضمون ہے۔ اس کو عملی دنیا سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ صرف چند رٹے رٹائے ہوئے قاعدے ہیں جن کا رٹ لینا ریاضی جاننے یا یوں کہنا چاہئے کہ امتحان پاس کرنیکے لئے کافی ہے۔ اساتذہ کی اس بے راہ روی سے طالبعلموں نے سمجھ لیا کہ ریاضی ایک مضمون ہے جسکے لئے کسی خاص دماغ کی ضرورت ہے جسکو خدائے تعالیٰ نے اسی مقصد کے لئے دنیا میں بھیجا ہو۔ نتیجہ یہ ہوا کہ طلبہ ذرا بھی دلچسپی ریاضی سے نہیں لیتے اور اسکو بوجھ سمجھتے ہیں جو انکی مرضی کے خلاف ان پر ڈالدیا گیا ہے۔ اساتذہ کرام نے اس خیال کو بجائے کم کرنیکے اور بڑھانا شروع کیا اور اسکا نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہئے تھا یعنے ریاضی میں طلبہ تمام مضامین سے کمزور رہنے لگے۔ اور انکا وقت اسکے حاصل کرنے کے بجائے دعامیں گزرنے لگا۔ کب اس مضمون سے گلو خلاصی ہوگی لیکن بیچارے چونکہ مجبور ہیں کہ میٹرک تک پڑھیں۔ اسلئے طوعاً و کرہاً انکو سیکھنا پڑتا ہے۔ اور لطف یہ کہ اساتذہ خود اسکے شاکی رہنے لگے کہ طلبہ محنت نہیں کرتے اس لئے وہ کمزور رہتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ہم نے اس کمزوری کو کبھی دور کرنے کی کوشش بھی کی اور کیا کبھی اسکا خیال کیا کہ جتنا وقت طلبہ کے سامنے ریاضی کو مشکل بتا بتا کر ڈرانے میں صرف کرتے ہیں۔ اس کا آدھا وقت بھی اسکے دلچسپ بتلانے میں صرف کیا۔ نہیں کیا اور یقیناً نہیں کیا تو پھر شکایت ہی کس بات کی۔ نظم و ترتیب کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ اسکو اس طریقے سے پڑھایا جاتا ہے کہ گویا کہ اسکو ایک دوسرے سے بالکل تعلق ہی نہیں۔ ایک قاعدے کے بعد دوسرا قاعدہ سکھایا جاتا ہے۔ اس لئے نہیں کہ ان دونوں میں کوئی گہرا تعلق ہے بلکہ اسلئے کہ یہ دونوں قاعدے ہیں اور ہیں ریاضی ہی کے۔ رہ گیا تعلق کا تلاش کرنا یہ تضییع اوقات ہے۔ علاوہ اسکے ریاضی کا بالعموم اور حساب کا بالخصوص دنیا کے روزمرہ کے کاموں سے بالکل تعلق ہی نہیں رکھا جاتا۔ طالب علم تو طالبعلم استاد خود یہ سمجھتا ہے کہ ان قاعدوں کو روزمرہ کے کاموں سے کیا تعلق۔ حالانکہ جس شد و مد سے ریاضی کے پڑھانے پر اصرار کیا جاتا ہے۔ اور جو اس مضمون کو کچھ جانتے ہیں وہ یہانتک کہنے سے بھی نہیں چوکتے کہ ریاضی تمام مضامین میں بہتر ہے مگر عجیب بات ہے کہ اسکی تشریح نہیں کی جاتی کہ یہ بہتر کس لحاظ سے ہے۔ آیا اس لحاظ سے ہے کہ ہم نے اسکو بہتر سمجھ رکھا ہے۔ یا زندگی کے کسی شعبہ سے کوئی گہرا تعلق بھی ہے جسکو عام آدمی نہیں سمجھ سکتے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر ریاضی واقعی اہم ہے اور واقعی ہے تو ضرور ہے کہ ان اسباب کو تلاش کیا جائے جنہوں نے اسکو اہم بنایا ہے اور جہانتک میرا خیال ہے وہ یہ ہے کہ شعبۂ زندگی سے جسقدر ہوسکے تعلق رکھا جائے اور طالبعلم اسکو بجائے اسکے کہ ایک بے کار اور مشکل مضمون اور معمہ سمجھے جو امتحان پاس کرنے کے لئے اسکی بدقسمتی سے ضروری قرار دیا گیا ہے وہ سمجھے کہ اسکا تعلق عام روزمرہ کے حالات سے بہت زیادہ ہے اور اسکے جاننے سے اپنے دماغ کو صرف فرحت نہیں بخشتا بلکہ اپنے عام کاموں میں بھی بہت مدد لیتا ہے۔ وہ حساب صرف اسلئے نہیں سیکھتا کہ وہ ایک امتحان پاس کرلے بلکہ اسلئے کہ وہ اس میں اپنا فائدہ سمجھتا ہے۔

ہندوستان جہاں اور چیزوں پر توجہ کم کیجاتی ہے وہاں تعلیم کو بھی بے توجہی سے محروم رکھا جاتا ہے۔ غیر ممالک میں سینکڑوں کتابیں تعلیم پر لکھی جاتی ہیں اور یہ کوشش کیجاتی ہے کہ جسقدر ہوسکے ہر مضامین کو آسان سے آسان تر بنادیا جائے۔ اسکا نتیجہ خاطر خواہ نکلا اور وہاں لوگ ایک حد تک تعلیم حاصل کرنے لگے۔ اور ان خشک مضامین میں وہ جدت طرازیاں کہ انکی محنت کی داد نہ دینا ظلم ہے۔ مشکل سے مشکل مضامین کو اسقدر آسان کردیا کہ انکو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ مگر ہمارا ہندوستان جہاں ۵۰ برس پہلے تھا وہیں اب بھی ہے۔ اس پر اور کچھ اثر ہوا ہو لیکن تعلیم کے متعلق وہی جمود ہے اور جن

طریقۂ تعلیم کو غیر ممالک کے لوگوں نے فرسودہ، ناقص اور ناکارہ سمجھ کر چھوڑ دیا ہے اسکو ہندوستانی اختیار کرکے سمجھتے ہیں کہ ہم بھی اوج ترقی پر پہنچ گئے۔ یہاں کے ماہرین تعلیم اسکی ضرورت ہی نہیں سمجھتے کہ تعلیم کے لئے انکو کچھ کرنا ہے۔ زیادہ سے زیادہ وہ یہ کرتے ہیں کہ طلبہ کے دماغ کی نفسیاتی تشریح کردی اور کہا کہ ان باتوں کا اگر لحاظ رکھا جائے تو طالب علم بہت جلد ترقی کرے گا۔ اس ضمن میں مختلف باتیں بتلاتے ہیں مثلاً مضامین کو دلچسپ طریقے سے پڑھانے کی کوشش کرنا۔ ہر مضمون کے پڑھانے کے لئے آسان سے آسان طریقہ اختیار کرنا وغیرہ مگر بدقسمتی سے وہ اسکے بتلانے کی ضرورت نہیں سمجھتے کہ وہ آسان طریقہ آخر ہو کیا اور کسی مضمون کو دلچسپ کس طرح بنایا جائے۔ وہ عملاً کسی مضمون کو لے کر ان طریقوں کے بتلانے کی تکلیف گوارا نہیں کرینگے بلکہ وہ ایک عام اصول بیان کردینگے حالانکہ اگر وہ غور کریں اور ذرا اپنے ذاتی تجربہ سے کام لیں تو انکو معلوم ہوگا کہ انھوں نے جتنی باتیں کہی ہیں اسکو ہر شخص جو ذرا بھی تعلیمی معاملہ میں سدبدر کھتا ہے جانتا ہے۔ مگر اس پر عمل کرنے کیلئے کوئی ہدایت نامہ نہیں پاتا۔ مثال کے طور پر کسی مضمون کو لیجئے۔ ہندوستان کے ماہرین تعلیم نے کبھی عملاً اس مضمون کو آسان اور دلچسپ بنا کر دنیا کے سامنے پیش نہیں کیا اور شاید اور مضامین پر کچھ کوشش بھی کی ہو۔ لیکن کم از کم ریاضی جو زیادہ توجہ کا محتاج تھا انکی اس بے توجہی سے نالاں رہا اور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کے طلبہ میں وہ بات پیدا نہیں ہوتی جو غیر ممالک کے طلبہ میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ ریاضی کی خصوصیات میں سے بھی کہا جاتا ہے کہ ریاضی سے استخراج نتائج کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ریاضی کے موجودہ طریقۂ تعلیم نے اس خصوصیت کو طلبہ میں پیدا نہیں کیا بلکہ یہ خیال بھی پیدا نہیں ہونے دیا کہ اس سے سوائے دماغی تفریح کے یہ بھی کام لیا جاسکتا ہے۔ غرضکہ اس بے توجہی اور جمود نے ہندوستانی بچوں کو بہت سخت نقصان پہنچایا اور تعلیم کا مطمع نظر امتحان پاس کرلینے تک رہ گیا۔ یہ ضرور ہے کہ حکومت نے اس خیال کو پیدا کرنے میں مدد دی۔ لیکن آخر ہم ایسے بھولے کیوں بن گئے کہ غیر ملکی حکومت ہمارے فائدہ کے لئے وہ تمام کچھ کرے جسکی ہم کو ضرورت ہے۔ اگر حکومت نے آپ کو آپ کے مقصد حاصل کرنے میں مدد نہ دی تو نہ دے یہ تو آپ کا فرض تھا کہ آپ اپنے پاؤں پر خود کھڑے ہوں اور آزاد تعلیمی ادارہ قایم کریں اور اسکے ذریعہ سے اپنا مقصد حاصل کرنے کی کوشش کریں

(باقی)

(بقیہ مضمون صفحہ ۵) نمازی یہی تو کرتا ہے کہ پہلے سب دنیا سے قطع تعلق کرکے اس منعم حقیقی کیطرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور دنیا کے سب کام اپنے اوپر حرام کرلیتا ہے پھر ادب سے دست بستہ کھڑا ہوجاتا ہے اور دل کی تعظیم کو زبان پر لاتا ہے اور اپنے خالق سے اپنے دنیوی اخروی سعادت کیلئے کچھ عرض معروض کرتا ہے اور باہم خطاب کا سلسلہ جاری رہتا ہے اسی دوران میں جب اپنے ولی نعمت کے کمال عظمت اس پر ظاہر ہوتی ہے اور بھی زیادہ تعظیم شروع ہوتی ہے۔ اور سر کو اسکے سامنے جھکا دیتا ہے کیونکہ سر کا بلند ہونا ایک قسم کے تکبر کی علامت اور جھکنا انکساری اور خاکساری کی علامت ہے اور جب جھکے ہوئے زبان پر اسکی عظمت کا تذکرہ خوب زور شور سے ہوتا ہے تو اب دل چاہتا ہے کہ نہایت درجہ کی تعظیم کروں اور اپنی کامل خاکساری کو اسکے سامنے پیش کروں اور سب سے اشرف عضو کو یعنے چہرے اور ماتھے کو اسکے سامنے زمین پر رکھدوں اور ایک دفعہ پر صبر نہیں بلکہ بار بار رکھنا چاہتا ہے۔ اور دنیا میں بھی بادشاہوں کے دربار میں یہی تین طرح تعظیم کے برتے جاتے ہیں۔ کبھی خدام خاص دست بستہ حضوری میں کھڑے رہتے ہیں اور کبھی جھکتے ہیں اور کبھی زمین چومتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ نماز کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے خالق اور محسن کا کامل شکریہ ادا کیا جاوے اور ہر عقل سلیم والا محسن کے شکریہ کو مناسب بلکہ فرض اور لازم تجویز کرتا ہے۔ تو اگر حق تعالے نے ہم پر اپنا شکریہ فرض کیا اور وقتاً فوقتاً ہم سے طلب کیا تو یہ نہایت قرین قیاس اور معقول ہے۔ اور پھر اس نے اپنے شکریہ کا طریقہ اپنے نبی کے ذریعہ سے بتلایا تو یہ تو اس کا اور بھی احسان ہے۔ اور اسکا مستقل شکریہ ہونا چاہئے اور اس میں ہمارا ہی فائدہ ہے۔ دنیا میں پاک اور صاف رہیں اور اپنے آقا کو راضی کریں۔ اور آخرت میں ناشکری اور نمک حرامی کے الزام سے بچیں۔

والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین

وآلہ وصحبہ

اجمعین

مذہب

شاہی دربار میں حاضری

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

(۱) اس میں کوئی شک نہیں کہ حق تعالیٰ کی طرف سے حضرت انسان پر ہزاروں احسان اور انعام کئے گئے ہیں اور وہ اس قدر کثرت کے ساتھ ہیں کہ اگر کوئی گننا چاہے تو گننا مشکل ہو جاوے۔ سب سے پہلی اور بڑی نعمت یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اسکو بالکل نیست سے ہست کیا اور پھر ایسی شکل وصورت دی کہ دنیا کی سب ہستیوں سے بہتر اور برتر ہے۔ اس کی وضع قد وقامت اٹھنے بیٹھنے اور کردار وگفتار پر نظر کیجئے اور دوسرے جانداروں کو بھی ملاحظہ فرمائیے تو معلوم ہوگا کہ اسکی ہر ادا دوسروں سے نرالی اور بہتر ہے اور دنیا میں کوئی جاندار اسکے مقابلہ کا نہیں۔ اور اگر آپ دنیا پر ذرا غور سے نظر ڈالیں گے تو یہ معلوم ہوگا کہ جتنی چیزیں ہیں سب حضرت انسان کے تابع اور اسی کے فائدے کے لئے بنائی گئی ہیں۔ آسمان زمین آفتاب مہتاب ہوا پانی آگ ان سب کو ہمارے لئے پیدا کیا اگر یہ نہ ہوتے تو ہمارے پھل پھول اور آرام کے لئے رات معاش کیلئے دن یہ سب کہاں سے آتے اور ہماری زندگی کی تمام ضروریات کہاں سے پوری ہوتیں۔ غرضکہ دنیا کی سب چیزیں اسکے لئے بنائی گئی ہیں اور اسکو ان سب کا مالک اور متصرف بنایا گیا ہے اور اگر اسکے پتلے پر نظر ڈالئے تو بہتیرا کام کی چیزیں حق تعالیٰ نے اسکے اندر ودیعت فرمائی ہیں۔ دیکھنے کیلئے آنکھ چکھنے کیلئے زبان سونگھنے کیلئے ناک سننے کیلئے کان سمجھنے کیلئے عقل دی ہے یہ سب بڑی بڑی نعمتیں ہیں صرف آنکھ کو لیجئے اگر نہ ہو تو ساری دنیا گھپ اندھیرا ہو۔ سیاہ وسفید کی تمیز نہ ہے۔ اگر آپ کو اسکے نعمت ہونے میں کچھ تامل ہے تو اندھے سے دریافت کیجئے وہ اقرار کرے گا کہ یہ بہت بڑی نعمت ہے اور اگر زبان کے نعمت ہونے میں کچھ تامل ہے تو گونگے کی حالت کو ملاحظہ کر سکتے ہیں اسکی زبان حال آپکو بتلائے گی کہ یہ بیشک بے مثل نعمت ہے مشہور مثل ہے "قدر عافیت کسے داند کہ بمصیبتے گرفتار آید" اور عقل تو ایسی بڑی نعمت ہے کہ اسکے ذریعے انسان اور حیوانات سے ممتاز ہے۔ اگر یہ نعمت ہم کو عطا نہ ہوتی تو ہم میں اور دوسرے حیوانات میں کوئی فرق نہ ہوتا۔ ہم میں جتنی قوتیں رکھی ہیں ان سب کی رئیس اور بادشاہ عقل ہے جسطرح انسان کو حق تعالیٰ نے ساری چیزوں پر حکمراں بنایا ہے اسی طرح بدن کی ساری قوتوں پر اس کو حاکم بنایا ہے۔ غرضکہ تھوڑے سے سوچ بچار کے بعد آپ کو یقینی طور سے معلوم ہوگا کہ حق تعالیٰ کیطرف سے انسان کو بے شمار نعمتیں ملی ہیں۔

(۲) سب عاقل مسلمان ہوں یا کافر اس پر متفق ہیں کہ احسان والے کا شکریہ ادا کرنا فرض اور ضروری ہے ہر ایک نعمت کے مقابلہ ایک شکریہ ہونا چاہئے۔ اور اگر کسی کو شکریہ کا طریق معلوم نہ ہو کہ نعمت کا شکریہ کس طرح سے ادا کرے اور وہ احسان والا اسکو طریقہ بتلا دیوے کہ یوں شکریہ ادا کرو تو یہ اسکی طرف سے ایک اور بڑا احسان ہوگا جس کا اس پر ایک شکریہ الگ واجب ہوگا۔

(۳) اسکے بعد سمجھ لینا چاہئے کہ جتنے عبادات اور فرائض حق تعالیٰ نے ہم پر مقرر کئے ہیں یہ سب اسکے شکریہ کے طریقے ہیں جو کہ اس نے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ سے ہم کو بتلائے ہیں اور ان میں سب سے بڑا شکریہ نماز کی شکل میں ادا کیا جاتا ہے۔ اور نماز کو ہم نے بڑا شکریہ کیوں کہا۔ اسلئے کہ دنیا میں جب کسی کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے تو کبھی تو احسان والے کی زبان سے تعریف کرتے ہیں اور نہایت شستہ الفاظ کے ساتھ یا نظم کی شکل میں اسکی مدح کیجاتی ہے اور کبھی ہاتھ پیر سے نعمت والے کا کوئی کام انجام دیتے اور خدمت کرتے ہیں۔ اور کبھی دل سے ادا کیا جاتا ہے کہ دل کو اسکے اور منقاد کرے اور دل سے اسکے احسان کا اقرار کرے اور دل میں اس کا ادب اور عظمت رکھے۔ تو شکریہ کے کل یہ تین طریق ہیں۔ اب سب سے بڑا شکریہ وہ ہوگا جس میں یہ تینوں طریقے پائے جاتے ہوں جیسے کہ متنبی شاعر کامل شکریہ کا اظہار کرتے ہوئے اپنے احسان والے کو خطاب کرتا ہے

افادتکم النعماء منی ثلاثۃ ٭ یدی ولسانی والضمیر المحجبا

آپکے احسانات نے آپکو میری تین چیزوں کا مالک بنایا یعنی ہاتھ اور زبان اور چھپے ہوئے دل کا نماز کی حقیقت بھی یہ ہے کہ انسان اپنے دل کو حق تعالیٰ کی عظمت وجلال کے سامنے نہایت منقاد اور ذلیل کرے اور دل سے نہایت تعظیم بجا لائے اور جو تعظیم خداوندی اسکے دل میں بھری ہوئی ہے اس کا اظہار زبان سے بھی کرے اور اس بات کا اقرار کرے کہ سب تعریفیں تجھی کو سزاوار ہیں اور ہاتھ پیر سارے اعضا کو بھی حرکت میں لائے تاکہ پورا شکریہ ادا ہو اور بدن کا ہر ٹکڑا اس میں حصہ دار بنے اور سب کی طرف سے شکریہ ادا ہو۔

(باقی صفحہ ۴ کالم دوسرا)

سائنس

سورج کی کرنیں

سلیم صبح ہی صبح ٹہلنے کے لئے نکل جاتا۔ پانچ چھ میل چلنا اس کا معمول تھا۔ صبح کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا اُسے عجیب فرحت پہنچاتی۔ سرسبز کھیتوں کو دیکھتا، باغوں کو دیکھتا اور شاداں و فرحاں مکان واپس لوٹتا۔

ایک دن وہ ٹہلنے کے لئے نکلا ہی تھا کہ اتفاقاً اُسکے مدرسے کے استاد اسے مل گئے۔ سلیم کو نئی نئی باتوں کے پوچھنے کا شوق تھا اور اسے یہ موقعہ بھی اچھا مل گیا تھا۔ لہذا اس نے ماسٹر صاحب سے کہا۔ ماسٹر صاحب آج آفتاب کی کرنوں کے متعلق کچھ بتایئے۔

ماسٹر صاحب۔ سلیم سورج کی کرنوں کو تم نے بہت دفعہ دیکھا ہوگا کیسی پیاری اور خوبصورت معلوم ہوتی ہیں۔ افسردہ دل انکو دیکھ کر باغ باغ ہوجاتے ہیں۔ سرد ممالک کے لئے تو بالخصوص یہ عجیب نعمت ہیں۔ انگریزی زبان میں کرن خوشی اور چونچالی کا مترادف ہے۔ انگریز جب کسی لڑکی کو چستی و چالاکی سے کام کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ لڑکی تو سورج کی کرن ہے۔ جاہلوں کو تو جانے دو۔ پڑھے لکھے لوگ بھی ایسے بہت کم نکلیں گے جو شعاعوں کی ٹھیک اصلیت بتائیں۔ تمہیں کسی دن اندھیرے منہ علی الصبح اُٹھنے کا اتفاق ہوا ہوگا۔ تم نے آفتاب کی روشنی آہستہ آہستہ پھیلتے ہوئے دیکھی ہوگی۔ پہلے تو تمہیں کمرہ کی بڑی بڑی چیزیں نظر آئی ہونگی۔ وہ بھی کچھ دھندلی دھندلی۔ پھر رفتہ رفتہ تمہیں چھوٹی چیزیں دکھائی دی ہونگی۔ ہے نہ۔ بتاؤ ایسا کیوں ہوتا ہے؟۔

سلیم۔ اس لئے کہ سورج طلوع ہوتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ اوپر کو اٹھتا ہے

ماسٹر صاحب۔ دیکھو تم نے بھی غلطی کی۔ یہ وجہ نہیں ہے بات یہ ہے کہ زمین گھومتی ہے اور زمین ہی کی گردش رفتہ رفتہ ہمارے اس چھوٹے سے خطۂ زمین کو آفتاب کے سامنے لاتی ہے اور اسکی کرنوں سے فیض یاب ہوتی ہے۔ تجربہ کے لئے ایک چھوٹا سا گلوب لو اور دہلی کے اوپر سیاہ کاغذ کا ایک پرزہ چپکا دو۔ اسکے پاس ہی ایک لیمپ روشن کرکے رکھ دو اس گلوب کو آہستہ آہستہ گھماؤ تم دیکھو گے کہ اول تو اس کاغذ پر لیمپ کی وہ شعاعیں پڑینگی جو گلوب کے اس پہلو پر سے ہوکر آئیں گی جو لیمپ کے ٹھیک بالمقابل ہوگا۔ پھر آہستہ آہستہ تمام کاغذ منور ہوجائے گا۔

چونکہ سورج تمام کرنوں کا منبع ہے۔ لہذا میں اسکے متعلق بھی تمہیں کچھ بتادوں۔ اگر سورج ایک تاریک جسم ہوتا اور یہ شعاعیں ہم تک نہ پہنچتیں تو جانتے ہو کیا ہوتا۔ سخت سردی پڑتی ایسی سخت کہ تم خیال نہیں کرسکتے۔ پانی بخارات بنکر نہ اڑتا۔ بارش کبھی نہ ہوتی۔ دریاؤں کی روانی ختم ہوجاتی۔ نہ نباتات میں قوت نمو باقی رہتی نہ حیوانات میں جان۔ سوائے یخ اور برف کے کچھ نہ ہوتا۔ شاید اب تم سورج کی کچھ اہمیت سمجھ گئے ہوگے! اچھا بتاؤ تو سورج ہم سے کسقدر فاصلہ پر ہے؟۔

سلیم۔ بہت دور، اتنا دور کہ میں بتا نہیں سکتا۔

ماسٹر صاحب۔ سردیوں کے موسم میں تو سورج ہمیں بہت دور دکھائی دیتا ہے۔ لیکن گرمیوں میں جب مطلع صاف ہو تو سورج ہمیں بہت قریب دکھائی دیتا ہے۔ بس ایک سیڑھی لگائی اور وہاں پہنچ گئے۔ لیکن یہ سنکر تمہاری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہیگی کہ سورج ہم سے ۹ کروڑ دس لاکھ میل کے فاصلہ پر ہے۔

سلیم۔ اف اتنا فاصلہ۔

ماسٹر صاحب۔ ہاں ذرا سوچو۔ اگر تم تیز ریل گاڑی میں بیٹھو جو ساٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلے اور کسی اسٹیشن پر بھی نہ ٹھیرے تو تم ۱۷۰ برس میں سورج تک پہنچوگے۔ گویا کہ اگر تم چاہو کہ آج ۲۱ جون سنہ ۱۹۳۰ء کے دن سورج تک پہنچ جاؤ تو تمہیں چاہئے تھا کہ پلاسی کی لڑائی کے فوراً ہی بعد ریل پر سوار ہوجاتے اور آجتک برابر چلتے رہتے مسلمانوں کے زوال پر چار آنسو بہاتے، غدر کے خونچکاں واقعات دیکھتے۔ اور ہندوستان کی آج کل کی حالت پر تاسف کرتے تو اسوقت منزل مقصود پر پہنچ گئے ہوتے

(باقی)

جغرافیہ

مملکت سیام

دنیا میں مختلف ممالک ہیں اور ہر ملک کے باشندوں کا طرزِ بود و باش الگ الگ ہے۔ کسی ملک میں ریلیں نہیں ہیں اور کسی دوسرے ملک میں انکی اتنی کثرت ہے کہ زمین کے نیچے بھی ادھر اُدھر بھاگتی پھرتی ہیں جس ملک کا آج ہم تمہیں حال سنائیں گے وہاں ایک بھی ریل نہیں اور سارا کاروبار دریا ہی کے ذریعہ ہوتا ہے۔

ملک سیام کے مشرق اور شمال مشرق میں فرانسیسی ہند چینی، مغرب اور شمال مغرب میں برما اور جنوب میں ملایا واقع ہے۔ سیامی عموماً نہایت سادہ، خوش خلق، کفایت شعار اور مہمان نواز لوگ ہیں۔ یہ اپنے ملک کو "تھائی" کہتے ہیں۔ جسکے معنے ہے آزاد ملک۔

آج سے چالیس برس پیشتر اس ملک میں سڑکوں کا نام و نشان تک نہ تھا۔ پکی سڑکیں تو خیر بڑی بات ہے کچی سڑکیں بھی بس نام کو دو تین تھیں۔ موجودہ زمانہ میں بڑے بڑے شہروں میں کچھ سڑکیں بن گئی ہیں۔ لیکن بہت ہی کم۔ سیام میں آمد و رفت کا سب سے بڑا ذریعہ دریائے مینام ہے۔ جو تمام ملک میں پھیلا ہوا ہے۔ تمام کاروبار دریا اور کشتی کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اسی لئے اس شہر کو مشرق کا وینس کہتے ہیں۔

کسی اجنبی اور سیاح کیلئے ملک سیام میں سب سے دلچسپ چیز "واٹ" ہے۔ "واٹ" ایک بہت بڑے احاطہ کو کہتے ہیں جسکے چاروں طرف بلند دیواریں ہوتی ہیں۔ اس احاطہ میں مندر اور پجاریوں کے رہنے سہنے کے مکانات کے علاوہ پرفضا باغات بھی ہوتے ہیں۔ دن رات "واٹ" میں بس میلا سا لگا رہتا ہے عورتیں اور مرد صبح ہی صبح مہاتما بدھ کے سامنے چڑھاوا چڑھانے کیلئے چاول اور دوسری چیزیں لاتی ہیں۔ خوش عقیدہ لوگ ہزاروں میل کا پیدل سفر طے کرکے یہاں آتے ہیں اور اپنی مرادیں بیان کرتے ہیں۔ شام کو شہر بھر کے بنکرے تفریح کیلئے باغات میں جمع ہوتے ہیں۔ کہیں گانا ہوتا ہے کہیں ہنسی مذاق۔ رات ہوتے ہی تمام لوگ عبادت کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ اور اس وقت عجیب سماں ہوتا ہے۔ ان پرفضا اور خوبصورت باغات میں بیشمار کتے بلیاں اور دوسرے جانور بھی رہتے ہیں کیونکہ بدھ مت میں کسی جاندار کو مارنا منع ہے۔ مندر کے قواعد و قوانین کے مطابق کوئی پجاری بھی استرے سوئی دھاگہ اور کٹورے کے سوا کوئی چیز نہیں رکھ سکتا۔ مندر کے دروازے کے باہر کئی لوگ سبز پتے بیچنے والے ہوتے ہیں۔ ہر ایک جانے والے کو کم از کم ایک سبز پتہ خریدنا ضروری ہے۔ اجنبی اور سیاح بھی اس قاعدہ سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔

بنگانگ سیام کا دارالخلافہ ہے۔ اس شہر کے بازار لانبے چلے گئے ہیں دوکانیں اکثر بانس کی بنی ہوتی ہیں۔ ان بازاروں میں ہر قسم کا سامان ملسکتا ہے۔ چونکہ سیامی بڑے کفایت شعار ہوتے ہیں اس لئے ہر دکان سے آپکو بیسیوں چیزیں مل جائینگی۔ مثلاً درزی نہ صرف کپڑا سیتے ہیں بلکہ دوسری چیزیں بھی بیچنے کے لئے اپنی دکانوں پر رکھتے ہیں۔ ہر دکان میں مہاتما بدھ کے چھوٹے بڑے مجسمے ضرور ہوتے ہیں۔ اور اگر کسی دکان میں کوئی مجسمہ نہ ہوا تو وہ دوکاندار منحوس سمجھا جاتا ہے۔ سیام میں حجامت کا طریقہ بھی عجیب ہے۔ بال قینچی سے نہیں کاٹے جاتے بلکہ ایک لانبا سا اوزار ہوتا ہے جس سے ایک ایک بال نکالا جاتا ہے۔ اس طریقے سے بہت سا وقت ضایع ہوتا ہے۔

ملک کا وہ حصہ جس جگہ دریا نہیں ہے وہاں ہاتھی بڑا کام دیتا ہے۔ اسلئے سیامی ہاتھی کو بڑی وقعت کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ بنگانگ سے چالیس میل کے فاصلہ پر ایک شہر "اتھویا" ہے جو سیام کا قدیم دارالسلطنت تھا۔ اس شہر کے قرب وجوار کے جنگلوں میں ہاتھی بکثرت پائے جاتے ہیں جنگلوں، دشوار گزار مقاموں اور ان جگہوں میں جہاں دریا نہیں جاتا ہاتھی بڑا کام دیتے ہیں۔ بڑے بڑے شہتیر اور درخت اپنی سونڈ سے اٹھاتے ہیں اور مسافروں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں۔

سیامی بڑے اچھے تیراک و غواص ہوتے ہیں بچے اور عورتیں تک تیرنا جانتے ہیں۔ مچھلیاں پکڑنے کا انکے ہاں عجیب طریقہ ہے۔ ایک بڑا سا پھیہ پانی میں لگا دیتے ہیں اور اسمیں جال باندھ دیتے ہیں پھر لوگ کشتیوں میں بیٹھ کر ڈھول بجاتے اور شور کرتے ہیں مچھلیاں ڈر کر پھیہ کیطرف آتی ہیں اور جال میں پھنس جاتی ہیں۔

تاریخ

الفرڈ نوبل

نوبل پرائز کا ذکر تو آپ نے اکثر اخباروں میں پڑھا ہوگا لیکن بہت کم بھائیوں کو معلوم ہوگا کہ نوبل کون تھا اور اس نے کیوں یہ انعام مقرر کیا تھا۔

نوبل کا پورا نام الفرڈ نوبل تھا اس کا باپ ملک سویڈن کا رہنے والا اپنے زمانہ کا مشہور انجینئر تھا اس نے کئی اچھی اچھی چیزیں ایجاد کی تھیں لیکن اس پر جب اس کے وطن میں کچھ قدر نہ ہوئی تو وہ تمام خاندان کو ساتھ لے کر روس چلا گیا اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

الفرڈ نوبل بچپن ہی سے کلوں اور مشینوں کو دیکھتا بھالتا رہتا تھا اور ان کاموں میں بے حد دلچسپی لیتا تھا۔ اس کے باپ نے اسکی یہ دلچسپی اور شوق دیکھکر اس کو جان ارکسن کے پاس امریکہ بھیجدیا تاکہ الفرڈ نوبل اسکی شاگردی میں رہکر زیادہ تجربہ حاصل کرے۔ جان ارکسن بھی سویڈن ہی کا رہنے والا تھا اور زمانہ کی ناقدری کا شکار ہوکر امریکہ چلا گیا تھا۔ امریکہ میں جاکر اس نے بڑی شہرت حاصل کرلی تھی۔ امریکہ پہونچکر نوبل بہت جلد شاگردی کا زمانہ ختم کرکے اپنے استاد کو مدد دینے لگا۔ جان ارکسن نے نوبل کے متعلق اخباروں میں مضامین لکھکر اسے بہت مشہور کردیا۔

چار سال کے بعد الفرڈ نوبل روس واپس لوٹا۔ اس زمانہ میں کوئی ایسی چیز معلوم نہیں ہوئی تھی جو چیزوں کو بھک سے اڑا دیتی۔ الفرڈ نوبل نے اس چیز کو معلوم کرنے کے لئے کئی تجربے کئے آخر ایسی ترکیب نکالی جس سے نائٹرو گلیسرین حاصل ہوئی۔

اس کامیابی کی خبر سنکر سویڈن کی حکومت نے الفرڈ نوبل کو وہاں بلالیا اس کو وہاں بہت سی زمین مل گئی اور باپ بیٹوں نے ملکر ایک کارخانہ قایم کیا۔ دو سال تک بڑی کامیابی کے ساتھ کارخانہ چلتا رہا۔ لیکن آخر ایک افسوسناک اور خوفناک واقعہ پیش آیا۔ آگ لگ جانے سے سارا کارخانہ بھک سے اڑ گیا۔ کئی آدمی مر گئے۔ الفرڈ نوبل کا باپ اندھا اور اپاہج ہوگیا۔ اس کے چھوٹے بھائی کی جان بھی اسی میں ضایع ہوئی۔ اس پر بھی الفرڈ نے ہمت نہیں ہاری اور کام جاری رکھنے کا عزم کرلیا لیکن اسے کہیں زمین نہیں ملتی تھی آخر الفرڈ نے ایک بڑی سی کشتی بنوائی اور اسے اسٹاک ہوم سے چند میل کے فاصلہ پر ایک جھیل میں باندھکر وہاں کارخانہ قایم کیا اور وہیں ایک دوسری چیز تیار کی جسے دنیا ڈائنامیٹ کہتی ہے! اسکے بعد ہر ملک میں اس نے کارخانے کھولدئے۔ یہ چیز جنگ میں بے حد مفید ثابت ہونے والی تھی اس لئے الفرڈ اب ساری دنیا میں مشہور ہوگیا۔

لیکن اس وقت اسکی زندگی میں ایک واقعہ کی وجہ سے تبدیلی پیدا ہوگئی۔ اسی زمانہ میں اسٹریا کے ایک جرنیل کی لڑکی نے ایک کتاب لکھی جس کا نام تھا "ہتھیار کھولڈالو" اس کتاب میں جنگ کی برائیوں اور تباہیوں کا تذکرہ تھا اور یہ تذکرہ بڑے دردناک الفاظ میں کیا گیا تھا۔ جب نوبل نے اس کتاب کو پڑھا تو اس پر بے حد اثر ہوا۔ جنگ کو خوفناک بنانے کے لئے اس نے دو چیزیں ایجاد کی تھیں۔ وہ چاہتا تھا کہ دنیا ان چیزوں کو بھول جائے۔ لیکن دنیا کیسے بھولتی۔ ہر ایک کو انکی ترکیب معلوم تھیں۔ اس نے فیصلہ کیا کہ جتنا نقصان ان دو چیزوں کے ایجاد کرنے سے دنیا کو پہنچا ہے اس کی حتی الامکان تلافی کیجائے اس لئے اس نے اپنی دولت میں سے نوے لاکھ ڈالر دنیا کے اچھے کاموں میں صرف ہونے کے لئے وقف کردئے۔ یہ دولت پانچ حصوں میں تقسیم کی گئی۔ ہر حصہ کی آمدنی تقریباً چالیس ہزار سالانہ ہوتی ہے۔ سال میں جو اشخاص صلح، علم کیمیا، علم طبیعیات، علم طبابت اور علم ادب کی ترقی کے لئے دوسروں سے بازی لے جاتے ہیں انہیں یہ انعام ملتے ہیں۔ علم ادب کا انعام ہندوستان کے مشہور شاعر ڈاکٹر ٹیگور کو بھی مل چکا ہے۔

قصے کہانیاں

ابّو خاں کی بکری

ہمالیہ پہاڑ کا نام تو تم نے سنا ہی ہوگا۔ اس سے بڑا پہاڑ دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ ہزاروں میل چلا گیا ہے۔ اور اونچا اتنا ہے کہ ابھی تک اسکی اونچی چوٹیوں پر کوئی آدمی نہیں پہونچ پایا۔ اس پہاڑ کے اندر بہت سی بستیاں بھی ہیں۔ ایسی ہی ایک بستی الموڑہ بھی ہے

الموڑہ میں ایک بڑے میاں رہتے تھے۔ ان کا نام تھا ابّو خاں انھیں بکریاں پالنے کا بہت شوق تھا۔ اکیلے آدمی تھے۔ بس ایک دو بکریاں رکھتے۔ دن بھر انھیں چراتے پھرتے۔ انکے عجیب عجیب نام رکھتے۔ کسی کا کلو، کسی کا منگلیا، کسی کا گوجری، کسی کا حکمہ۔ ان سے نہ جانے کیا باتیں کرتے رہتے۔ اور شام کے وقت بکریوں کو لاکر گھر میں باندھ دیتے۔ الموڑہ پہاڑی جگہ ہے اس لئے ابّو خاں کی بکریاں بھی پہاڑی نسل کی ہوتی تھیں۔

ابّو خاں غریب تھے بڑے بدنصیب۔ انکی ساری بکریاں کبھی نہ کبھی رسی تڑا کر رات کو بھاگ جاتی تھیں۔ پہاڑی بکری بندھے بندھے گھبرا جاتی ہے۔ یہ بکریاں بھاگ کر پہاڑ میں چلی جاتی تھیں۔ وہاں ایک بھیڑیا رہتا تھا وہ انھیں کھا جاتا تھا۔ مگر عجیب بات ہے نہ ابو خاں کا پیار نہ شام کے دانہ کا لالچ، ان بکریوں کو بھاگنے سے روکتا تھا، نہ بھیڑیے کا ڈر بس شاید یہ بات ہو کہ پہاڑی جانوروں کے مزاج میں آزادی کی بہت محبت ہوتی ہے۔ یہ اپنی آزادی کسی داموں دینے کو راضی نہیں ہوتے اور مصیبت اور خطروں کے باوجود آزاد رہنے کو آرام اور آسایش کی قید سے اچھا جانتے ہیں

جہاں کوئی بکری بھاگ نکلی اور ابّو خاں بیچارے سر پکڑ کر بیٹھ گئے انکی سمجھ ہی میں نہ آتا تھا کہ ہری ہری گھاس میں انھیں کھلاتا ہوں چھپ چھپا کر پڑوسیوں کے دھان کے کھیت میں بھی انھیں چھوڑ دیتا ہوں، شام کو دانہ دیتا ہوں، مگر یہ کم بخت نہیں ٹھہرتیں اور پہاڑ میں جاکر بھیڑیے کو اپنا خون پلانا پسند کرتی ہیں۔

جب ابو خاں کی بہت سی بکریاں یوں بھاگ گئیں تو بیچارے بہت اداس ہوئے اور کہنے لگے اب ایک بکری نہ پالونگا۔ زندگی کے تھوڑے دن اور ہیں بے بکریوں ہی کے کٹ جائیں گے۔ مگر تنہائی بری چیز ہے تھوڑے دن تو ابو خاں بے بکریوں کے رہے۔ پھر نہ رہا گیا۔ ایک دن کہیں سے ایک بکری خرید لائے۔ یہ بکری ابھی بچہ ہی تھی کوئی سال سوا سال کی ہوگی پہلی دفعہ بیاہی تھی۔ ابو خاں نے سوچا کہ کم عمر بکری لونگا تو شاید ہل جائے اور اسے جب پہلے ہی سے اچھے اچھے چارے دانے کی عادت پڑ جائیگی تو پھر یہ پہاڑ کا رخ نہ کریگی۔ یہ بکری تھی بہت خوبصورت۔ رنگ اسکا بالکل سفید تھا بال لمبے لمبے تھے۔ چھوٹے چھوٹے کالے کالے سینگ ایسے معلوم ہوتے تھے کہ کسی نے آبنوس کی کالی لکڑی میں خوب محنت سے تراش کر بنائے ہوں۔ لال لال آنکھیں۔ تم دیکھتے تو کہتے کہ ارے یہ بکری تو ہم نے لی ہوتی یہ بکری دیکھنے میں ہی اچھی نہ تھی۔ مزاج کی بھی بہت اچھی تھی۔ پیار سے ابو خاں کے ہاتھ چاٹتی تھی۔ دودھ چاہیے تو کوئی بچہ دوہ لے۔ نہ لات مارتی تھی، نہ دودھ کا برتن گراتی۔ ابو خاں تو بس اس پر عاشق سے ہوگئے تھے اس کا نام چاندنی رکھا تھا اور دن بھر اس سے باتیں کرتے رہتے تھے۔ کبھی اپنے چچا گھسیٹا خاں کا قصہ اسے سناتے تھے، کبھی اللہ بخشے ماموں نتھو خاں کا۔

ابو خاں نے یہ سوچکر کہ بکریاں شاید میرے گھر کے تنگ آنگن میں گھبرا جاتی ہیں اپنی اس بکری چاندنی کے لئے نیا انتظام کیا تھا۔ گھر کے باہر ان کا ایک چھوٹا سا کھیت تھا۔ اسکے چاروں طرف انہوں نے نہ جانے کہاں کہاں سے کانٹے جمع کر کرکے ڈلوائے تھے کہ کوئی اس میں آنہ سکے۔ اس کے بیچ میں چاندنی کو باندھتے تھے اور رسی خوب لمبی رکھی تھی کہ خوب ادھر ادھر گھوم سکے۔ اس طرح چاندنی کو ابو خاں کے یہاں خاصہ زمانہ گذر گیا اور ابو خاں کو یقین ہوگیا کہ آخرِ کار ایک بکری تو ہل گئی۔ اب یہ نہ بھاگیگی مگر ابو خاں دھوکہ میں تھے۔ آزادی کی خواہش اتنی آسانی سے

دل ست نہیں تھی۔ پہاڑ اور جنگل میں رہنے والے آزاد جانوروں کا دم گھر کی چار دیواری میں گھٹتا ہے۔ تو کانٹوں سے گھرے ہوئے کھیت میں بھی انھیں چین نصیب نہیں ہوتا۔ قید قید سب ایک سی۔ تھوڑے دن کیلئے چاہے دھیان بٹ جائے مگر پھر پہاڑ اور جنگل یاد آتے ہیں اور قیدی ہی رسی تڑانے کی فکر کرتا ہے۔ ابوخاں کا خیال ٹھیک نہ تھا کہ چاندنی پہاڑ کی ہوا بھول گئی ہے۔

ایک دن صبح صبح جب سورج ابھی پہاڑ کے پیچھے ہی تھا۔ کہ چاندنی نے پہاڑ کیطرف نظر کی۔ منہ جو جگالی کیوجہ سے چل رہا تھا۔ رک گیا اور چاندنی نے دل میں کہا:۔

"وہ پہاڑ کی چوٹیاں کیسی خوبصورت ہیں۔ وہاں کی ہوا اور یہاں کی ہوا کا کیا مقابلہ۔ پھر وہاں اچھلنا، کودنا، ٹھوکریں کھانا اور یہاں ہر وقت بندھے رہنا۔ گردن میں آٹھ پہر یہ کم بخت رسی۔ ایسے گھر و نہیں گدھے اور خچر بھلے ہی چگ لیں۔ ہم بکریوں کو تو ذرا بڑا میدان چاہئے۔"

اس خیال کا آنا تھا اور چاندنی اب وہ پہلی چاندنی ہی نہ تھی۔ نہ اسے ہری ہری گھاس اچھی لگتی تھی نہ پانی مزہ دیتا تھا نہ ابوخاں کی لمبی داستانیں اسے بھاتی تھیں۔ روز بروز دبلی ہونے لگی دودھ گھٹنے لگا۔ ہر وقت منہ پہاڑ کیطرف رہتا اور رسی کو کھینچتی۔ اور عجیب دکھ بھری آواز سے "میں میں" چلاتی۔

ابوخاں سمجھ گئے، کہ ہو نہ ہو کوئی بات ضرور ہے لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا ہے۔ ایک دن صبح صبح جب ابوخاں نے دودھ دوہ لیا تو چاندنی نے انکی طرف منہ پھیرا اور اپنی بکریوں والی زبان میں کہا "ابوخاں میاں۔ میں اب تمہارے پاس رہونگی تو مجھے بڑی بیماری ہو جائے گی۔ مجھے تو تم پہاڑ ہی میں چلا جانے دو۔" ابوخاں بکریوں کی زبان سمجھنے لگے تھے۔ چلا کر بولے۔ "یا اللہ یہ بھی جانے کو کہتی ہے یہ بھی" اور مارے صدمے کے مٹی کی لٹیا جس میں دودھ دوہا تھا ہاتھ سے گری اور پاش پاش ہو گئی۔

ابوخاں وہیں گھاس پر بکری کے پاس بیٹھ گئے اور نہایت غمگین آواز سے پوچھا۔ "کیوں بیٹی چاندنی۔ تو بھی مجھے چھوڑنا چاہتی ہے؟"

چاندنی نے جواب دیا۔ "ہاں۔ ابو خاں میاں۔ چاہتی تو ہوں"

"ارے تو کیا تجھے چارہ نہیں ملتا۔ یا دانہ پسند نہیں۔ بنیے نے گھٹنے دانے ملا دئے ہیں۔ میں آج ہی اور دانہ لے آؤنگا۔"

"نہیں نہیں۔ میاں مجھے دانہ کی کوئی تکلیف نہیں،" چاندنی نے جواب دیا

"تو پھر کیا رسی چھوٹی ہے۔ میں اور لمبی کر دونگا"

چاندنی نے کہا "اس سے کیا فائدہ"۔

"تو آخر پھر بات کیا ہے؟۔ تو چاہتی کیا ہے؟"

چاندنی نے جواب دیا! "کچھ نہیں۔ بس مجھے تو پہاڑ میں جانے دو۔"

ابوخاں نے کہا! "اری کم نصیب۔ تجھے یہ بھی خبر ہے کہ وہاں بھیڑیا رہتا ہے وہ جب آئے گا تو کیا کرے گی؟"

چاندنی نے جواب دیا۔ "اللہ نے دو سینگ دئے ہیں۔ ان سے اسے مارونگی"۔

"ہاں ہاں۔ ضرور" ابوخاں بولے "بھیڑیے پر تیرے سینگوں ہی کا تو اثر ہوگا۔ وہ تو میری کئی بکریاں ہڑپ کر چکا ہے۔ انکے سینگ تو تجھ سے بہت بڑے تھے۔ تو تو کلو کو جانتی نہیں تھی وہ یہاں پچھلے سال تھی بکری کاہے کو تھی ہرن تھی ہرن۔ کالا ہرن۔ رات بھر سینگوں سے بھیڑیے کے ساتھ لڑی۔ مگر پھر صبح ہوتے ہوتے اس نے دبوچ ہی لیا اور کھا گیا۔"

چاندنی نے کہا۔ "ارے۔ رے۔ رے۔ بیچاری کلو۔ مگر خیر۔ ابوخاں میاں اس سے کیا ہوتا ہے۔ مجھے تو تم پہاڑ میں جانے ہی دو۔"

ابوخاں کچھ جھنجلائے اور بولے۔ "یا اللہ۔ یہ بھی جاتی ہے میری ایک بکری اور اس کم بخت بھیڑیے کے پیٹ میں جاتی ہے۔ . . . مگر نہیں۔ نہیں میں اسے تو ضرور بچاؤں گا۔ کم بخت، احسان فراموش تیری مرضی کے خلاف تجھے بچاؤں گا۔ اب تو تیرا ارادہ معلوم ہو گیا ہے اچھا بس چل تجھے کوٹھری میں باندھا کرونگا۔ نہیں تو موقع پاکر چل دے گی"۔

ابوخاں نے آکر چاندنی کو ایک کونے کی کوٹھری میں بند کر دیا اور اوپر سے زنجیر چڑھا دی۔ مگر غصہ اور جھنجلاہٹ میں کوٹھری کی کھڑکی بند کرنا بھول گئے۔ ادھر انھوں نے کنڈی چڑھا دی ادھر

جاندنی اچک کر کھڑکی میں سے باہر۔ یہ جا وہ جا۔

چاندنی پہاڑ پر پہونچی تو اس کی خوشی کا کیا پوچھنا تھا۔ پہاڑ پر پیڑ اس نے پہلے بھی دیکھے تھے لیکن آج ان کا اور ہی رنگ تھا۔ اُسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سب کے سب کھڑے ہوئے اسے مبارکباد دے رہے ہیں کہ پھر ہم میں آملی۔ اِدھر اُدھر سیوتی کے پھول مارے خوشی کے کھلکھلا کھلکھلا کر ہنس رہے تھے۔ کہیں اونچی اونچی گھاس اس سے گلے مل رہی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ سارا پہاڑ مارے خوشی کے مسکرا رہا ہے اور اپنی بچھڑی ہوئی بچی کے واپس آنے پر پھولا نہیں سماتا۔ چاندنی کی خوشی کا حال کوئی کیا بتائے۔ نہ چاروں طرف کانٹوں کی باڑھ، نہ کھونٹا نہ رسی۔ اور چارہ! وہ وہ جڑیاں بوٹیاں کہ ابوخاں غریب باوجود اپنی ساری محبت اور شفقت کے نہ لا سکتے۔

چاندنی کبھی ادھر اچھلتی، کبھی اُدھر، یہاں سے کودی، وہاں پھاندی، کبھی چٹان پر ہے، کبھی کھڈ میں۔ ادھر ذرا پھسلی پھر سنبھلی ایک چاندنی کے آنے سے سارے پہاڑ میں رونق سی معلوم ہوتی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ ابوخاں کی دس بارہ بکریاں چھوٹ کر یہاں آگئی ہیں

ایک دفعہ گھاس پر منہ مار کر جو ذرا سر اٹھایا تو چاندنی کی نظر ابو خاں کے مکان اور اس کانٹوں والے گھیر پر پڑی۔ انھیں دیکھ کر چاندنی خوب ہنسی اور دل میں کہنے لگی "یہ خدا کوئی دیکھے تو۔ کتنا ذرا سا مکان ہے اور کیسا چھوٹا سا گھر۔ یا اللہ میں اتنے دن اس میں کیسے رہی؟ اس میں آخر سماتی کیسے تھی؟" پہاڑ کی چوٹی پر سے اس ننھی سی جان کو نیچے کی ساری دنیا ہیچ نظر آتی تھی۔

چاندنی کے لئے یہ دن بھی عجیب دن تھا۔ دوپہر تک اتنی اچھلی کودی کہ شاید ساری عمر میں اتنی اچھلی کودی نہ ہوگی۔ دوپہر ڈھلتے اسے پہاڑی بکریوں کا ایک گلہ دکھائی دیا۔ گلہ کی بکریوں نے اسے خوشی خوشی اپنے پاس بلایا۔ اور اس سے حال احوال پوچھا۔ گلہ میں کچھ جوان بکرے بھی تھے۔ انہوں نے بھی چاندنی کی بڑی خاطر تواضع کی۔ بلکہ اس میں ایک بکرا تھا ذرا کالے کالے رنگ جس پر کچھ سفید سفید تھے وہ چاندنی کو بھی اچھا لگا۔ اور یہ دونوں بہت دیر تک ادھر ادھر پھرتے رہے۔

ان میں نہ جانے کیا کیا باتیں ہوئیں اور کوئی تو تھا نہیں۔ ایک چشمہ پانی کا بہہ رہا تھا اس نے سنی ہونگی۔ کبھی کوئی وہاں جائے اور اس چشمہ سے پوچھے تو شاید کچھ پتہ لگے۔ اور پھر بھی کیا خبر۔ یہ چشمہ بھی شاید نہ بتائے۔

خیر۔ بکریوں کا گلہ تو نہ معلوم کدھر چلا گیا۔ وہ جوان بکرا بھی اِدھر اُدھر گھوم کر اپنے ساتھیوں میں جا ملا۔ چاندنی کو ابھی آزادی کی اتنی آرزو تھی کہ اس نے گلہ کے ساتھ ہو کر ابھی سے اپنے اوپر پابندیاں لینا گوارا نہ کیا۔ اور ایک طرف کو چل دی۔ شام کا وقت ہوا۔ ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔ سارا پہاڑ لال سا ہو گیا اور چاندنی نے سوچا "او ہو" ابھی سے شام؟" نیچے ابوخاں کا گھر اور وہ کانٹوں والا گھیر دونوں کہر میں چھپ گئے۔ نیچے کوئی چرواہا اپنی بکریوں کو باڑہ میں بند کرنے کے لئے جا رہا تھا۔ انکی گردن کی گھنٹیاں بج رہی تھیں۔ چاندنی اس آواز کو خوب پہچانتی تھی اسے سنکر اداس سی ہوگئی۔ ہوتے ہوتے اندھیرا ہونے لگا اور پہاڑ میں ایک طرف سے آواز آئی۔ "خو خو"

یہ آواز سنکر چاندنی کو بھیڑیے کا خیال آیا۔ دن بھر ایک دفعہ بھی اسکا دھیان اِدھر نہ گیا تھا۔ پہاڑ کے نیچے سے ایک سیٹی اور بگل کی آواز آئی۔ یہ بیچارے ابوخاں تھے جو آخری کوشش کر رہے تھے۔ اسے سنکر چاندنی پھر، لوٹ آ۔ اُدھر سے یہ کہہ رہے تھے "لوٹ آ۔ لوٹ آ" ادھر سے دشمن جان بھیڑیے کی آواز آرہی تھی۔

چاندنی کے جی میں کچھ تو آئی کہ لوٹ چلے۔ لیکن اسے کھونٹا یاد آیا، رسی یاد آئی، کانٹوں کا گھر یاد آیا۔ اور اس نے سوچا کہ اُس زندگی سے تو یہاں کی موت اچھی۔ آخر کو سیٹی اور بگل کی آواز بند ہو گئی۔ پیچھے پتیوں کی کھڑکھڑاہٹ سنائی دی۔ چاندنی نے مڑکر دیکھا تو کان دکھائی دئے۔ سیدھے کھڑے ہوئے اور دو آنکھیں جو اندھیرے میں چمک رہی تھیں۔ بھیڑیا پہونچ گیا تھا۔

بھیڑیا زمین پر بیٹھا تھا۔ نظر بیچاری بکری پر جمی تھی اسے اطمینان تھا جلدی نہ تھی۔ خوب جانتا تھا کہ اب کہاں جاتی ہے۔ بکری نے جو اسکی طرف رُخ کیا تو یہ مسکرائے اور بولے "او ہو۔ ابوخاں کی بکری ہر

خوب کھلا کھلا کر موٹا کیا ہے"۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی لال لال زبان اپنے نیلے نیلے ہونٹوں پر پھیری۔ چاندنی کو کلو کا قصہ یاد آیا جو ابو خاں نے بتایا تھا اور اس نے سوچا کہ میں کیوں خواہ مخواہ لڑے بھڑے بغیر جان دوں۔ ابھی کیوں نہ اپنے کو سپرد کر دوں۔ لیکن پھر خیال کیا کہ نہیں اپنا سر جھکایا۔ سینگ آگے کو کئے اور پینترا بدل کر بھیڑیے کے مقابل آئی کہ بہادروں کا یہی شیوہ ہے۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ چاندنی اپنی بساط نہ جانتی تھی اور بھیڑیئے کی طاقت کا اندازہ اسے نہ تھا۔ وہ خوب جانتی تھی کہ بکریاں بھیڑیے کو نہیں مار سکتیں۔ وہ تو صرف یہ چاہتی تھی کہ اپنی بساط کے مطابق مقابلہ کرے جیت ہار پر اپنا قابو نہیں۔ وہ اللہ کے ہاتھ ہے مقابلہ ضروری ہے۔ جی میں یہ سوچتی تھی کہ دیکھوں میں کلو کی طرح رات بھر مقابلہ کر سکتی ہوں یا نہیں کچھ دیر جب گذر گئی تو بھیڑیا بڑھا۔ چاندنی نے بھی سینگ سنبھالے۔ اور وہ وہ حملے کئے ہیں کہ بھیڑیے ہی کا جی جانتا ہوگا۔ دسیوں مرتبہ اس نے بھیڑیے کو پیچھے ریل دیا۔ ساری رات اسی میں گذری۔ کبھی کبھی چاندنی اوپر آسمان کیطرف دیکھ لیتی اور تاروں سے آنکھوں آنکھوں میں کہہ دیتی کہ کاش اسی طرح صبح ہو جائے۔

ستارے ایک ایک کر کے غائب ہو گئے۔ چاندنی نے آخری وقت میں اپنا زور دوگنا کر دیا۔ بھیڑیا بھی تنگ آگیا تھا کہ دور سے ایک روشنی سی دکھائی دی۔ ایک مرغ نے کہیں سے بانگ دی نیچے بستی میں مسجد سے اذان کی آواز آئی۔ چاندنی نے دل میں کہا اللہ تیرا شکر ہے۔ میں نے اپنے [illegible] کیا۔ اب تیری مرضی۔ مؤذن آخری دفعہ اللہ اکبر کہہ رہا تھا [illegible] بے دم زمین پر گر پڑی۔ اس کا سفید بالوں کا لباس خون سے بالکل سرخ تھا۔ بھیڑیے نے اسے دبوچ لیا اور کھا گیا!

اوپر درخت پر چڑیاں بیٹھی دیکھ رہی تھیں۔ ان میں اس پر بحث ہو رہی ہے کہ جیت کس کی ہوئی۔ سب کہتی ہیں کہ بھیڑیا جیتا۔ ایک بوڑھی سی چڑیا ہے وہ مصر ہے کہ چاندنی جیتی۔

شذرات

گذشتہ پرچہ میں جو انعامی معمہ درج ہوا تھا اس کے پہنچنے کی آخری تاریخ غلطی سے ۳۰ رمئی سنہ ۳۰ء لکھی گئی ہے۔ حالانکہ ۳۰ رجون ہونا چاہئے تھا۔ چونکہ اس پرچہ کے پہنچنے تک وقت بہت کم رہ جائے گا۔ اس لئے اسکی آخری تاریخ ۳۰ رجون سے بڑھا کر ۷ رجولائی کر دی گئی ہے۔ ناظرین کرام یاد رکھیں۔

علی احمد صاحب بی۔ ایس۔ سی (جامعہ) مدرسہ اسلامیہ ہائی اسکول رنگون کی خانہ آبادی مدرسہ کی گذشتہ تعطیل کے دوران میں ہوئی۔ جامعہ والے ایسے موقعہ پر جامعہ نہیں بھولتے۔ چنانچہ آپ نے بھی اپنی شادی کے موقعہ پر جامعہ کے لئے مبلغ عنٰہ مرحمت فرمائے ہم علی احمد صاحب کو مبارکباد دیتے ہیں اور جامعہ کیطرف سے انکا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

---

۷ رجون کے پرچہ میں جو نتیجہ امتحان شایع ہوا تھا۔ اس میں عجلت کیوجہ سے بہت سی افسوسناک غلطیاں ہو گئی ہیں۔ چونکہ ان کا تعلق طلبائے جامعہ سے ہے اس لئے امید ہے کہ وہ خود ہی تصحیح کر لینگے۔

ایڈیٹر سعید انصاری بی۔ اے (جامعہ) پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم۔ اے پی ایچ ڈی۔ جامعہ ملیہ پریس دہلی میں چھپکر دفتر پیام تعلیم سے شائع ہوا۔